پیدائش حضرت عبداللہؓ سے وصالِ نبوی ﷺ تک کے تمام اہم وقائع
سیرت نبوی ﷺ عیسوی تقویم وترتیب کے ساتھ

وقائع سیرتِ نبوی ﷺ

عیسوی ماہ وسال کی روشنی میں



تحقیق وترتیب : اخلاق احمد قادری

THE CHRONICLES OF THE SEERAH IN ACCORDANCE WITH GREGORIAN CALENDAR

پیدائش حضرت عبداللہؓ سے وصالِ نبوی ﷺ تک کے تمام اہم وقائع
سیرتِ نبوی ﷺ عیسوی تقویم و ترتیب کے ساتھ

وقائع سیرتِ نبوی ﷺ

عیسوی ماہ و سال کی روشنی میں

تحقیق و ترتیب

اخلاق احمد قادری

بک فورٹ
ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز
ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32، غنی محلہ، سنت نگر، لاہور
Email: bookfort.zmdin@gmail.com

نام کتاب: وقائع سیرت نبوی ﷺ
تحقیق و ترتیب: اخلاق احمد قادری
سرورق: احسن گرافکس
ناشر: زاہد محی الدین
اشاعت: 2017ء
پرنٹرز: ہاشم اینڈ حماد پریس، لاہور
قیمت: -/800 روپے

ملنے کا پتہ: بک فورٹ، ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32،
غنی محلہ، سنت نگر، لاہور۔ فون نمبر: 0300-4931320
Email: bookfort.zmdin@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہزار بار بشویم دہن را زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

انتساب

مرشد من

حضرت مقبول محی الدین گیلانی مدظلہ
کے نام کہ جن کی نظر خاص نے
مجھے قلم پکڑنے کا حوصلہ بخشا۔

فہرست وقائع سیرت نبوی ﷺ

عیسوی ماہ وسال کی روشنی میں

تقریظ

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین

امابعد زیرنظر کتاب مستطاب

وقائع سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ عیسوی ماہ سال کی روشنی میں۔ کے کچھ اوراق محترم اخلاق احمد قادری صاحب مصنف کتاب ہذا نے فقیر کو دیے کہ اس کتاب پر تقریظ رقم کر دیں۔راقم الحروف نے ان اوراق سے چند مقامات کا مطالعہ کیا۔ابتداء آفرینش سے اللہ رب العزت نے آقائے نامدار سید عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ اوصاف وکمالات عطا فرمائے کہ اولین وآخرین نے ہر دور میں ان کی تصدیق کی اوران کو بیان کیا لیکن کسی شخص نے آج تک یہ دعوی نہیں کیا اور نہ کرسکتا ہے کہ میں نے سیرت نبوی اور کمالات واسوہ مبارکہ کا مکمل احاطہ کردیا ہے۔

بلکہ بالآخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حیاۃ مقدسہ اور اسوہ مبارکہ پر ہر دور میں ہر محقق اور سیرت نگار نے اپنے اپنے انداز پر تحقیق کی ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی جناب اخلاق احمد قادری کی یہ کتاب ہے۔چیدہ چیدہ مقامات سے ان اوراق کو دیکھا ہے۔محترم قادری صاحب نے اپنی بساط کے مطابق ایک نئے انداز پر سیرت نبوی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان کی یہ کوشش قابلِ ستائش ہے۔

مزید برآں سن عیسوی کے ساتھ سن ہجری کا بھی باقاعدہ اہتمام کیا جاتا تو یہ زیادہ مفید ہوتی۔بہرحال اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت بخشے اور نافع خلائق بنائے۔آمین ثم آمین۔

والسلام

سید ارشد سعید کاظمی شیخ الحدیث

جامع انوار العلوم ملتان فقیر نگاہ

(نوٹ) جناب قبلہ علامہ صاحب کی تجویز پر عمل پیرا ہوتے ہوئے احقر نے اپنی بساط کے مطابق سن ہجری کا اہتمام کرتے ہوئے یہ کمی پوری کر دی ہے۔

اخلاق احمد قادری

سیرت نگاری اور گریگورین کیلنڈر یا عیسوی تقویم

موجودہ عیسوی تقویم جو قریباً قریباً پوری دنیا میں رائج ہے گریگورین کیلنڈر یا عیسوی تقویم کہلاتی ہے۔ یہ ایک شمسی تقویم ہے۔ اس شمسی سنہ یا تقویم کا آغاز رومنوں نے اس وقت کیا تھا جب انہوں نے 753 قبل از مسیح میں اپنے مشہور شہر رومہ کا سنگِ بنیاد رکھا تھا اور اپنے کیلنڈر کا آغاز کیا تھا۔ یہ کیلنڈر انھیں کے نام پر رومن کیلنڈر کہلاتا تھا۔ رومن کیلنڈر یا تقویم میں سال دس مہینوں یا 304 دن کا ہوتا تھا۔ اس تقویم کا پہلا مہینہ مارچ تھا۔ عیسوی تقویم میں یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ رہا ہے کہ سال کا آغاز کس مہینہ سے ہو؟ کہیں یہ سال مارچ سے شروع ہوتا تھا تو کہیں ستمبر سے اور کہیں ایسٹر سے سال کی ابتداء کی جاتی تھی تو کہیں کرسمس سے۔ آخر 1752 میں انگلستان نے جنوری کو مستقل طور پر سنہ عیسوی کا پہلا مہینہ قرار دیا جس کے بعد یورپ اور امریکہ نے اس کی تقلید کی۔

رومنوں کے ہاں دس مہینے کا سال ہونے کی دلیل آج بھی خود سال کے آخری چار مہینوں کے ناموں سے عیاں ہے۔ یعنی ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے معنی رومی زبان میں علی الترتیب ساتواں، آٹھواں، نواں اور دسواں کے ہیں۔ بعد ازاں رومنوں نے اپنے کیلنڈر میں دو ماہ یعنی جنوری اور فروری کا اضافہ کر کے اپنا سال بارہ ماہ کا قرار دیا تاہم اس وقت بھی سال کے صرف 356 دن تھے اور یہ سورج اور زمین کی سالانہ گردش سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ رومہ کا سنگِ بنیاد رکھے جانے کے تقریباً 700 سال بعد 46 ق م میں رومن شہنشاہ جولیس سیزر (جس کے نام پر ماہ جولائی کا نام رکھا گیا تھا) نے ایک مصری ماہرِ فلکیات کی مدد سے کیلنڈر میں اصلاح کروائی جس کے بعد سال کے 365 دن مقرر کیے گئے اور ہر چوتھے سال کے فروری میں ایک دن کا اضافہ کیا جسے لیپ کا سال کہا گیا۔ اب یہ کیلنڈر جولیس سیزر کے نام پر جولین کیلنڈر کہلانے لگا۔

جولین کیلنڈر بھی زمین کی سالانہ گردش سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ زمین کی اس دوری گردش کی صحیح مدت

جو آج کے سائنسی عہد میں دقیق تحقیق سے معلوم کی گئی ہے وہ 365 دن، چھ گھنٹے 48 منٹ اور 46 سیکنڈ ہے۔ یہی مدت شمسی سال کہلاتی ہے۔

اس مدت کے لحاظ سے شمسی تقویم میں جو 365 دنوں پر منقسم ہے ہر چوتھے سال تقریباً ایک دن کا فرق رہ جاتا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے سنہ عیسوی میں کئی مرتبہ اصلاح کی گئی۔ پہلی ترمیم 8ء میں ہوئی، پھر 799ء، اور اس کے بعد 1477ء میں آخری بار اصلاح 1582ء میں پوپ گریگوری کے حکم پر ہوئی تھی۔ اس اصلاح کے ذریعہ کیلنڈر میں ترمیم کر کے دس دن کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس کے تحت جولین کیلنڈر میں 4/اکتوبر 1582ء کو جمعرات کا دن تھا۔ اس سے دوسرے دن جمعہ 5/اکتوبر تھا جسے تبدیل کر کے جمعہ 15/اکتوبر کر دیا گیا۔ پوپ گریگوری کی اس اصلاحی ترمیم کے بعد سے عیسوی تقویم اس کے نام پر گریگورین تقویم یا کیلنڈر کہلانے لگی۔ پوپ گریگوری کی یہ اصلاح دنیا کے تمام ممالک نے بیک وقت قبول نہیں کی بلکہ بتدریج قبول کرتے چلے گئے مثلاً کیتھولک عقیدہ رکھنے والے ممالک کے مقابلے میں پروٹسٹنٹ انگلستان نے یہ اصلاح 1752ء میں قبول کی۔ انگلستان کو تقویم میں دس دنوں کی بجائے گیارہ دنوں کا اضافہ کرنا پڑا۔ 2/ستمبر 1752 بروز بدھ بمطابق 3 ذیقعد 1165 ہجری کے بعد اگلے دن یعنی 4 ذیقعد 1165ھ بروز جمعرات کو 3 ستمبر کی بجائے 14 ستمبر 1752ء قرار دیا گیا۔ اگرچہ سنہ عیسوی کو میلاد عیسوی سے شروع سمجھا جاتا ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ محققین کے مطابق یہ سنہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش سے 4 سال پہلے سے شروع ہوا تھا۔ اسی وجہ سے خود پروٹسٹنٹ ممالک نے پوپ سے مذہبی اختلاف کی بنا پر گریگورین ترمیم و اصلاح کو جلد قبول نہیں کیا اور مختلف ممالک اسے مختلف وقفوں سے اپناتے رہے۔ مصر اور یونان نے اسے انیسویں صدی میں اور چین، ترکی اور روس نے اسے کہیں جا کر بیسویں صدی میں قبول کیا۔

جرمن ماہر تقویم وِسٹنفیلڈ Wistonfield نے ایک زمانہ پہلے، ہجری تاریخوں سے عیسوی تاریخیں مرتب کرنے کے لیے جدولیں مرتب کی تھیں جو بعد ازاں انگریزی اور اردو حروف و اعداد میں منتقل ہو کر شائع ہوئی تھیں جو ایک قابل قدر تحقیقی کام تھا۔ یہ جدولیں ہجری سنہ کے متبادل ڈھونڈنے کے لیے بڑی مفید ہیں

سیرت نگاروں کے لیے سب سے اہم معاملہ عہد نبوی ﷺ کی تقویم کا رہا ہے مگر عہد نبوی ﷺ کی تقویم کو آج کی مقبول عام تقویم یعنی گریگورین تقویم کے ساتھ تقابلی حیثیت دینے پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ تقویم عہد نبوی ﷺ کے بارے میں محققین نے الگ الگ مفروضے قائم کر رکھے ہیں۔ بعض کتابوں میں چیدہ چیدہ واقعات کی تقابلی تاریخیں ملتی ہیں مگر سیرت نبوی ﷺ پر کوئی ایسا کام موجود نہیں جو تمام تر تقابلی تاریخوں کی بنیاد پر مرتب کیا

گیا ہو۔ ناچیز نے اپنے علمی کم مائیگی کے باوجود زیرِ نظر کتاب میں عہد نبوی ﷺ کو گریگورین تقویم کی تقابلی تاریخوں کی روشنی میں ترتیب دینے کی ادنیٰ سی کوشش کی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اخلاق احمد قادری
28 مارچ 2016
زکریا ٹاؤن، ملتان

(نوٹ) چونکہ سیرت نگاروں نے عہد نبوی ﷺ کے بعض مشہور واقعات کے دن اور تاریخیں ایک دوسرے سے مختلف بیان کی ہیں اور اکثر مؤرخین میں آنحضرت ﷺ کی ولادت اور آپ ﷺ کے وصال کی تاریخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قمری مہینوں کی تقویم کے دو مختلف نظام مکی اور مدنی کیلنڈر رائج رہے ہیں اس لیے تقابلی عیسوی تاریخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس تقویمی اختلاف کو صرفِ نظر فرمائیں گے۔

مکی اور مدنی کیلنڈر

عہد نبوی میں قمری تقویم کے دو مختلف نظام

سیرت نگاروں اور مؤرخین عہد نبوی ﷺ نے سیرت کے بعض مشہور ترین واقعات کے دن اور تاریخیں ایک دوسرے سے مختلف بیان کی ہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت اور آپ ﷺ کے وصال پُرملال کی تاریخوں میں اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ اس اختلاف کی سب سے بڑی وجہ تو یہی بتائی جاتی ہے کہ اس عہد میں سالوں کے تعین اور تاریخوں کے اندراج کا کوئی قابل اعتماد طریقہ رائج نہیں تھا نہ ہی اہم وقائع کی تاریخیں محفوظ کرنے کے لیے کوئی خاص تردد کیا جاتا تھا۔ محققین نے اس کا ایک اور سبب یہ بتایا ہے کہ مشرکینِ عرب چار حرمت والے مہینوں (ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) میں سے کسی ایک یا زائد میں جنگی چالوں یا عسکری مفادات کے لیے ردوبدل کر لیا کرتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے سیرت کے اہم وقائع کی بعض تاریخیں اس طرح پر ردوبدل کیے گئے مہینوں کے مطابق ہوتی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دنوں اور مہینوں کے علاوہ مؤرخین کی بیان کردہ تقابلی عیسوی تاریخوں میں سالوں تک کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی اہم وجہ عہد نبوی ﷺ قمری مہینوں کے دو مختلف تقویمی نظاموں کا پایا جانا بھی ہے۔ یاد رہے ان دو تقویمی نظاموں میں سے ایک تو خالص قمری تھا جس میں سال بارہ مہینوں پر مشتمل تھا جبکہ دوسرا کیلنڈر یا تقویمی نظام جسے اصطلاح میں قمریہ شمسی (Luni-Solar) کہا جاسکتا ہے۔ قمری اور شمسی دونوں تقویموں کے اعتبار سے ترتیب پاتا ہے۔ مؤخر الذکر میں بنیادی طور پر مہینے تو قمری ہی شمار کیے جاتے تھے تاہم اسے شمسی یا موسمی سال کی مطابقت میں لانے

کے لیے خاص خاص سالوں میں ایک تیرھویں مہینہ کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ روایت ہے کہ عہد نبوی ﷺ کے وقائع بیان کرتے ہوئے بعض مؤرخین نے خالص قمری تقویم کو بنیاد بنایا تھا جبکہ بعض دوسروں نے قمریہ شمسی تقویم کے اعتبار سے تاریخیں درج کی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کے ماہِ وصال پر عمومی طور پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی عمر شریف کے 63 سال ہونے پر بھی اتفاق ہے مگر اختلاف اس بات پر ہے کہ یہ مدت قمری تقویم کے مطابق یا شمسی تقویم کے مطابق ہے۔ قمری تقویم کی رائے کے حامل مؤرخین ماہ میلادنبوی ﷺ ربیع الاول کا تعین اپریل 571ء کے مطابق کرتے ہیں جبکہ شمسی تقویم پر یقین رکھنے والے اس کی تطبیق جون 569ء یا اس سے کسی قریبی مہینے کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہاں ایک بات اور قابلِ ذکر ہے کہ قدیم مؤرخین کی بیان کردہ تاریخوں میں غیر شعوری طور پر متعلقہ تقویم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر نہ کرنا ہی بعدازاں مؤرخین جدید میں اختلاف رائے کا باعث بنا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ آج کے محققین کے لیے اس عہد کی درست زمانی ترتیب کا تعین کرنا انتہائی دشوار گزار قرار پایا۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے عہد جاہلیت کے نظام کبیسہ کو آئندہ کے لیے منسوخ کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نظام کبیسہ کے تحت اس سے اگلے مہینے ہی اضافی ماہ کا اطلاق ہونا تھا جو آنحضرت ﷺ کے اس اعلانِ تنسیخ کے بعد واقع نہ ہوا۔ لہٰذا اس کے ساتھ ہی آئندہ کے لیے اسلامی تقویم کے خالص قمری نظام کا اعلان ہوا۔ یاد رہے کہ عہد نبوی ﷺ کی قمریہ شمسی تقویم کو ''مکی کیلنڈر'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ مکہ میں حج کے مناسک اسی نظام کبیسہ کی تطبیق میں ادا کیے جاتے تھے جبکہ عہد نبوی ﷺ کی قمری تقویم کو جو بارہ قمری مہینوں کے سال پر مشتمل تھی ''مدنی کیلنڈر'' بھی کہا جاتا تھا۔

نظام کبیسہ کے تحت 10ھ سے پہلے کون کون سے سال کبیسہ ہوئے اس کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ کہنا بڑا مشکل ہے۔ اس نظام کی جزئیات البتہ تحقیق طلب ضرور ہیں مگر اتنا آسان کام نہیں جتنا لوگ خیال کرتے ہیں۔ بڑے بڑے نامور محقق بھی اس بارے میں وسیع اختلاف رکھتے ہیں لہٰذا کسی کی توجیہات کو یک دم حتمی قرار دینا ممکن نہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ نظام کبیسہ کے کوئی خاص ضوابط مقرر نہیں تھے۔ جب وہ سمجھتے تھے کہ قمری سال میں موسمی اعتبار سے

ایک ماہ کا فرق پڑ گیا ہے تو وہ اسے تبدیل کر لیتے تھے اور اس کا فیصلہ مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر چند خاص ذمہ دار افراد کیا کرتے تھے۔ یوں کبھی دوسرے سال میں کبھی تیسرے سال میں ایک ماہ کا اضافہ ہو جاتا۔ اکثریت کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ ایک مخصوص مدت میں ایک متعین حساب سے ہی لوند کے مہینے بڑھائے جاتے تھے۔ فاضل عرب مؤرخین نے جن میں ابن اسحٰق، المسعودی اور البیرونی جیسے محقق اور مؤرخ شامل ہیں اس کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ ان صورتوں میں سے صرف شمسی سال سے قریب ترین مدت کی حامل صورتوں کا تجزیہ کیا جائے تو کچھ یہ کیفیت سامنے آتی ہے۔

(1) ہر تین سال قمری میں ایک ماہ۔ اس سے سال میں **364** دن **5** گھنٹے **3** منٹ بنتے ہیں۔

(2) تیس قمری سالوں میں **11** ماہ اس سے سال کے دن **365، 4** گھنٹے اور **41** منٹ بنتے ہیں۔

جبکہ شمسی سال کی صحیح مدت گریگورین کیلنڈر کے مطابق **365** دن **5** گھنٹے **48** منٹ اور **60** سیکنڈ ہے۔ اسی طرح **19** قمری سالوں میں **7** ماہ کا اضافہ آج کے شمسی سال کے برابر تھا۔

نظام کبیسہ میں یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ محققین کو کسی جگہ بھی سال کے **12** مہینوں کے علاوہ کسی تیرھویں مہینے کا نام نہیں ملتا تو شک گزرتا ہے کہ کیا اس عہد میں ایسا کوئی نظام رائج تھا؟ یا شاید پھر ماہ کبیسہ اور اس سے اگلے ماہ دونوں کو ہی محرم کہا جاتا تھا۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر کوئی واقعہ ایسے محرم میں بیان کیا گیا ہے، جس کے ساتھ دوسرا محرم بھی منسلک تھا تو صحیح تطابق کیسے کیا جائے۔ ذی قعدہ، ذوالحجہ اور محرم کے تین مسلسل مہینے حرمت والے قرار دینے میں یہ مصلحت بیان کی جاتی تھی کہ اس زمانے کے ذرائع آمد و رفت کے مطابق حج کے لیے قافلے ذی القعدہ میں چل پڑتے تھے اور حج کے بعد کچھ قیام وغیرہ کر کے وہ محرم کے مہینے میں اپنے اپنے گھروں کو پہنچتے تھے۔ اس طرح ان تین مہینوں میں لڑائی کی بندش کے سبب ان کے لیے دونوں اطراف کا سبب بحالت امن گزرتا تھا۔ یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ محرم کے دو مہینے یکے بعد دیگرے شمار کیے جانے کے بعد ان میں سے کون سا مہینہ حرمت والا شمار کیا جاتا تھا اگرچہ ذی الحجہ کے فوراً بعد آنے والا مہینہ اس زمرے میں نہیں آتا تھا یا ماہ کبیسہ کو ذوالحجہ کے بعد محرم کی بجائے کسی اور نام سے پکارا جاتا تھا۔ بہر حال ایسے سارے امور ابھی تحقیق طلب ہیں۔ بہر حال اس نظام سے بعض مشہور دنوں کی ترتیب میں غلطیوں کے امکان کو رد نہیں کیا جا

سکتا۔ کہیں وقائع سیرت پر مکی تقویم اثر انداز نظر آتی ہے اور کہیں وقائع سیرت بیان کرنے میں توقیتی صراحتوں پر ایک خاص قمری تقویم کی کارفرمائی محسوس ہوتی ہے جو محققین کی رائے میں مدنی قمری تقویم ہے۔ اس سلسلہ میں محققین کا خیال ہے کہ اہلِ مدینہ کے سنہ ہمیشہ قمری ہوتے تھے اور ان میں قمریہ شمسی نظام کا رواج یا دخل مطلق نہ تھا۔ مدنی سنہ کو اسلامی سلطنت کی قبولیت کا شرف جیسا کہ معلوم ہے خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا جس کے بعد اس کا نام ہجری سنہ قرار پایا (طبری) یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں اس سے نسبتاً کم واقعات ریکارڈ کیے گئے ہیں۔

(جوہر تقویم از ضیاء الدین لاہری) المختصر تقویم خیر القرون (کاش البیرونی) کراچی، تقویم تاریخی از عبدالقدوس ہاشمی، تقویم ہجری وعیسوی از محمد خالدی کراچی، رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، الشمس والقمر بحسبان از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، تقویم تقابلی وسٹنفیلڈ (جرمنی) کا اردو ترجمہ

کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر

عہد فترۃ نبوت کی اقوام عالم اور سلطنتیں

1-100ء پہلی صدی عیسوی کے اہم وقائع

IMPORTANT EVENTS OF

Ist CENTURY A.D

پہلی صدی عیسوی دنیا میں رومی سلطنت کے پھیلاؤ کی صدی تھی۔ اس سلطنت کے زیر انتداب مغربی تہذیب کے سارے یورپی ممالک کے علاوہ کچھ مشرقی علاقے بھی شامل تھے جن میں مصر، فلسطین، شام اور میسوپوٹیما کے علاقے شامل تھے۔ دوسری طرف مشرق میں اس کی ہم سر ایرانی سلطنت اشکانی سلطنت Parthian Empire پھیلی ہوئی تھی اور عراق وایران اس کے زیر انتداب تھے۔ 27ق م سے 27 عیسوی تک روم پر جولیس سیزر کا متبنیٰ آگس سیزر حکمران رہا۔ اس کے بعد اس کا خاندان جولیو کلاڈین Julio Claudian-68 عیسوی تک برسر اقتدار رہا اور اس میں نیرو Nero جیسے اوباش اور ظالم شہنشاہ بھی ہوگزرے۔ 69 عیسوی سے 96 عیسوی یعنی اختتام پہلی صدی عیسوی تک فلیوین Flavian خاندان کے قیصران کی سلطنت رومہ پر حکمرانی رہی۔ جولیس سیزر کا قتل 44ق م میں جمہوریت پسندوں کے ہاتھوں ہوا تھا۔ زمانہ قبل مسیح کے مشاہیر میں سے ایک تھا۔ جولیس سیزر کے بعد اس کے ایک متبنیٰ آکٹیوین نے مارک انطونی اور ایک دوسرے رومی سردار لیپی ڈس کے ساتھ مل کر مجلس ارباب ثلاثہ کی حکومت قائم کی جس میں انطونی کی جنوری 31ق م میں جنگ میں شکست کے بعد آکٹیوین نے رومی سینٹ میں خصوصی اختیارات حاصل کر لیے اور آگسٹس کا لقب بھی حاصل کر لیا۔ جنوری 16 ق م میں اس نے اپنے شہنشاہ یا قیصرِ روم ہونے کا اعلان کر دیا اور یوں

صدیوں سے قائم رومی جمہوریہ دوبارہ شہنشاہیت میں بدل گئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا سلطنت روم کا پہلا شہنشاہ آگسٹس تھا اسی قیصر رومہ کی یاد میں عیسوی تقویم کا آٹھواں مہینہ اگست کہلاتا ہے۔ آگسٹس کے جانشین ٹائبریس کے عہد میں فلسطین کے رومی گورنر پیلاطیس نے یہودیوں کے اصرار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کا حکم جاری کیا تھا جو پہلی صدی عیسوی کا اہم ترین واقعہ ہے۔

شہنشاہ آگسٹس کے عہد کا ایک اور اہم واقعہ یہ ہے کہ شہنشاہ آگسٹس نے دنیائے عرب کے خلاف ایک عسکری مہم مصر کے رومی گورنر ایلیس گاس کی سرکردگی میں 25 ق م میں بھجوائی تھی۔ اس عسکری مہم کا مقصد اہلِ عرب کو زیر کرنا اور جزیرہ نمائے عرب کے ساحلوں پر موجود قزاقوں اور لٹیروں کا قلع قمع کرنا تھا۔ بحری قزاقی میں اس زمانے میں جنوبی عرب (یمن) کے قبائل خصوصی طور پر بڑے مشہور تھے؛ تاہم مؤرخین کے نزدیک اس رومی عسکری مہم کا ایک اور مقصد جزیرہ نما عرب کے وسائل کو بروئے کار لانا بھی تھا۔ آگسٹس سے پہلے اسکندر اعظم کی بھی خواہش تھی کہ وہ عرب دنیا کو تسخیر کرے مگر موت نے اسے اس کام کی مہلت نہ دی تھی۔ بہرحال مغربی حکمرانوں میں قیصر آگسٹس وہ پہلا اور آخری حکمران تھا جس نے سرزمینِ عرب پر کوئی عسکری مہم بھجوائی تھی۔ آگسٹس کی اس عسکری مہم میں قدیم دنیا کا مشہور جغرافیہ دان سٹرابو بھی شامل تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ قبطیوں نے اس مہم میں رومیوں کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر انھوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ ایک عرب گائیڈ نے رومی سالار گاس کو طویل راستے پر ڈال دیا جس کی وجہ سے رومی لشکر صحرا میں بھٹک گیا اور مسلسل چھ ماہ تک بھٹکنے کے بعد شدید جانی و مالی نقصان اٹھا کر عرب سے نکلا۔ اسی وجہ سے بعد کے زمانوں میں کسی بھی مغربی حکمران کو سر زمینِ عرب پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

یاد رہے کہ مؤرخین کے مطابق سرزمین عرب کے سیاسی و مذہبی مرکز مکہ میں آبادی کا آغاز سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام سے ہوا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد آپ کے دو بیٹے نابت اور قیدار یکے بعد دیگرے مکہ کے سردار رہے اور ان کے بعد مضاف بن عمر جرہمی جو ان کا نانا تھا مکہ کا سردار بنا جس کے ساتھ مکہ کی امارت بنو جرہم کے زیر انتداب آ گئی اور اگلے دو ہزار سال تک بنو جرہم ہی مکہ کے سربراہ رہے۔ انہی کے عہد میں قیصر آگسٹس کی مندرجہ بالا عسکری مہم سرزمین عرب پر بھیجی گئی تھی۔ عراق میں بخت نصر کے ظہور کے وقت تاہم بنو جرہم کچھ کمزور پڑ گئے تھے اور مکہ کے افق پر عدنان کا سیاسی اقتدار قائم ہو گیا تھا پھر بخت نصر نے جب 586 ق م میں دوسرا حملہ کیا تھا تو بنو عدنان یمن بھاگ گئے تھے [1]

آگسٹس کے ایک اور جانشین قیصر کلاڈیس (54-41ء) نے 43 عیسوی میں جزائر برطانیہ خصوصاً انگلستان کو فتح کیا تھا۔ اسی کلاڈیس نے خود رومی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی سگی بھتیجی اگریپینا سے شادی کر لی تھی جس کا

1 عرب و ہند کے تعلقات، تاریخ کامل ابن اثیر

دوسرے شوہر سے ایک بیٹا نیرو تھا جو کلاڈیس کے بعد رومہ کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ اور اس نے 64 عیسوی میں رومہ کو آگ لگوا دی تھی۔ نیرو موسیقی کا دلدادہ تھا۔ کہتے ہیں کہ جب شہر رومہ جل رہا تھا تو نیرو بانسری بجا کر اپنے ذوق کی تسکین کر رہا تھا۔ اس دور میں اخلاقیات اس درجہ گر چکی تھی کہ نیرو نے اپنی ماں اگریپینا سے جنسی تعلقات قائم کر لیے تھے۔ سینٹ پال جس نے مسیحیت میں الوہیت مسیح اور کفارہ کے عقیدہ داخل کیے تھے اسے بھی 64 عیسوی میں روم میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ایران میں سکندر اعظم کے ہاتھوں 326 ق م میں کیانی سلطنت یا ہخامنشی سلطنت کی تباہی کے بعد ایرانی سلطنت سکندر اعظم کے سپہ سالاروں میں منقسم ہو گئی تھی۔ اسی یونانی سلطنت کے خلاف اہل پارتھیا اٹھے تھے اور انہوں نے سلطنت اشکانی Parthian Empire قائم کی تھی۔ یہی سلطنت پہلی صدی عیسوی میں قائم تھی۔ ایرانی اشکانی شہنشاہ بلاش اول نیرو کا ہم عصر تھا۔ اس نے آرمینائی حکومت اپنے بھائی شیرداد کے سپرد کی تھی۔ جب 58 عیسوی میں آرمینیا ایرانیوں کے ہاتھوں نکل گیا اور شہنشاہ نیرو کے حکم پر رومیوں نے فتح کر لیا تھا تو شہنشاہ نیرو نے شرط رکھی کہ اگر شیرداد خود رومہ آ جائے تو شہنشاہ روم نیرو اس کے سر پر آرمینیا کی بادشاہت کا تاج رکھ دے گا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق آخر شیرداد خود رومہ گیا اور اس نے شہنشاہ رومہ نیرو کے ہاتھوں آرمینیا کی بادشاہت کا تاج پہنا۔ اس کے بعد دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک عرصہ خوشگوار تعلقات قائم رہے۔

پہلی صدی عیسوی آئینہ تقویم میں

9ء : افواج روم کی جرمنی میں شکست۔

14ء : قیصر آگسٹس کی وفات۔

14-57ء : قیصر ٹائبریس کا عہد۔

33ء : حضرت مسیحؑ کو مصلوب کیے جانے کا حکم دیا گیا۔

37-41ء : قیصر کالیگولا کا عہد، ظلم و بربریت کا دور۔

41-54ء : قیصر کلاڈیس کا عہد۔

43ء : برطانیہ پر رومیوں کا حملہ۔

41ء : موریطانیہ، افریقہ کا سلطنت رومہ سے الحاق۔

46ء : یونانی ریاست تھریس کا رومہ سے الحاق۔

54-68ء : شہنشاہ نیرو کا عہد۔

64ء : رومہ کی آتشزدگی۔

66ء : یہودیہ (فلسطین) میں بغاوت۔

68-69ء : قیصر گیلبا، قیصر اوتھو اور قیصر ویٹالیس کا مختصر عہد۔

69-70ء : قیصر ویسپاشین کا عہد۔

70ء : ہیکل سلیمانی اور یروشلم کی رومیوں کے ہاتھوں تباہی۔

79-81ء : قیصر روم شہنشاہ طیطس کا عہد۔

79ء : مشہور زمانہ کوہ ویسویس کا پھٹنا اور پومپیائی کی تباہی۔

81-96ء : قیصر روم ڈومیشن کا عہد۔

96-98ء : قیصر نیروا کا عہد۔

98ء : قیصر ٹراجن کی تخت نشینی۔

(نوٹ) یروشلم کی رومیوں کے ہاتھوں تباہی پہلی صدی عیسوی کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ 64ء تا 66ء یہودیوں نے سلطنت رومہ کے خلاف بغاوت کی تھی مگر ناکام رہے تھے۔ آخر بخت نصر کی طرح قیصر روم بھی یہودیوں کی سازش سے تنگ آ گیا۔ طیطس نے جو بعدازاں قیصر بنا یروشلم کا محاصرہ کرلیا اور 28 اگست 70 عیسوی کو جب رومی ہیکل میں داخل ہوئے تو انہوں نے ہیکل کو آگ لگادی اور یروشلم کو برباد کردیا۔

دوسری صدی عیسوی کے اہم وقائع

IMPORTANT EVENTS OF THE IInd CENTURY

دوسری صدی عیسوی کے نصف میں حجاز کی امارت مکہ میں بنوجرہم نے زائرین اور حجاج کرام سے بیت اللہ میں زیادتیاں کرنا شروع کردی تھیں۔ان دنوں انھوں نے خانہ کعبہ کا مال کھانے میں بھی دریغ سے کام نہیں لیا تھا جس کے نتیجے میں بنوخزاعہ نے عمرو بن لحی کی قیادت میں مرالظہران میں پڑاؤ کیا اور ایک مضری عدنانی قبیلہ، بنوبکر بن عبد مناف بن کنانہ کو ساتھ ملا کر متولیانِ کعبہ بنوجرہم کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور آخر کار بنوجرہم کو جو بخت نصر دوم کے حملے 588 ق م سے بھی پہلے سے مکہ میں آباد تھے نکال کر امارت مکہ پر قبضہ کرلیا۔تقریباً دو ہزار سال بعد بنوجرہم نے مکہ سے نکلتے وقت زمزم کا کنواں بند کردیا اور اس میں کئی نوادرات کعبہ دفن کر کے چاہ زمزم کے آثار تک مٹا دیے۔ابن اسحٰق کے مطابق عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے دو سونے کے بنے ہوئے ہرن اور اس کے کونے میں نصب حجر اسود تک نکال کر چاہ زمزم میں دفن کردیا اور اپنے قبیلے بنوجرہم کو ساتھ لے کر مکہ سے یمن چلا گیا۔مؤرخ اسلام المسعودی نے لکھا ہے کہ اہل فارس خانہ کعبہ کے لیے جو مال و جواہر بھیجتے تھے انھیں میں ساسان بن بابک کے بھجوائے ہوئے دو سونے کے ہرن بھی تھے جو بنوجرہم نے مکہ سے جلاوطنی اختیار کرتے ہوئے چاہ زمزم میں دفن کردیے تھے

بنوخزاعہ نے اپنے حلیف بنوبکر کو شامل کیے بغیر مکہ میں اپنی حکمرانی قائم کرلی تاہم تین اہم مناصب بنوبکر یا مضری قبائل کے حصے میں آئے:

(۱) حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانا

(۲) 10 ذی الحجہ کو مزدلفہ سے منیٰ کی جانب روانگی۔

(۳) حرمت والے مہینوں کو ضرورت کے مطابق آگے پیچھے کرنا۔

یہ کام جو ایک اعزاز سمجھا جاتا تھا بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو فقیم بن عدی کے سپرد تھا۔ مکہ پر بنو خزاعہ کا اقتدار مؤرخین کے نزدیک اگلے تین سو برس تک قائم رہا اور عدنانی قبائل (قریش) مکہ حجاز سے نکل کر نجد منتقل ہو گئے۔ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی ہی جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی کا بانی تھا۔ عمرو بن لحی سفر شام سے واپسی پر ایک بت ہبل اپنے ساتھ لے آیا تھا جو اس نے خانہ کعبہ میں نصب کر دیا تھا اور اہلِ مکہ کو اس کی پوجا کی دعوت دی تھی۔ اساف و نائلہ کو بھی عمرو بن لحی نے ہی زمزم کے پاس رکھ دیا تھا تاکہ لوگ ان کا طواف کریں۔ یہ بھی روایت ہے کہ اساف نامی مرد اور نائلہ نامی عورت بیت اللہ میں زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ جب لوگوں نے انھیں آ کر دیکھا تو وہ پتھر کے ہو چکے تھے۔ لوگوں نے انھیں عبرت کے لیے صفا اور مروہ پر رکھ دیا تھا مگر عمرو بن لحی نے حرم میں ان کی پوجا شروع کر دی اور سرزمین عرب پر بت پرستی کا آغاز ہو گیا۔ ہبل کے علاوہ منات بھی عرب کے چار بڑے بتوں میں شامل تھا جبکہ باقی دو ''لات'' اور ''عزیٰ'' تھے۔[1]

مشہور انگریز مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''انحطاط و زوال سلطنت رومہ'' میں دوسری صدی عیسوی کو قدیم تہذیب عالم کا انتہائی عروج کا زمانہ قرار دیا ہے۔ بقول گبن اگر کوئی شخص چاہے کہ وہ اس صدی کی انتہائے کمال معلوم کرے تو وہ قیصر ڈومیشان کی تخت نشینی 180ء تک کے زمانے پر غور کرے۔ یہ رومی سلطنت کی تاریخ کا سنہرا دور تھا۔ جب دوسری صدی کا آغاز ہوا اس وقت دنیائے مغرب کے تمام تہذیب یافتہ ممالک رومی سلطنت میں شامل ہو چکے تھے۔ دوسری صدی کے آغاز ہی میں شہنشاہ ٹراجن نے پلینی خورد گورنر بتھائی نیا Bithynia کو عیسائیوں کے خلاف تادیبی کارروائیوں سے منع کر دیا تھا جو اس شہنشاہ کے عہد سے پہلے رومی سلطنت کے معمولات میں شامل تھیں جیسا کہ شہنشاہ نیرو نے رومہ کی آتشزدگی کا الزام عیسائیوں پر ڈال کر ان کے خلاف تادیبی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ پہلی صدی عیسوی کے آخری سالوں اور دوسری صدی کی ابتدائی دہائیوں میں جو قیصران روم بر سر اقتدار آئے وہ پانچ ''اچھے شہنشاہ'' کہلاتے ہیں وہ یہ ہیں:

(1) نیروا Nerva (96-98ء)،

(2) ٹراجن Trajan (17-89ء)،

(3) ہیڈرین Hadrian (117-138ء)

(4) انتونینس پیس Antoninus Pius (138-161ء) اور

(5) مارکس اورلیس Marcus Aure (161-180ء) تاہم قیصران کے عہد کے بعد بدامنی اور سیاسی بے چینی کا دور دورہ رہا۔

۱ مروج الذہب از مسعودی

دوسری صدی میں مغربی مؤرخین کے نزدیک رومی سلطنت اپنے عروج پر تھی وہیں یہ اخلاقی طور پر انتہائی گراوٹ کا شکار تھی۔ جوا، شراب نوشی، فحاشی اور بدکاری عام طور پر رومی معاشرے کا حصہ تھیں۔ بت پرستی اب تک اس سلطنت کا سرکاری مذہب تھی۔ زہرہ دیوی کے مندروں میں بدکاری اور زنا ایک مباح کام تھا۔ رومی سلطنت میں والد کو اپنی اولاد کو قتل کر دینے کا حق حاصل تھا اور اس جرم کی کوئی باز پرس نہیں کی جاتی تھی۔ یعنی ان کے قوانین میں اصلاح کی ضرورت تھی۔

ظلم رومی معاشرے میں اتنا پھیلا ہوا تھا کہ وہ اپنے غلاموں کو ذبح کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ ایک رومی رئیس فلامینین نے ایک مرتبہ اپنے مہمانوں کی تفریح طبع کے لیے ایک غلام کو ذبح کرنے کا تماشا منعقد کرایا۔ رومی سلطنت میں کئی مرتبہ غلاموں نے مسلح بغاوت بھی کی مگر جانوروں کی طرح ذبح کر کے ان کی یہ بغاوتیں فرو کر دی گئیں۔ انسانوں اور درندوں میں مقابلہ ایک مشہور زمانہ رومی کھیل تھا جس میں نہتے باغیوں اور غلاموں کو بھوکے شیروں اور چیتوں سے لڑنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا۔ مسلح جنگجوؤں کو ایک دوسرے کی موت تک لڑایا جاتا تھا۔

سلطنت پارت یا ایرانی سلطنت میں دوسری صدی کے آغاز 105ء میں خسرو اشک بیست و چہارم نے حکومت کی باگ ڈور تھامی۔ اس شہنشاہ کے عہد میں ایرانی سلطنت اپنی تاریخ کے انتہائی نازک ترین دور سے گزری۔ سلطنت رومہ کا شہنشاہ ٹراجن سکندر اعظم کی طرح دنیائے مشرق میں کشور کشائی کرنا چاہتا تھا۔ شہنشاہ ٹراجن نے کسی بات کو بہانہ بنا کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ سلطنت پارت پر چڑھائی کر دی۔ اگرچہ ایرانی شہنشاہ نے رومی شہنشاہ کی شکایت دور بھی کر دی مگر ٹراجن نے اپنی کشور کشائی جاری رکھی۔ شہنشاہ خسرو نے ٹراجن کی یلغاروں کا عسکری طور پر مقابلہ تو نہیں کیا تاہم ٹراجن کے مفتوحہ مشرقی علاقوں میں رومیوں کے تسلط کے خلاف تحریک چلوائی جس کی وجہ سے ٹراجن کی فتوحات مشرق میں دیرپا ثابت نہ ہو سکیں اور اس کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

شاہان پارت یا شاہان ایران بھی مظالم میں اپنے ہم عصر رومی قیصروں سے کسی طور پر بھی کم نہیں تھے اور بات بات پر موت کی سزا دیتے تھے۔ شاہان فارس کی بعض تعزیرات انتہائی وحشیانہ اور غیر انسانی تھیں۔ مجرموں کو دیوار میں چنوا دینا، زندہ انسانوں کی کھال کھنچوا دینا یا چومیخہ (مصلوب کرنا) وغیرہ عام تھا۔[1]

پہلی دوسری صدی کے ہندوستان پر کشان بادشاہوں کی حکومت تھی۔ ان کشان بادشاہوں میں سے ایک کنشک یا کنشکا ایک ایسا بادشاہ تھا جو ہندوستان سے باہر بھی نامور ہوا۔ وہ بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اشوک اعظم۔ کنشک یوچی قبیلہ کی شاخ کشان سے تعلق رکھتا تھا۔ یوچی قبیلہ افغانستان میں آباد تھا اور اس نے وہاں سے ایران کے اشکانی خاندان کی بادشاہت ختم کی تھی۔ اسی ہندوستانی حکمران نے شہنشاہ رومہ ٹراجن کے دربار میں

(1) Encyclopedia Americana Ed 1965

سفارت بھجوائی تھی جس نے 99ء میں شہنشاہ رومہ کے دربار میں رسائی حاصل کرلی تھی۔ بدھ مت کے لیے کنشک کی خدمات اشوک اعظم سے بھی زیادہ ہیں۔ بہرحال کنشک کے عہد میں سرکاری مذہب بدھ مت ہونے کے باوجود ہندومت ہی ہندوستان کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ بدھ مت برہمنی نظریات کے خلاف ایک آواز کی حیثیت رکھتا تھا مگر باوجود کنشک اور اشوک کی حمایت کے ہندوستان میں بدھ مت انتہائی مصائب کا شکار ہوئی اور ہندوستان میں ہندومت میں جو بت پرستی رائج تھی بدھ مت کی اخلاقی تعلیم اسے مٹا نہ سکی تھی۔ پتھر، درخت اور دوسرے مظاہر فطرت ہندوستان کے لوگوں کے معبود رہے۔ منو کا دھرم شاستر جس پر ہندو فخر کرتے ہیں وہ ذات پات کے نظام کے آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ منو کے نزدیک گھٹیا ذات کے شودرا تنے ہی ناپاک تھے جتنے اس سے پہلے کی صدیوں میں سمجھے جاتے تھے۔ اخلاقی برائیاں بھی ہندو معاشرے میں عام تھیں۔ مندروں میں دیوداسیاں پروہتوں کی تسکین کا سامان تھیں اور ستی جیسی قبیح رسم عام تھی جس کے تحت بیوہ عورتیں اپنے مردہ خاوند کے ساتھ زندہ ہی جلادی جاتی تھیں۔ اسی طرح نوزائیدہ بچیوں کو مار ڈالنا بھی عرب معاشرے کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی عام تھا۔

دوسری صدی عیسوی آئینہ تقویم میں

101-06ء	ٹراجن کی داکیوں کے خلاف مہمات۔
105ء	شہنشاہ پارت خسرو اشک بیست و چہارم کی تخت نشینی۔
112-114ء	آرمینیا اور میسوپوٹیمیا کا سلطنت رومہ سے الحاق۔
116ء	مصر اور شام میں رومیوں کے خلاف یہودیوں کی بغاوت۔
120-26ء	ہندوستان میں کنشکا برسر اقتدار۔ مشہور رومی معبد پینتھیون Patheon کی رومہ میں تعمیر۔
122ء	مشہور رومی شہنشاہ ہیڈرین نے شمالی انگلستان میں اپنے نام سے معنون ''دیوارِ ہیڈرین'' تعمیر کرائی۔
132-135ء	یروشلم میں یہودیوں کی بغاوت جو انہوں نے شہنشاہ ہیڈرین کے ہیکل کی جگہ رومی دیوتا جوپیٹر کے مندر کی تعمیر کے خلاف کی تھی۔ خدائے واحد سے منسوب مقام کو ایک کافر بادشاہ ایک بت خانہ میں بدل دینا چاہتا تھا اس لیے یہودی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے مگر انہیں اس بار سب سے بڑی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ رومی شہنشاہ نے انہیں یروشلم سے جلاوطن کردیا۔ اب یہود دیہ اور یروشلم میں یہودیوں کے داخلے پر پابندی لگادی گئی اور یوں اگلے انیس صد برس تک یہود اپنے وطن واپس نہ لوٹ سکے اور دنیا کے ہر حصے میں ذلیل و رُسوا ہوتے رہے۔
135ء	رومہ میں زہرہ دیوی کے معبد کی تعمیر۔
152ء	مصر میں بغاوت۔
164ء	اہل پارتھیا کے دارالحکومت ٹیسی فون کی تباہی۔
166ء	پارتھیا سے سلطنت رومہ کے علاقوں میں طاعون پھیل گیا۔
196ء	شہنشاہ روم سپٹمئس سیویریس کے ہاتھوں یونانی نوآبادی بازنطیم کی تسخیر۔

تیسری صدی کے اہم وقائع

IMPORTANT EVENTS OF THE III^rd^ CENTURY

تیسری صدی عیسوی کے آغاز سے 235ء تک رومہ پر اس شاہی خاندان نے حکومت کی جس کی بنیاد شہنشاہ سپٹمئس سیویریسSeimius Severus(123-211ء) نے رکھی تھی۔ اس شاہی خاندان کی حکومت ختم ہوجانے کے بعد رومی سلطنت عظیم بحرانوں کا شکار ہوگئی تھی۔ اب رومی شہنشاہ یا تو فوج کی تائید وحمایت پر تخت نشین ہوتے تھے یا پھر نام نہاد جمہوری ادارے سینٹ کی تائید پر۔ اسی وجہ سے تیزی سے شہنشاہوں کو معزول کر کے نئے شہنشاہوں کو تخت نشین کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ تیسری صدی ہی میں رومی عسکری طور پر مشرقی یورپ کے کچھ غیر مہذب اور بربر قبائل کے ہاتھوں مغلوب ہوگئے تھے جو رومی سلطنت کے زوال کی علامت تھی۔ اسی وجہ سے رومی سلطنت کی آبادی جو شہنشاہ آگسٹس کے عہد میں 70 ملین تھی تیسری صدی کے آخر میں صرف 50 ملین رہ گئی تھی۔

اسی صدی میں رومی شہنشاہ دقیانوس Decius نے عیسائیوں کا معاشرتی طور پر بائیکاٹ کیا۔ (249-251ء) اور ان پر ظلم وستم کی حد کردی۔ بہت سے عیسائیوں کو ان کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے رومی سلطنت کے شہر چھوڑنے پڑے۔ انہیں میں وہ عیسائی نوجوان بھی شامل تھے جنہیں قرآن کریم میں اصحاب کہف کا نام دیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنا دین بچانے کے لیے ایک غار میں پناہ لی اور دعا مانگی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کردی اور وہ نوجوان تقریباً 309 سال تک اس غار میں سوتے رہے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو شہنشاہ دقیانوس کے عہد کو گزرے صدیاں بیت چکی تھیں۔ عیسائیوں پر ظلم وستم کا یہ سلسلہ شہنشاہ گیلینس Gallinus کے ایک حکم رواداری پر اختتام پزیر ہوا تھا جس کے بعد رومہ میں عیسائی بشپ کا عہدہ مستحکم ہوتا چلا گیا اور آخر پاپائے روم کا منصب بن گیا۔

یمن میں 500 ق م سے 200 عیسوی تک سلطنت قتبان قائم رہی۔ یہ سبا کے جنوب مشرق میں وادی بیحان

میں قائم تھی۔ بنوقتبان کا جداعلیٰ قتبان بن رومان بن وائل بن غوث حمیری تھا۔اس سلطنت کا ذکر جنوبی عرب سے ملنے والے قدیم کتبوں اور یونانی اور رومی ادب میں ملتا ہے۔سلطنت قتبان کا دارالحکومت تمنع کہلاتا تھا۔یہ شہر اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو حضر موت، سبا اور معین کی سلطنتوں سے گزرتی تھی۔ان لوگوں کا سب سے بڑا دیوتا عم کہلاتا تھا جس کے نام پر یہ لوگ بنوعم کہلائے جبکہ اس سلطنت کے حکمرانوں کا لقب مکرب تھا۔[1]

تیسری صدی عیسوی میں ایران میں مشہور حکمران خاندان ساسانیاں 226 عیسوی میں برسراقتدار آیا۔اس خاندان کا عہد حکومت اگلے تقریباً سوا چار سو سال تک جاری رہا اور آخری ساسانی شہنشاہ یزدگرد خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی کے عہد میں ہو گزرا تھا۔

اسی صدی میں ایران میں مانی جیسا فلاسفی پیدا ہوا جس نے زرتشت کے علاوہ ایک الگ دین کی بنیاد رکھی اور برائیوں سے بچنے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی کا سبق دیا اور تخریب بدن کا فلسفہ پیش کیا مگر ایرانی شہنشاہ بہرام اوّل نے مانی کے عقائد کو نوع انسانی کے لیے مہلک سمجھتے ہوئے مانی اور اس کے پیروکاروں کو موت کی سزا دی۔

اس صدی میں ایرانی شہنشاہوں کا پلڑا بھاری رہا اور ایرانی شہنشاہ شاپور اول نے قیصر ولیرین Velirien کو میدان جنگ میں گرفتار کرلیا اور ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے اسے ایران لایا۔رومۃ الکبریٰ کی تاریخ میں کوئی شہنشاہ ولیرین سے زیادہ بے بس نہیں ہو گزرا۔وہ پابجولاں ایک عرصہ تک شہنشاہ ایران کے رحم وکرم پر قید رہا اور اہل روما اسے ایران کی قید سے رہا نہیں کراسکے۔

272 عیسوی میں شام کے صحرائی علاقے پالمیرا کی حکمران ملکہ زینوبیا نے روم کی باجگزاری سے آزادی حاصل کی اور وہ عسکری طور پر اہل روما کے لیے دردسر بن گئی۔آخر رومی شہنشاہ اوریلین Aurelian نے پالمیرا کا محاصرہ کرلیا اور ملکہ زینوبیا کو شکست دے کر اسے جنگی قیدی کے طور پر روما لے گیا۔کہتے ہیں یہ مشرقی ملکہ اپنی شکست کی بے عزتی کو کبھی برداشت نہ کرسکی تھی۔

تیسری صدی کے ہندوستان میں ہندو معاشرے میں بہت سی ناپاک رسمیں رائج تھیں۔مندر میں تنتری پجاریوں کے دو بڑے گروہ سرگرم عمل تھے جن میں سے ایک دکھنا چاری (بائیں ہاتھ والے اور دوسرے برہم چاری کہلاتے تھے جو بائیں ہاتھ کی ریتوں پر عمل پیرا تھے۔دکھنا چاری گروہ کی پوجا پاٹ کھلے عام کا درجہ رکھتی تھی اور اس میں وشنو دیوتا، لکشمی دیوی اور دیگر دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی جبکہ برہم چاری کالی دیوی کے پجاری تھے اور تنہائی میں کالی دیوی کی پوجا کرتے تھے۔مؤرخین کے مطابق کالی دیوی کی اس پوجا میں بہت سی قبیح رسمیں شامل تھیں جو مذہب کے نام پر

[1] انسائیکلوپیڈیا سیرت دارالسلام صفحہ 311

اخلاق باختگی کا مظاہرہ تھیں۔کالی دیوی کے پجاری مشہور ہے کہ انسانی قربانی کی رسم بھی ادا کرتے تھے۔کالی گھاٹ یا کلکتہ کے ایک مندر میں کالی دیوی کی مورتی کو انسانی سروں کی مالا پہنے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ہندوستان کے شہر جے پور میں کالی دیوی کے ایک مندر میں دیوی کی ایک ایسی مورتی بھی تھی جس کا سر پیچھے کی طرف مڑا ہوا تھا۔کہتے ہیں کہ جب اس دیوی کے حضور میں انسان کی بجائے ایک بکری کی قربانی کی گئی تو دیوی جی نے گھن کے مارے اپنا منہ پیچھے کی طرف موڑ لیا تھا۔

تیسری صدی عیسوی آئینہ تقویم میں

193-211ء	:شہنشاہ سپٹمس سیویریس کا عہد۔
-230-26ء	:شاہان فارس کا روی سلطنت پر حملہ۔
249-251ء	:شہنشاہ دقیانوس نے عیسائیوں کا بائیکاٹ کیا اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جن کی بنا پر اصحاب کہف کا واقعہ پیش آیا۔
260ء	:شہنشاہ ولیرین ایرانیوں کے ہاتھوں میدان جنگ میں گرفتار۔
270ء	:شہنشاہ آرئیلین نے ملکہ زینوبیا کو شکست دے کر گرفتار کیا۔
285-305ء	:شہنشاہ ڈائیوکلیشن تخت نشین ہوا اور اس نے رومی سلطنت کو دوبارہ نئے خطوط پر استوار کیا اور مالیاتی امور کو ایک نئی ترتیب دی۔

چوتھی صدی عیسوی کے اہم وقائع

IMPORTANT EVENTS OF 4th CENTURY

یورپی تاریخ میں چوتھی صدی عیسوی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔اس صدی میں رومی سلطنت نے بت پرستی چھوڑ کر سرکاری طور پر عیسائیت کو اپنا مذہب قرار دیا تھا۔ یہ دو عہد ساز رومی شہنشاہوں ڈائیوکلیشن Diocletion اور شہنشاہ قسطنطین اعظم کے عہد میں ہوا تھا۔ شہنشاہ ڈائیوکلیشن رومی سلطنت کے انتظام میں اپنی اصلاحات کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ ادھر قسطنطین اعظم (311-337ء) نہ صرف قسطنطنیہ کی تعمیر کے لیے (جو اس نے اپنے عہد میں 330ء میں کی تھی) مشہور ہے۔ اس نے یہ شہر یونانی نوآبادی بازنطیم کے مقام پر آباد کیا تھا۔ یہ شہر آئندہ ایک ہزار سے زائد سال تک عیسائی سلطنت کا دارالحکومت رہا اور اسے سلطان محمد فاتح نے 1453ء میں فتح کیا تھا۔

قسطنطین اعظم ہی رومہ کا پہلا شہنشاہ تھا جس نے عیسائیت کو بطور سرکاری مذہب اپنایا اور عیسائیت کو اب تک کے مغضوب مذہب کی بجائے دنیائے مذاہب کے ایک غالب مذہب کی شکل دی۔ ابتدائی مسیحی کلیسا کو جن بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا تھا ان میں سب سے معروف آریوسی الحاد Arianism تھا جس میں بحث کا نازک ترین نکتہ عقیدہ تثلیث تھا یعنی تین میں ایک خدا کا تصور۔ عیسائیوں میں تین خداؤں کے اس عقیدے کا بانی اسکندریہ کا ایک فاضل مسیحی پیشوا آریوس تھا جو قسطنطین اعظم کا ہم عصر تھا۔ آریوسی عقیدے کے خلاف مسیحی دنیا میں ایک دوسرے نظریئے نے جو اتھاناشیوس Athanasius نامی راہب کے نام منسوب تھا شہرت پائی تھی۔ مگر ان دونوں نظریات نے بحران کی شکل اختیار کر لی تھی جس کے حل کے لیے قسطنطین اعظم نے مجلس نیقیہ 325ء میں منعقد کرائی تھی۔ اس مسیحائی کلیساؤں کی مجلس میں آریوس کے نظریے کے خلاف فیصلہ دیا گیا مگر اس کے باوجود آریوست ختم نہ ہو سکی تھی اور دنیائے مسیحیت تین خداؤں پر ایمان رکھنے لگی

تھی جو صریحاً کفر اور گمراہی تھا۔ اس کے بعد سے عیسائیت میں توحید کا تصور مفقود ہو گیا۔ 333ء میں روما میں شہنشاہ قسطنطین اعظم نے سینٹ پیٹر کا کلیسا تعمیر کرایا تھا۔ یاد رہے کہ سینٹ پیٹر یا پطرس وہی حواریٔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھا جس نے اس رات اپنی تلوار بے نیام کر لی تھی جس رات یہودا غداری کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کروانے کے لیے آیا تھا مگر بعد ازاں سینٹ پیٹر نے مصلحت کی بنا پر ان کا ساتھی ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ سینٹ پیٹر کی انجیل آج بھی انجیلوں میں سرفہرست ہے۔

چوتھی صدی عیسوی میں عظیم ساسانی شہنشاہ شاپور دوم برسر اقتدار آیا۔ کہتے ہیں کہ یہ پہلا اور آخری ایرانی شہنشاہ تھا جسے شکم مادر میں شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ یہ شہنشاہ اتنا ظالم بھی تھا کہ اس نے بحرین کے عربوں کے ایرانی علاقوں پر کیے جانے والے حملوں سے روک تھام کے لیے پچاس ہزار نوجوان عربوں کے شانے کٹوا دیے تھے اور اسی وجہ سے عرب اسے ''ذوالاکتاف'' کہتے ہیں۔ شاپور سلطنت رومہ کے خلاف اپنی کامیاب عسکری فتوحات کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔

تاہم مجوسیت (زرتشت) کے زیرسایہ ایرانی خواتین سے جو سلوک اس عہد میں ایران میں کیا جاتا تھا وہ بدترین تھا۔ ایرانی خواتین مردوں کے شہوانی جذبات کی تسکین کے سامان کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ ایران میں جاریہ بازی مؤرخین کے مطابق ایک عام دستور تھا اور ایرانی معاشرے میں باندیوں اور کنیزوں کو داشتہ بنا کر رکھا جاتا تھا۔ تاہم ایرانیوں کے ہاں شہوت رانی کو قومی عبادت میں کوئی دخل نہیں تھا اور اس طرح زرتشتی معاشرہ اس بدکاری سے محفوظ تھا جو تمام بدکاریوں یں سب سے ذلیل بدکاری تھی البتہ بعد کے زمانے میں مزدک جیسے لوگوں نے محرمات تک سے جنسی تعلقات کو مباح قرار دے کر ایرانی معاشرے کو گدلا کر دیا تھا۔

چوتھی صدی کے آغاز میں ہندوستان میں کوئی مرکزی حکومت موجود نہیں تھی۔ کشان سلطنت زوال پزیر ہو چکی تھی۔ ان حالات میں پاٹلی پترا کے راجا چندر گپت اول نے ''راجا مہاراجاں'' کا لقب اختیار (320ء) کر کے ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت کے قیام کا سامان کیا۔ چندر گپت اول نے اپنے بیٹے سمدر گپت کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ یہ اس کی لکھوی ملکہ کے بطن سے تھا۔ سمدر گپت ہندوستان کی تاریخ میں ہندوستان کے نپولین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ گپت عہد ہندوستان کی تاریخ و تہذیب میں کلاسیکل عہد کہلاتا ہے اور اس کا تقابلی جائزہ انگلستان کی ملکہ الزبتھ اول کے عہد کے انگلستان کے ساتھ کیا جا سکتا ہے مگر اس کے باوجود ہندو معاشرت میں برائیاں پہلے سے بھی کہیں بڑھ گئی تھیں۔ تارک الدنیا ہندو بیراگی اور سنیاسی مجرد زندگی گزارنے پر زور دیتے تھے اور ہندوستانی شہروں کی گلیوں میں خیرات مانگتے اس حال میں پھرتے کہ عورتوں کی طرح ان کے گندھے ہوئے بال ان کے شانوں پر پڑے ہوتے، الجھی ہوئی گھنی ڈاڑھی، گیروے رنگ کا لمبا چوغا اور پورے جسم پر راکھ ملی ہوتی تھی۔ کشکول ان کا سب سے اہم ہتھیار تھی۔ یہ سادھو کہلاتے تھے۔

سبائے حمیر (یمن) کی تاریخ دوسری صدی قبل از مسیح سے شروع ہوتی ہے۔ یہ چوتھی صدی تک حکمران رہے۔ یہ حمیر کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے تھے۔ ان حمیری سلاطین کا لقب ''ملک سباء ذوریدان'' تھا۔ دوسری صدی عیسوی سے یمن پر سبائی الاصل اکسومی حبش نے حملے کرنے شروع کر دیے تھے تاہم تبع اکبر حارث الرائش نے انہیں حضرموت سے نکال دیا تھا اور وہ یمن اور حضرموت کا پہلا بادشاہ بن گیا تھا۔ پھر 340ء سے 375ء تک اکسومی حبشیوں نے حمیرا اور حضرموت دونوں پر قبضہ کر لیا۔

شاہان حمیر کے طبقہ ثانیہ کو عرب مؤرخین تبع (جمع تبابعہ) کہتے ہیں۔ تبابعہ یمن میں تین بادشاہ مشہور تھے۔ تبع اکبر حارث الرائش (280-315ء) تبع اوسط ابوکرب بن کلیکرب (400-425ء) اور تبع اصغر حسان بن تبع (425-455ء) اس نے یہودیت قبول کر لی تھی۔

تاریخ مدینہ میں علامہ سہودی نے لکھا ہے کہ تبع اول تبان اسعد ابوکرب بن کلیرک چوتھی صدی عیسوی میں یثرب سے گزرا۔ اس کے لشکر میں چار سو علماء بھی شامل تھے۔ ان علماء نے یثرب میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا تھا۔ جب شاہ تبع نے اپنے علماء سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے یہ بتایا کہ ہم نے کتابوں میں یہ لکھا پایا ہے کہ آخرالزماں اور عظیم ترین نبی جس کا نام احمد اور محمد ہوگا ہجرت کر کے اس شہر میں آباد ہوگا۔ ہم اس امید پر اس شہر میں قیام کرنا چاہتے ہیں کہ شاید اس عظیم ہستی سے ملاقات ہو جائے۔ ان کے اصرار پر تبعہ نے ان کے لیے یثرب میں ایک نوآبادی قائم کر دی بعد ازاں تبعہ نے اپنے ایک مکتوب میں اسلام لانے کا اقرار بھی کیا۔ اس کے اس مکتوب میں یہ شعر بھی درج تھے:

شہدت علی احمد انہ　　رسول من اللہ باری النسم
فلو صد عمری الی عمرہ　　لکنت وزیرا لہ وابن عم

ترجمہ: ''میں احمد ﷺ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ خالق کائنات کی طرف سے رسول (مبعوث) ہوئے ہیں۔ اگر میں نے ان کا زمانہ پایا (تو بالضرور) میں ان کا معاون اور قرابتدار بنوں گا۔''

شاہ تبع نے اپنا یہ مکتوب سربمہر کر کے اپنے ایک عالم کے سپرد کیا اور اسے کہا کہ اگر وہ زمانہ احمد ﷺ نبی پائے تو یہ مکتوب ان کے حوالے کر دے یا اگر اس کو یہ عہد نصیب نہ ہو اور اس کا بیٹا یا پوتا یہ عہد پائے تو یہ کام انجام دے۔ اس بادشاہ نے یثرب میں ایک مکان نبی کریم ﷺ کے لیے بھی تعمیر کروایا کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے اس شہر میں آئیں تو اس مکان میں قیام کریں زمانہ گزرنے پر یہ مکان حضرت ابوایوب انصاریؓ کی ملکیت بنا اور اس بادشاہ کی وصیت پر عمل ہوا۔ یاد رہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ تبع یمن کے اسی عالم کی اولاد میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے لیے

یثرب میں آباد ہوا تھا۔

تبابعہ کے عہد ہی میں رومیوں نے یمن کی سب سے بڑی بندرگاہ عدن پر عسکری طور پر قبضہ کرلیا تھا۔ اسی رومی لشکر کی مدد سے 340ء میں اکسومی حبشیوں نے شاہان حمیر و ہمدان کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر یمن پر قبضہ کرلیا تھا جو مؤرخین کے مطابق 375 عیسوی تک قائم رہا تھا۔

چوتھی صدی آئینہ تقویم میں

303ء : شہنشاہ ڈایوکلیشن نے عیسائیوں کا بائیکاٹ کیا۔

312ء : قسطنطین نے میلیسٹس کو شکست دی۔

320ء : قسطنطنیہ تعمیر ہوا۔ ہندوستان میں چندر گپت نے مرکزی حکومت قائم کی۔

325ء : عقیدہ تثلیث کے خلاف مجلس نیقیہ منعقد کی گئی۔

340ء : اکسومی حبشیوں نے یمن پر قبضہ کرلیا۔

364ء : شہنشاہ ویلنز Valens اور شہنشاہ ویلنٹائن مشترکہ طور پر شہنشاہ بنے۔

379ء : شہنشاہ تھیوڈوسیس رومہ کے تخت پر بیٹھا۔

اس شہنشاہ کی وفات پر سلطنت روم مشرقی اور مغربی سلطنتوں میں مستقل طور پر تقسیم ہوگئی۔

(نوٹ) شہنشاہ قسطنطین اعظم کے بعد جولین مرتد نے بت پرستی کو پھر سرکاری مذہب قرار دے دیا تھا مگر قسطنطین کی وفات کے پچاس سال بعد شہنشاہ تھیوڈوسئس اول 379ء میں برسر اقتدار آ کر مسیحیت کو سلطنت رومہ کا سرکاری مذہب قرار دیدیا اور عمل معکوس کے طور پر اب بت پرستوں کا سلطنت روما میں رہنا مشکل ہوگیا۔ شہنشاہ تھیوڈوسیس کا رجحان مسیحیت کی طرف تھا اس لیے اس نے سلطنت روم سے ہر قسم کی مشرکانہ رسوم ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔

پانچویں صدی عیسوی کے اہم وقائع

IMPORTAANT EVENTS OF 5th CENTURY

عرب کی تاریخ کا پانچویں صدی عیسوی کا سب سے اہم واقعہ 440ء میں مکہ پر حضرت قصی کے تسلط کا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت قصی ابھی ماں کی گود ہی میں تھے کہ یتیم ہوگئے اور ان کی والدہ نے اس کے بعد بنو عذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ چونکہ اطراف شام میں رہتا تھا اس لیے قصی کی والدہ انہیں لے کر وہیں منتقل ہوگئیں۔ جب حضرت قصی جوان ہوئے تو مکہ واپس آئے۔ اس زمانے میں مکہ پر حلیل بن حبشیہ خزاعی کی امارت قائم تھی۔ حضرت قصی نے حلیل کی بیٹی حبّی سے شادی کر لی اور مکہ میں آباد ہوگئے۔ جب ان کے سسر حلیل کا انتقال ہوا قصی نے قریش اور کنانہ کے ساتھ مل کر مکہ کے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور 440ء میں انہیں اور قریش کو مکہ کی سیادت حاصل ہوگئی۔

حضرت قصی نے مکہ کا انتظام اس طریق پر کیا کہ قریش مکہ کو اطراف سے بلا کر مکہ میں آباد کیا اور مکہ کا پورا شہر ان میں تقسیم کردیا۔ حضرت قصی کے عہد کا ایک اہم واقعہ حرم کعبہ کے شمال میں دارالندوہ کی تعمیر ہے۔ اس کا صدر دروازہ حرم کی طرف کھلتا تھا۔ دارالندوہ دراصل قریش کا قانون ساز ادارہ اور مجلس شوریٰ کے انعقاد کا مقام تھا۔ اسی میں مکہ کے تمام بڑے بڑے فیصلے ہوتے تھے۔ حضرت قصی کو مکہ کی امارت میں حسب ذیل اختیارات حاصل تھے:

دارالندوہ کی صدارت کے فرائض وہی ادا کرتے تھے اور لواء یا جنگ کا پرچم بھی وہی اپنے ہاتھوں سے باندھتے تھے۔ حجابہ یعنی خانہ کعبہ کی پاسبانی بھی انہیں کے سپرد تھی اور وہی خانہ کعبہ کا دوازہ کھولتے تھے اور وہی خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور کھانا کھلانے کا انتظام بھی انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ رفادہ یا حاجیوں کی میزبانی بھی انہی کے پاس تھی اور وہ قریش سے کچھ رقم حاصل کر کے اس مقصد کے لیے خرچ کرتے تھے۔ حضرت قصی کا بڑا بیٹا عبدالدار تھا اور دوسرا عبد مناف۔ عبد مناف اپنے والد کی زندگی ہی میں شرف و سیادت کے قابل ہوگیا تھا مگر حضرت قصی نے اپنی

وصیت کے ذریعے اپنے سارے مناصب اور اعزازات عبدالدار کو منتقل کردیے جن میں امارت و سیادت مکہ شامل تھی۔ حضرت قصی کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں کسی قسم کا نزاع پیدا نہ ہوا اور انہوں نے مکمل طور پر ان کی وصیت پر عمل کیا۔ تاہم عبد مناف کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں کا مناصب اور سیادت مکہ کے معاملے پر اپنے عم زادوں عبدالدار کے بیٹوں سے جھگڑا ہوگیا اور نوبت جنگ تک پہنچی مگر صلح ہوگئی۔ ان دونوں گروہوں نے مناصب کو باہم تقسیم کرلیا۔ چنانچہ اس تقسیم میں سقایہ اور رفادہ کے منصب بنو عبد مناف کے حصے میں آئے جبکہ دارالندوہ کی سربراہی، لواء اور حجابت بنو عبدالدار کے پاس رہی۔ پھر جب بنو عبد مناف نے آپس میں مناصب کی تقسیم کے لیے قرعہ ڈالا تو یہ قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام نکلا۔ ہاشم بن عبد مناف اپنی زندگی میں سقایہ اور رفادہ کے سربراہ رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی مطلب ان کے جانشین بنے۔ مطلب کے بعد عبدالمطلبؓ بن ہاشم جو نبی پاک کے دادا محترم تھے ان مناصب کے حق دار ٹھہرے۔ اسلام کے عہد میں حضرت عباس بن عبدالمطلب ان مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔

ان تمام خصوصیات کے ساتھ عرب میں بت پرستی اور دیگر معاشرتی برائیاں بھی عام تھیں۔ عہد جاہلیت میں قریش میں اگرچہ دین ابراہیمی کی کچھ باقیات بھی موجود تھیں اور زعمائے قریش نے کبھی بھی دین ابراہیمی کو چھوڑا نہیں تھا مگر اس کے ساتھ بہت سی مشرکانہ بدعات بھی جاری و ساری تھیں جن میں برہنہ طواف، فال گیری اور جوا کاہنوں اور نجومیوں کی خبروں پر ایمان رکھنا اور بدشگونی کا عقیدہ وغیرہ شامل تھے اس کے علاوہ نکاح استبضاع یعنی اچھی اولاد کے لیے شوہر کا اپنی بیوی کو دوسرے شخص سے صحبت کی اجازت دینا، لڑکوں کی پیدائش پر فخر اور لڑکیوں کو زندہ درگور کردینا، قبائل عصبیت اور جنگیں وغیرہ معاشرتی برائیوں میں شامل تھیں۔

پانچویں صدی عیسوی تہذیب مغرب میں تبدیلیوں کا دور تھی۔ اس صدی میں عیسائیت فرقوں میں بٹ گئی اور عقیدہ تثلیث کی قائل ہوگئی۔ یہ صدی مغربی سلطنت رومہ کے زوال و انحطاط کے مکمل ہونے کی صدی بھی تھی۔ پانچویں صدی کے آغاز ہی میں رومی سلطنت دو مشرقی اور مغربی سلطنتوں میں منقسم ہوگئی تھی۔ قیصر تھیوڈوسیس کی وفات 395ء پر اس کا ایک بیٹا آرکیڈیس Arcadius (395-40ء) مشرقی رومی سلطنت کا سربراہ بنا جبکہ اس کا دوسرا بیٹا ہونوریس Honorius مشرقی سلطنت کا شہنشاہ بنا جس کے ساتھ مشرقی اور مغربی سلطنتیں مستقل طور پر منقسم ہوگئیں۔ 410ء میں رومانیہ کے بربر قبائل وزگاتھ کے سردار ایلارک Alari (370-410) نے مغربی سلطنت رومہ کے دارالحکومت روم کو تاراج کیا تاہم مشرقی رومی شہنشاہ آرکیڈئس نے وزگاتھ قبائل کو رشوت دے کر مشرقی دارالحکومت و مشرقی سلطنت کو تاراج ہونے سے بچالیا۔ مگر جب ایلارک نے مغربی شہنشاہ کو اپنے مطالبات پیش کیے تو اس نے یہ مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کردیا جس کے نتیجے میں ایلارک نے رومہ کو تاخت و تاراج کیا۔

ادھر ایران کی ساسانی سلطنت میں 420ء میں بہرام گور برسر اقتدار آیا۔ اس ساسانی شہنشاہ کی پرورش عرب ریاست حیرہ کے حکمران نعمان بن امراء القیس نے کی تھی اور وہ صحرا کی کھلی فضاؤں میں پلا بڑھا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی تخت نشینی کے لیے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ وہ ایرانی سلطنت کا تاج دو شیروں کے درمیان سے اٹھا لے جائے مگر لگتا ہے کہ ایرانی مؤرخین نے یہ افسانہ بہرام کے عرب ساتھیوں کی بہادری کو چھپانے کے لیے گھڑا تھا جنہوں نے صرف چند ہزار کی تعداد میں بہت بڑے ایرانی لشکر کو شکست دے کر تخت پر بٹھا دیا تھا۔

پانچویں صدی کے دوسرے نصف میں وحشی ہن قبائل کے ایک سردار اٹیلا Attila نے مشرقی اور مغربی سلطنت روما کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔

476ء میں مغربی رومی سلطنت ہمیشہ کے لیے نابود ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی روما کا انحطاط زوال مکمل ہوگیا۔

پانچویں صدی کے آخری نصف میں شہنشاہ ایران قباد شہریار کے عہد میں اشتراکی پیغمبر مزدک کا ظہور ہوا اور اس کے اشتراکی عقائد نے بڑی سرعت سے جڑ پکڑی۔ مزدک کی تعلیمات میں گوشت خوری ممنوع تھی اور اس کا خیال تھا کہ انسان پیدائشی طور پر مساوی حقوق کا حامل ہے۔ عورت کو ذاتی ملکیت سمجھنے کے خلاف تھا اور عورت کو غلام دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا مگر دوسری طرف اس کے مذہب میں محرمات سے شادی کرنا جائز تھی۔ قباد شہریار تو مزدک کی تحریک کو نہ دبا سکا مگر اس کے بیٹے نوشیرواں نے مزدک اور اس کے مقلدین کو ان کے اشتراکی نظریات کی بنا پر قتل کروا دیا تھا۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی آئینہ تقویم میں

400ء	:	بربروز گاتھ قبائل نے قسطنطنیہ میں قتل عام کیا۔
410ء	:	ایلارک نے روما پر قبضہ کر لیا۔ سقوط روم مکمل ہوا۔
420ء	:	بہرام گور ایران میں تخت نشین ہوا۔
431ء	:	افی سوس کے مقام پر منعقدہ عیسائی کونسل نے نسطری عیسائیت کو رد کر دیا۔
440ء	:	مکہ کی شہری امارت پر حضرت قصی کا قبضہ۔
451ء	:	ہن سردار اٹیلا کی سلطنت روما کے خلاف ترکتازیاں۔
459ء	:	شاہ ایران فیروز اول کے دور میں ایران میں خشک سالی کا دور دورہ۔
476ء	:	مغربی سلطنت روما کا خاتمہ۔
487ء	:	قباد شہریار کے عہد میں مزدک کا ظہور۔
529ء	:	افلاطون کی اکادمی واقع ایتھنز بند کر دی گئی۔
529-34ء	:	شہنشاہ جسٹینین نے اپنے نام پر ضابطہ قوانین جاری کیا۔
531ء	:	نوشیروان عادل تخت نشین ہوا۔
543ء	:	یمن میں سد مآرب شکستگی کا شکار ہوگیا۔
571ء	:	عام الفیل، ابرہہ کا مکہ پر حملہ، سرکار دو عالم ﷺ کی پیدائش۔

حوالہ جات:

تاریخ عالم کے اہم سنگ میل از اخلاق احمد قادری۔

Encyclopedia Americana vol.II

نقوش رسول نمبر جلد 3 سیرت النبی ﷺ از علامہ سلیمان ندوی۔

انسائیکلوپیڈیا سیرت، دارالسلام، جلد اول۔

سیرت النبی انسائیکلوپیڈیا جلد اول از سید قاسم محمود۔

محسن انسانیت، نعیم صدیقی۔

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

تاریخ عرب موسیو

چھٹی صدی عیسوی کے اہم وقائع

IMPORTANT EVENTS OF 6th CENTURY

چھٹی صدی عیسوی میں یورپی دنیا تین حصوں میں بٹ چکی تھی۔ مشرقی رومی سلطنت، مغربی سلطنت رومہ کے کچھ حصے بخرے جو جرمانیک حکمرانوں کے زیر انتداب تھے اور دریائے رائن اور دریائے ڈینیوب کے پرلے کناروں پر وحشی بربر قبائل کی حکمرانی تھی۔

مشرقی رومی سلطنت اب بازنطینی سلطنت Byzantin Empire کہلاتی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی میں بازنطینی سلطنت شہنشاہ جسٹینین کی عملداری میں تھی۔ شہنشاہ کی شہرت کا دارومدار آیا صوفیا کے مشہور گرجے کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اس رومی ضابطہ قوانین پر بھی ہے جو جسٹینین کا ضابطہ قوانین کہلاتا ہے اور آج کے ترقی یافتہ یورپی ملکوں کے ضابطہ ہائے قوانین کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس ضابطہ کی کوئی نہ کوئی شق آج بھی برطانیہ اور امریکہ کے قوانین میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے۔

چھٹی صدی کے شاہان تبع یمن میں سے ایک یوسف اشعر ذونواس تھا۔ کہتے ہیں ذونواس اس کا لقب اس لیے پڑا تھا کہ اس کے ماتھے پر ایک لٹ لہراتی رہتی تھی۔ ذونواس شروع میں آتش پرست تھا مگر اس کی ماں ایک یہودن تھی اس لیے بعدازاں اس نے یہودیت اختیار کرلی تھی۔ یہودیت اختیار کر لینے کے بعد اس نے اہل یمن کو بھی یہودیت کی دعوت دی۔ جس نے قبول کرلی وہ بچ گیا جس نے نہ قبول کی اس کا سر گردن سے الگ کر دیا گیا۔ ذونواس نے ظفار پر حملہ کیا اور چالاکی سے شہر میں گھس کر وہاں کے مسیحی گرجا گھر کو آگ لگوادی۔ اس جنگ میں ذونواس نے نجران کے عیسائیوں کو بلایا کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن انہوں نے جب سنا کہ ذونواس نے ایک گرجا گھر کو نذر آتش کر دیا ہے تو انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر یوسف ذونواس نجران پر حملہ آور ہوا اور اس نے شہر کا محاصرہ کرلیا اور محصورین کو شرط بھجوائی کہ اگر اس کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں تو وہ امن میں رہیں گے مگر جب انہوں نے دروازے کھول دیے تو انہیں یہودیت قبول کرنے اور صلیب پر تھوکنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو ان کا قتل عام کیا جانے لگا۔ ذونواس کے

ایک غلام نے عیسائیت قبول کر لی تھی اسے سزا کے طور پر اندھوں اور کوڑھیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ٹھیک کرنے کا حکم دیا۔ جب اس کی دعا سے یہ کام ہو گیا تو اسے تیروں کا نشانہ بنا کر قتل کروا دیا۔ جب اہل نجران نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی تو ذونواس نے بڑی بڑی خندقیں کھدوا کر اس میں آگ دہکائی اور نجران کے بیس ہزار عیسائیوں کو ان خندقوں میں زندہ جلوا دیا۔ اس المناک واقع کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ البروج میں آیا ہے اور خندقوں میں زندہ جلوا دینے والے افراد کو ''اصحاب الاخدود'' کہا گیا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی کی ایک اہم شخصیت ساسانی ایران کا شہنشاہ نوشیروان عادل تھا جو اپنی عدل گستری کی وجہ سے مشہور ہے۔ نوشیروان قباد شہریار کا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق 531ء میں تخت نشین ہوا اور شروع میں اس نے بھی اورنگ زیب عالمگیر کی طرح ہی اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ ان دنوں ایران میں مردکی فتنہ عروج پر تھا۔ نوشیروان نے مزدک کے عقائد کو بنی نوع انسان کے لیے مہلک سمجھتے ہوئے مزدکیوں کو تہہ و بالا کر دیا۔

551ء میں ایران اور روم کے درمیان لازیکا کے مقام پر ایک خون ریز جنگ لڑی گئی جس میں ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا۔ نوشیروان ہی کے عہد اولین میں ابرہہ (حبشہ کے حکمران) نے یمن پر حملہ کیا۔ یمن کا حکمران سیف بن یزن مقابلے کی تاب نہ لا کر نوشیروان کے دربار میں حاضر ہوا۔ نوشیروان نے اس کی مدد کی اور اسے لشکر فراہم کر دیا جس نے 576ء میں یعنی ابرہہ کے مکہ پر حملہ کرنے کے تقریباً پانچ سال بعد یمن پر سیف بن یزن کی حکومت بحال کر دی۔ اگرچہ نوشیرواں کو ایرانی مورخ ایک عدل پرور حکمران بتاتے ہیں مگر رومی مؤرخین نے اسے ایک ظالم، سفاک اور عیار بادشاہ بتایا ہے۔ بہرحال مشرقی علماء جن میں نظام الملک طوسی بھی شامل ہیں نوشیرواں کو ایک عدل پرور بادشاہ بتاتے ہیں۔

543-70ء کے درمیان یمن میں موجود آبپاشی کی سب سے قدیم عمارت سد مآرب شکستگی کا شکار ہو گئی۔ اس کی شکستگی کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ یہ مآرب کے زرخیز گرد و نواح کی تباہی کا باعث بنی۔ مفسرین کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اس کے کیے کی سزا دی اور ایک گھونس (چوہے نما جانور) نے سد مآرب کی دیواروں کے پتھروں کو کتر ڈالا جس کے نتیجے میں یہ عمارت زمین بوس ہو گئی۔ ابن عباسؓ اور دیگر مفسرین کا بیان ہے کہ اس سد مآرب کو یمن کی ملکہ بلقیس نے بنوایا تھا۔ اس ملکہ کا ذکر حضرت سلیمانؑ کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی کا ایک اور اہم واقعہ جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے وہ مکہ پر یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ کا حملہ ہے۔ سورۃ الفیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''تو نے نہیں دیکھا تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟'' (القرآن) کہتے ہیں کہ ابرہہ نے یمن میں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرایا تھا اور اسے خانہ کعبہ کا ہم پلہ قرار دے کر وہ چاہتا تھا کہ عرب اس کا طواف و حج کریں مگر عربوں نے اسے مسترد کر دیا بلکہ ایک عرب نے موقع پا کر اس گرجا میں رفع

حاجت کر دی جس کی وجہ سے ابرہہ نے سیخ و پا ہو کر مکہ پر چڑھائی کر دی اور ہاتھیوں کو لے کر بری نیت سے کعبہ کی طرف بڑھا۔ نہ صرف اس کے ہاتھیوں نے بیت اللہ کی سمت سے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر ایک ہوائی فوج ابابیلوں کی شکل میں بھیج کر محض کنکروں سے ابرہہ کی فوج کو تہس نہس کر دیا۔

عہد فترت نبوت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا درمیانی زمانہ) کی ان چھ صدیوں کا یہ طائرانہ جائزہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ پیدائش نبوی ﷺ کے وقت دنیا کی سیاسی اور معاشرتی حالت کیا تھی۔ جہاں تک اس زمانے کی سیاسی حالت کا تعلق ہے دنیائے عرب کے آس پاس جیسا کہ صدیوں کے جائزہ سے پتہ چلا دو بڑی سلطنتیں روم اور ایران کی قائم تھیں تاہم یہ دونوں سلطنتیں سیاسی اور اخلاقی زوال کا شکار تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان لڑی جانے والی جنگوں نے انسانیت کے ایک بڑے حصہ کو پامال کر کے رکھ دیا تھا اور ان علاقوں میں آباد عوام الناس کا امن و سکون تباہ ہو چکا تھا۔ ''حجۃ اللہ البالغہ'' نامی اپنی تصنیف میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو نقشہ کھینچا ہے وہ اتنا حقیقت پسندانہ ہے کہ قاری خود کو اس زمانہ میں پاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام (عالم) پر حکومت کرتے ہوئے صدیاں گزر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنا لیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے، شیطنیت ان پر غالب آ گئی تو عیش پرستی ان کا حاصل زندگی بن گیا۔ چنانچہ ان میں سے ہر شخص داد عیش دینے لگا۔ ان کی اس طرز زندگی کو دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے سے علماء اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے لیے سامان تعیش فراہم کرنے کی غرض سے عجیب عجیب دقیقہ سنجیاں کرنے لگے اور نئے نئے اسباب زینت کی ایجاد و اختراع میں مصروف ہو گئے۔ سرمایہ پرست امراء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا تھا اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا تھا۔

ایسے ہی انہوں نے عالیشان سر بفلک محل، اعلیٰ درجہ کے آبزن، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کے لیے خوبصورت غلام اور حسین باندیاں، اپنی زندگی کے لوازمات بنا لیے تھے اور ان کا مقصد حیات صرف یہ تھا کہ صبح و شام عیش و طرب کی محفلیں منعقدہ ہوں جن میں ہر اقسام کے کھانے وسیع دستر خوانوں پر چنے ہوں اور لباس فاخرہ میں ملبوس بیٹھا جائے۔ غرض ان ملوک ایران و روم کی داستان پاستان کہاں تک بیان کی جائے، تم اپنے زمانے کے پادشاہان دہلی کی جو حالت دیکھتے ہو، وہی ان ملوک ایران و روم کی حالت کا قیاس کرنے کے لیے کافی ہے۔ سامان تعیش کی فراہمی کے لیے شاہان روم و ایران نے اپنی رعایا پر انتہائی ظالمانہ

ٹیکس نافذ کرر کھے تھے جس سے ان دونوں سلطنتوں میں معاشرے بدحالی کا شکار تھے۔ اس معاشرتی بدحالی کی وجہ سے سعادت اخروی کے متعلق سوچنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ ''

آگے چل کر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''جب یہ مصیبت بڑھ گئی اور اس (معاشرتی) مرض نے شدت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوئی کہ اس مرض کا مادہ ہی کاٹ کر پھینک دیا جائے کیونکہ مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔ اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا جو بالکل ان پڑھ تھے اور جنہوں نے کبھی رومی اور ایرانی لوگوں سے میل جول نہیں رکھا تھا اور نہ ان کی رسم ورواج اور طرزِ معاشرت اختیار کی تھی۔ آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے عجمیوں کی رسموں کی مذمت کرائی گئی اور دنیاوی زندگی میں انہماک کر کے بیٹھ جانے کی خرابی ظاہر کی گئی۔ خداوند تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ اس نبی کی حکومت کے ذریعے سے قیصر وکسریٰ کی حکومت کو برباد کرے۔ بہرحال اس زمانے کی ایرانی اور رومی معاشرت کی اخلاقیات کو گھن لگ چکا تھا۔ ایران کے آتشکدے اگرچہ روشن تھے مگر دلوں کے آتشکدے بجھ چکے تھے۔ کچھ ایسا ہی عالم رومی معاشرت کا بھی تھا کہ قیصر روم اب امپراطور یعنی مالک جنگ و پیکار یا سلطنت کا سب سے اعلیٰ مبارز نہیں رہا تھا بلکہ محلات کا بادشاہ بن چکا تھا۔ دربار رومہ میں مشرقی درباروں کے تکلفات پیدا ہو گئے تھے بادشاہ اب عوام الناس کی نظروں سے پوشیدہ رہتا تھا، سونے اور جواہرات سے مرصع لباس پہنتا تھا اور اس کے ہر طرف جاہ وحشم کا سامان تھا بلکہ شاہان روم فراعنہ مصر کی طرح ہی خدائی دعویٰ بھی رکھتے تھے اور دیوتا بھی سمجھے جاتے تھے۔''

اسی طرح اس دور کے مذہبی حالات تھے عیسائیوں کے باہمی اختلافات کا پہلا مظاہرہ مجلس نیقیہ میں ہو چکا تھا۔ عیسوی مذہب میں بت پرستی کے عنصر کی آمیزش بھی ہو چکی تھی بلکہ اب عیسائی پادریوں اور اسقفوں کو ہر دلعزیز بننے اور اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی فکر پڑ گئی تھی۔ قسطنطنیہ کے صدر گرجا میں نسطور نے ایک خطبہ پڑھا اور خدائے قیوم کی صفات کو شرک سے مبرا قرار دے کے سامعین سے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے خدا کی ماں ہو؟

مخالف اسکندریہ کے ادنی درجے کے پادریوں نے نسطور کی مخالفت کی اور یہ مناظرہ اس حد تک بڑھا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کو مجبوراً حکم دینا پڑا کہ افی سس مناظراتی مجلس منعقد کی جائے۔ اس طرح نسطور کے پیروؤں نے ایک الگ فرقہ قائم کر لیا۔ یہ تھا رومی اور ایرانی معاشرت کا حال۔

ہم عصر ہندو معاشرے کا حال بھی طائرانہ طور پر ہم چھ صدیوں کے جائزے میں دیکھ چکے ہیں۔ 33 لاکھ دیوی دیوتاؤں کو ماننے والی اس قوم کی معاشرت بھی دگرگوں تھی۔ اس طرح محققین نے صحیح طور پر لکھا ہے کہ خدا کے آخری رسول ﷺ ہدایت کا ظہور ایسے حالات میں ہوا جبکہ پوری معلوم دنیا[1] ئے انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں بقول نعیم صدیقی صاحب دَورِ وحشت چل رہا تھا اور کہیں شرک وبت پرستی کی لعنتوں نے شہری زندگی کا حال خراب کر رکھا تھا۔ مصر، ہندوستان، بابل، روم، نینوا، یونان اور چینی تہذیب کی شمعوں کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی۔ ایران اور رومہ کے محلات میں دنیا کے بدترین مظالم کا دور دورہ تھا۔ معلوم دنیا کے ہر انسانی معاشرے میں زندگی کے زخموں سے تعفن کی بو اٹھ رہی تھی۔ بادشاہانِ عالم خدا کے اوتار ہی نہیں بلکہ خدا بنے بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ جاگیردار طبقوں اور مذہبی عناصر کی ملی بھگت قائم تھی۔ روم وایران کے تہذیب یافتہ معاشروں میں انسان کو ہر قسم کی معاشرتی برائیوں نے جکڑ رکھا تھا۔ لوگ مذہب اور حکومت کے نام پر بھاری ٹیکس، رشوتیں، خراج اور نذرانے وصول کر رہے تھے۔ بالادست طبقوں کی عیاشیوں اور نفس پرستی نے اخلاقیات کی روح کو مجروح کر دیا تھا۔

انسانیت کے اس طرح اندھیروں میں بھٹک جانے کے باوجود کوئی مذہب اس کی دست گیری کے لیے موجود نہیں تھا اور گزشتہ الہامی مذاہب میں اس درجہ تحریف ہو چکی تھی کہ وہ اصلاح انسانیت کا فریضہ ادا کرنے سے قاصر تھے۔ انبیاء کرام کی تعلیمات تحریف وتاویلات کے غبار میں گم ہو چکی تھیں اور مذہب کے نام پر جو چیز اب دنیا کے معاشروں میں موجود تھی اسے مذہبی طبقوں نے متاع کاروبار بنا لیا تھا اور ہم عصر ظالم طاقتوں سے گٹھ جوڑ کر کے اس سے فائدہ اٹھانے میں مصروف تھے۔

یونان کے فلسفے پر سکتہ طاری تھا، چین کے پیغمبر کنفیوشس اور ایران کے مانی کی تعلیمات دم بخود ہو چکی تھیں۔ ویدانت اور بدھ مت کے تصورات اور منوشاستر کے نکات آپس میں الجھ رہے تھے۔ جسٹینین کا ضابطہ قوانین اور یونانی حکیم سولن کے قانونی نکات بے اثر رہے تھے۔ کسی طرف بھی کوئی روشنی نہیں تھی۔ انسانیت کے اس طرح اندھیروں میں بھٹک جانے اور خوفناک بحرانوں کا شکار ہو جانے کے بعد خدا کی حکمت سے جبل فاران کی چوٹیوں سے رحمۃ للعالمین اجالوں کے سفیر بن کر ابھرے اور وقت کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف اجالا پھیلا دیا۔ خود عرب کا معاشرہ آنحضرت ﷺ کا اولین کارزار بنا۔ اس کی برائیوں کے تصور سے دل دہل جاتا ہے۔ محققین نے قبل از اسلام کے عرب معاشرے پر بہت کچھ لکھا ہے۔ عرب کے قدیم دور میں جو اقوام وہاں ابھریں وہ عاد وثمود تھیں۔ سبا، عدن اور یمن وحیرہ کی سلطنتوں کے سائے

---

[1] اس زمانے تک دنیا کے جو حصے آباد تھے۔

میں تہذیب کی روشنی کچھ دیر کے لیے اس سرزمین پر نمودار بھی ہوئی تھی تو اب اسے گل ہوئے صدیاں بیت چکی تھیں اور عالم عرب ایک طویل دور جہالت سے گزر رہا تھا۔ انسانیت یہاں انتشار کا شکار تھی۔ انسان اور انسان کے درمیان تصادم جاری تھا۔ جنگ وجدال اور لوٹ مار عرب معاشرے کا طرۂ امتیاز تھا۔ شراب، جوئے اور زنا سے ترکیب پانے والی جاہلانہ ثقافت زوروں پر تھی۔ قریش مکہ نے مشرکانہ اور بت پرستانہ مذہبیت کے ساتھ خانہ کعبہ کی مجاوری چمکا رکھی تھی۔ یہود نے کلامی اور فقہی منو شگافیوں کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ عرب میں آباد یہودیوں نے اپنی عیاری سے پوری عرب معاشرت کو سودی کاروبار میں جکڑ رکھا تھا۔ محققین کے مطابق انسان خواہش پرستی کی ادنیٰ سطح پر گر کر درندوں اور چوپاؤں کے اطوار سے زندگی بسر کر رہا تھا اور عرب معاشرے میں جنگل کے قانون کا دور دورہ تھا۔ طاقت وروں نے کمزوروں کو بھیڑ بکریوں کے گلوں کی طرح گرفت میں لے رکھا تھا۔ یہاں تک کہ کمزور طاقت وروں کے قدموں میں سجدہ ریز تھے اور انسانیت ذلت اور گمراہی کے گڑھوں میں گری ہوئی تھی۔

یہ تھے عہد فترت نبوت کے عالمی حالات جن میں آنحضرت ﷺ عظیم ترین انقلابی تبدیلیوں کا پیغام لے کر یکہ وتنہا اٹھے اور معاشرتی طاقتوں اور ظلم کے اندھیروں سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کر دیا۔ جن مایوس کن حالات سے آپ ﷺ ابتداء میں گزرے کوئی دوسرا ہوتا تو شاید زندگی کے اس کارزار سے بھاگ اٹھتا مگر آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہونے کے ساتھ ساتھ آہنی عزم وارادہ کے مالک انسان بھی تھے اس لیے پیغمبرانہ دور ابتلا کو آپ ﷺ نے پیغمبر اعظم وآخر ﷺ کی شان سے برداشت کیا اور بدی کے ہلاکت خیز گردابوں سے لڑ کر اور کانٹوں بھرے راستوں پر چل کر آپ ﷺ نے ساری اولاد آدم کے لیے راہ نجات کھول دی۔

ظلم کی چکی میں پسے ہوئے غلاموں کو آزاد آدمی کے برابر کا رتبہ دیا۔ معاشرتی طور پر سب سے زیریں طبقہ یعنی خواتین کو وہ بلند مقام عطا کیا کہ عورت کے قدموں میں ماں کی حیثیت سے جنت آ گئی۔ انسانیت کو خوف ناک تمدنی قفسوں نے نکال کر آزاد فضاؤں میں موقع دینے والے آپ ﷺ ہی تو تھے۔ اولاد آدم کا کارواں جو راہزنوں سے گھرا ہوا تھا اسے آپ ﷺ ہی نے پھر فلاح وارتقا کی راہوں پر گامزن کر دیا سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سابقہ اولوالعزم پیغمبر جس مشن میں ناکام رہے تھے اسے آپ ﷺ کی ذات والا صفات نے کامیاب کر دیا۔ یہ مشن خدائے لم یزل کے وجود سے انسانوں کو آشکارا کرنا تھا۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس مشن میں آپ ﷺ تمام پیغمبروں سے زیادہ کامیاب وکامران وسرخرو رہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

دعائے ابراہیم علیہ السلام

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرہ 2:129)

اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب (کا) اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب پاکیزہ بنادے بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔(۱)

حضرت اسماعیل علیہ السلام وحضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ یا رب! اپنے محبوب نبی آخرالزماں ﷺ کو ہماری نسل سے ظاہر فرما اور یہ شرف ہمیں عنایت کر۔'' یہ دعا مقبول بارگاہ رب العزت ہوئی اور ان دونوں پیغمبران عظام کی نسل میں آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نبی نہ ہوا۔ یاد رہے کہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی انبیائے کرام حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے ہوئے جبکہ ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے صرف خاتم الانبیاء ﷺ ہوئے۔ حدیث شریف میں دعائے ابراہیم علیہ السلام سے مراد یہی دعا ہے۔

۱ القرآن

نوید مسیحا

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (اور) جو (کتاب سماوی) مجھ سے پہلے نازل (تورات) ہو چکی ہے، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی تمہیں خوش خبری سناتا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام ''احمد ﷺ'' ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس صاف نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے(۱)

صحیح مسلم و صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

انا محمد وانا احمد: یعنی میرا نام محمد ﷺ ہے اور میرا نام احمد ﷺ ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت عرباض بن ساریہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں اس وقت خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب آدمؑ ابھی گارے میں تھے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ میرا پہلا امر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت، پھر میری والدہ کا خواب جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔(۲)

---

۱ القرآن

۲ مشکوۃ شریف باب فضائل سیدالمرسلین

امتیازی وصف: شمائل نبوی ﷺ

امام نوویؒ نے اپنی تصنیف ''کتاب تہذیب'' میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں، صفات اعلیٰ اور کمالات آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی قدر میں جمع فرما دی تھیں۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علوم اولیٰ و علوم الآخرہ دونوں سے بہرہ ور فرمایا حالانکہ آپ ﷺ پیدائشی طور پر امّی تھے۔ پھر آپ ﷺ کو وہ علوم سماوی و دنیاوی عطا فرمائے گئے کہ جو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائے تھے۔ آپ ﷺ کو کائنات (ارضی) زمین کے خزانوں کی کنجیاں سونپی گئیں مگر آپ ﷺ نے دنیاوی مال و متاع کے بدلے میں ہمیشہ آخرت کو ترجیح دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ علم و حکمت کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ سب سے زیادہ محترم، سب سے زیادہ منصف المزاج سب سے زیادہ حلیم الطبع، بردبار اور سب انسانوں سے زیادہ پاکدامن و عفیف اور انسانوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے اور لوگوں کی طرف سے دی گئی ایذا رسانی پر سب سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والے تھے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم شریف میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ (خادم خاص النبی ﷺ) سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین، بہادر اور فیاض تھے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام انسانوں میں سب سے اشرف تھے اور آپ ﷺ کے مزاج میں سب سے زیادہ اعتدال تھا اور جس میں یہ اوصاف ہوں تو اس کا ہر فعل بہترین افعال کا نمونہ ہوگا اور اس کا خلق اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ۔ آنحضرت ﷺ جملہ جسمانی و روحانی کمالات کے جامع اور خوبصورتی اور نیک سیرتی میں سب پر غالب تھے اور سب سے زیادہ کریم، سب سے بڑھ کر فیاض و سخی اور سب سے بڑھ کر جود و کرم والے تھے۔

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرًا کثیرًا

رُخ زیبا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا

آپ ﷺ کے رخسار مبارک میں سورج کی تابانی مجسم تھی۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی(۱) حضرت ہند ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”دیکھنے والوں کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور عظیم، بزرگ اور دبدبہ والا تھا۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ایسے چمکتا تھا جیسے چودھویں شب کا چاند۔

طیب و مطیب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کوئی عنبر اور مشک اور کوئی خوشبودار چیز رسول اللہ ﷺ کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہرگز نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ جب مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی تھی اور جب کسی بچہ کے سر پر دست شفقت رکھ دیتے تو وہ بسبب خوشبو دوسرے بچوں سے ممتاز ہو جاتا تھا۔

آپ ﷺ جس راہ سے گذرتے اور کوئی شخص آپ ﷺ کی تلاش میں نکلتا تو وہ آپ ﷺ کی خوشبو سے جان لیتا کہ آپ ﷺ اس راہ سے گذرے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ خوشبو بغیر عطر لگائے ہمہ وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک میں رہتی تھیں۔(۲)

خلق عظیم:

اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کی ذات کریم میں مکارم اخلاق محامد صفات اور ان کی کثرت وقوت اور عظمت کے لحاظ سے قرآن کریم میں آپ ﷺ کی مدح وثنا فرمائی ہے۔ ارشاد ربی ہے۔

انك لعلى خلق عظيم۔ بلاشبہ آپ ﷺ بڑے ہی صاحب اخلاق ہیں

(سورۃ ن رکوع3)

كان فضل الله عليك عظيما۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالی کا بہت بڑا فضل ہے

(سورۃ النساء رکوع17)

بعثت لاتمم مكارم الاخلاق ”یعنی مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا۔

بہر حال اگر حضور ﷺ کی سیرت کے اوصاف لکھنے بیٹھو تو اگر سمندر روشنائی کا بھی ہو تو کم پڑے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱ مدارج النبوۃ از محدث دہلوی

۲ بحوالہ نشر الطیب از مولانا تھانوی

آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد

مؤرخین کے مطابق حضرت محمد ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ (والد گرامی قدر) سے لے کر حضرت عدنان تک معلوم ومربوط ہے۔ مگر حضرت عدنان سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک اس میں مختلف آرا ہیں۔ اپنے سلسلۂ نسب کی ان پشتوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ نسب بیان کرنے والوں نے غلط بیانی کی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں میں سے حضرت قیدار کی اولاد عرب کے علاقے حجاز میں آباد ہوئی تھی۔ مؤرخین کے مطابق حضرت اسماعیلؑ سے حضرت عدنان تک چالیس پشتیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہاں حضرت عدنان سے پیغمبر اعظم وآخر ﷺ تک آپ ﷺ کے نسب کی شخصیتوں کے احوال کا بیان اختصار کے ساتھ دیا جارہا ہے۔

حضرت عدنان:

عرب میں حضرت عدنان پہلے آدمی تھے جنہوں نے کعبہ مشرفہ کو چمڑے کا غلاف پہنایا۔ لفظ عدنان عربی مادے عدن (قیام کرنا) سے ماخوذ ہے۔ اس طرح عدنان کے معنی ”قیام“ کرنے والے کے ہوئے۔ مؤرخین کے مطابق حضرت عدنان بابل کے حکمران بخت نصر کے ہم عصر تھے اور ان کا زمانہ چھٹی صدی قبل از مسیح تھا۔

حضرت معد:

اس عربی نام کے معنی لغات عرب میں ”طاقتور“ کے دیے گئے ہیں۔ بابلی حکمران بخت نصر کے عہد میں حضرت معد کی عمر محققین نے 12 سال بتائی ہے۔ بخت نصر نے جب سرزمین عرب پر حملہ کیا تو یہاں کے سردار حضرت معد کو قتل کردینے کا ارادہ کیا تو اس کے لشکر میں موجود ایک نبی نے پیشین گوئی کی کہ اس شخص کی اولاد میں نبوت ہوگی۔ اس پر بخت نصر نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔

حضرت نزار:

اس عرب نام کے معنی محققین نے ”یگانہ روزگار“ کے دیے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اپنے اس بیٹے کی پیدائش کے

وقت حضرت معد نے اس کی آنکھوں میں نبوت کا نور دیکھا تو ان کو یہ نام دیا تھا۔ نزار کی والدہ کا نام معانہ بنت جہلہ تھا۔ ان کا تعلق عربوں سے پہلے کی نسل بنو جرھم سے تھا۔ محققین نے مسلمہ نظام انساب کے مطابق نزار بن معد کو شمال کے اکثر عرب قبائل کا مورث اعلیٰ بتایا ہے۔(۱)

حضرت مضر:

کہتے ہیں کہ جو بھی انہیں دیکھتا تھا ان کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ان کا رنگ سفیدی مائل ہونے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا تھا۔ جو کہ عربی لفظ "مضیرہ" سے ماخوذ ہے۔ یاد رہے کہ مضیرہ کے معنی عربی میں سفید دودھ کے ہیں۔

حضرت الیاس:

الیاس کے معنی "شجاع" کے ہیں۔ جب یہ جوان ہوئے تو انہوں نے بنو اسمٰعیل کو دوبارہ حضرت اسماعیلؑ کی سنت پر کاربند کیا۔ اہل عرب حضرت الیاس کی دانش و حکمت کی تعریف عہد جاہلیت میں بھی کرتے تھے۔

حضرت مدرکہ:

عرب محققین جن میں بلاذری اور شاطبی سب سے آگے ہیں لکھا ہے کہ ان کا اصل نام "عمرو" تھا۔ مدرکہ کے معنی "پالینے والا" کے ہیں۔ ایک سفر کے دوران انہوں نے جنگلی خرگوشوں سے ڈر کر بھاگنے والے اپنے اونٹوں کو پالیا تھا۔ کہتے ہیں اسی بنا پر انہیں مدرکہ کا نام دیا گیا تھا۔

حضرت خزیمہ:

عرب لغات کے مطابق یہ "خزمہ" کی تصغیر ہے۔ جس کے معنی کھجور کی طرح کے ایک درخت ہیں۔ اس درخت کے پتوں سے ٹوکریاں بنتی تھیں۔ خزیمہ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے اور ملت ابراہیمی پر فوت ہوئے تھے۔ ان کی والدہ کا تعلق قبیلہ قضاعہ سے تھا۔

حضرت کنانہ:

اس کے معنی "ترکش" ہیں۔ ترکش کی طرح ہی حضرت کنانہ بھی اپنی پوری قوم کے لیے پردہ اور مامن تھے۔ یہ بہت معزز اور علم و فضل والے تھے۔ انہیں خوبیوں کی وجہ اہل عرب ان سے رجوع کرتے اور مسائل زندگی میں رہنمائی

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 22

حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے خواب میں پوچھا گیا کہ جاہ وحشمت، تعمیرات اور مال و متاع میں سے کونسی چیز چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا "تمام چیزیں اے رب!" یوں یہ تمام اوصاف قریش کو عطا کر دیے گئے۔

کنانہ کی چار اولادیں تھیں جن میں نضر بن کنانہ اور مالک بن کنانہ زیادہ مشہور ہوئے۔

حضرت نضر:

ان کے چہرے کی نضرت (تروتازگی) کی وجہ سے ان کا نام نضر رکھا گیا تھا۔ مشہور سیرت نگار ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انہیں کا لقب قریش تھا اور ان کی اولاد ہی قریشی کہلائی۔

حضرت مالک:

ان کی کنیت ابو حارث تھی اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ ان کا مشہور قول ہے۔ "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خوبصورت چہرے اپنے عیبوں کو چھپا لیتے ہیں" جب ان کے عیب ظاہر ہو جائیں تو پھر ان کی صورت پر نہ جاؤ۔"

حضرت فہر:

فہر کے معنی ہتھیلی کے برابر پتھر۔ ان کی کنیت ابو غالب تھی۔ سیرت نگاروں کے ایک قول کے مطابق آباؤ اجداد رسول ﷺ میں ان کا لقب "قریش" تھا۔ قرش ایک سمندری حیوان (وھیل) کا نام ہے جو تمام بحری جانداروں پر غالب رہتا ہے۔ یوں قوت و طاقت کے وصف کی بناء پر ان کا نام قریش پڑ گیا تھا۔ بعض کے مطابق ان کی ماں نے ان کا نام قریش رکھا تھا۔ جبکہ فہر ان کا لقب تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت غالب:

ان کے دوسرے بیٹے تیم الادرم کی نسبت سے ان کی کنیت ابو تیم تھی۔ ان کا ایک جبڑا ناقص ہو جانے کی وجہ سے انکو تیم الادرم کہا جاتا تھا۔ غالب کاہن بھی تھے۔

حضرت لوئی:

سیرت نگاروں کے مطابق ان کا نام "لائی (ست)" سے ماخوذ ہے ایک دوسرے قول کے مطابق ان کا نام عربی لفظ لواء (پرچم) سے نکلا ہے۔ یہ بڑے بردبار اور حکمت والے تھے۔ غرض آباؤ اجداد رسول ﷺ میں سے کوئی بھی غیر معتبر شخصیت شامل نہیں ہے۔ ان کے مشہور اقوال یہ ہیں۔ "جس نے نیکی کی اس کی نیکی کبھی ختم نہ ہوگی اور مسلسل اس کا تذکرہ ہوتا رہے گا۔" جس پر نیکی کی جائے اسے چاہیے کہ اس کا تذکرہ کرے اور نیکی کرنے والے کو چاہیے کہ لوگوں میں چرچا نہ کرے۔"

حضرت کعب:

کعب کے لفظی معنی "ٹخنہ" ہیں اور قدم پر ٹخنے کی اونچائی کے باعث یہ شرف وعزت عرب میں اس قدر تھی کہ ان کی وفات سے برسوں کا تعین کیا جانے لگا اور یہ سلسلہ عام الفیل تک جاری رہا۔ ایک قول کے مطابق کعب ہی نے یوم عروبہ کا نام بدل کر یوم جمعہ رکھا تھا۔ ان کی کنیت "ابوہصیص" تھی۔ ان کا زمانہ نبی اکرم ﷺ سے مؤرخین نے 260 سال پہلے کا بتایا ہے۔ انہوں نے خطبے میں سب سے پہلے "امابعد" کا استعمال شروع کیا تھا۔ ان کے بیٹے عدی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جدامجد تھے۔

حضرت مرہ:

اس نام کے ایک معنی "قوی" ہیں مگر عربی میں تلخ مزاج شخص کو بھی "مرہ" کہا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو یقظہ تھی ان کے بیٹے "تیم" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جدامجد تھے۔ جبکہ یقظہ کی نسل سے بنو مخزوم تھے۔

حضرت کلاب:

یہ شکار کے بڑے شوقین تھے اور کتوں کے ساتھ کسی علاقے سے گذرتے تو لوگ کہتے ھذہ کلاب ابن مرہ (یہ ابن مرہ کے کتے ہیں) اس طرح ابن مرہ کا نام ہی کلاب پڑ گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ کلاب باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں "باہم دشمنی رکھنا" ان کی کنیت ابوزہرہ تھی۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے سونے سے آراستہ دو تلواریں کعبے کے اندر رکھی تھیں۔

حضرت قصیٰ:

ان کا اصل نام مؤرخین نے زید بتایا ہے۔ یہ ابھی شیر خوار تھے جب ان کے والد کلاب کا انتقال ہو گیا اور ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حرام قضاعی سے شادی کر لی جو انہیں اپنے ساتھ شام لے گئے اور یوں اپنے اصلی گھر سے دور ہو جانے کے باعث قصیٰ کہلائے۔ جو قصی (دور ہونے والا) کا اسم تصغیر ہے۔ جب جوان ہوئے تو آل ربیعہ سے جھگڑا ہوا اور ان سے غریب الدیار ہونے کا طعنہ سن کر قصی نے اپنی والدہ سے اپنی ولدیت کی حقیقت پوچھی اور پھر ان کی اجازت سے مکہ واپس لوٹ آئے۔ بطحا پر قابض قبیلے بنو خزاعہ کی "حبی" نامی خاتون سے ان کی شادی ہوئی اور ان کے سسر حلیل بن حبشیہ کی وفات پر اس کے بیٹے ابوغبشان مجرش نے کعبہ کی تولیت قصیٰ کے ہاتھ بیچ دی۔ قصیٰ نے تولیت کعبہ ملنے پر مکہ میں دارالندوۃ قائم کیا جہاں قریش جلسہ یا دوران جنگ تیاریاں کرتے تھے۔ قافلے بھی یہیں سے روانہ ہوتے تھے۔ نکاح وغیرہ کی رسوم بھی اسی عمارت میں ادا ہوتیں تھیں۔ اس کے علاوہ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) اور افادہ

(حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنے) کے مناصب تفویض کیے۔ ان کے ایما پر قریش نے افادہ کے لیے ایک سالانہ رقم مختص کی۔ قصیٰ نے چرمی حوض بنوائے جن میں حاجیوں کے لیے پانی بھر دیا جاتا تھا۔ حجاج کے لیے پانی باہر سے لایا جاتا تھا اور اس میں کھجور کا شیرہ اور انگور نچوڑ کر اسے اور خوش ذائقہ بنایا جاتا تھا۔ مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے۔ جس پر ایام حج میں چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی شہری حکومت پر کنٹرول حاصل ہونے پر قصی نے قریش کو تمام اطراف وجوانب سے بلا کر مکہ میں آباد کیا۔ انہوں نے کعبہ شریف اور مکانات کے درمیان جگہ کا نام المفروش رکھا تھا جسے اب حرم یا مطاف کہتے ہیں۔ حضرت قصی کا زمانہ سنہ عیسوی میں مؤرخین نے 431ء تا 473ء بتایا ہے۔ انہوں نے مرتے وقت سقایہ اور رفادہ کے منصب اپنے بیٹے عبدالدار کو سونپ دیے تھے اگر چہ وہ ان کا اہل نہیں تھا۔

حضرت عبدمناف:

قصی کے بعد قریش کی ریاست عبدمناف نے حاصل کی ان کا اصل نام مؤرخین نے مغیرہ دیا ہے۔ اور لقب عبدالمناۃ تھا۔ بعد میں قصی نے عبدمناۃ بن کنانہ سے مشابہت کے باعث ان کا لقب بدل کر عبدالمناف رکھ دیا تھا۔ مناف کے معنی شرف کا مقام اور مناف دور جاہلیت کے بت کا نام بھی تھا۔ اسی کی نسبت سے وہ عبدالمناف کہلائے۔ ان کی کنیت ابوشمس تھی۔ انہوں نے قصیٰ کی بنا کردہ عمارات مکمل کروائی تھیں۔ عبدالمناف کے بھائی عبدالعزی کے بیٹے اسد تھے جن کی پوتی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے نبی کریم ﷺ کا نکاح ہوا تھا۔

حضرت ہاشم:

عبدمناف کے بیٹوں میں حضرت ہاشم نہایت صاحب صورت اور بااثر تھے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کی مدد سے سقایہ اور رفادہ کے مناصب عبدلدار سے واپس لیے۔ حضرت ہاشم کا نام عمرو الخلا اور لقب ہاشم تھا۔ آپ کی کنیت ابوتھی۔ ہاشم کے معنی روٹی کا چورا کرنے والا ہیں۔ وہ شدید قحط کے سال میں فلسطین گئے اور وہاں سے آٹا اونٹوں پر لدوا کر مکہ لے آئے۔ اس کی روٹیاں پکوائیں، پھر انکا چورا بنا کر ثرید تیار کیا اور اہل مکہ کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اس لیے ان کا لقب ہاشم پڑ گیا۔ انہوں نے اپنے ہم عصر قیصر روم سے خط وکتابت کر کے فرمان قیصر جاری کروایا کہ قریش کے مال وتجارت پر رومہ کی حکومت میں کوئی محصول نہ لیا جائے۔ نجاشی حبشہ سے بھی اسی قسم کا فرمان جاری کروایا جس سے عرب تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ قریشی تاجر ترکی کے شہر قسطنطنیہ انگورہ جاتے تو قیصر روم عزت سے پیش آتا۔ ایک بار حضرت ہاشم تجارت کے لیے شام گئے۔ راستے میں یثرب کے میلے میں ایک حسین عورت سلمیٰ نامی دیکھی جو بنونجار سے تعلق رکھتی تھی۔ ہاشم کی خواہش پر سلمیٰ نے ان سے نکاح کر لیا شادی کے بعد شام کے سفر پر چلے گئے اور دوران سفر غزہ (فلسطین) میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ادھر سلمیٰ کے بطن سے ان کا بیٹا شیبہ پیدا ہوا جس نے آٹھ برس تک یثرب میں پرورش پائی۔ پھر ہاشم کے بھائی مطلب اپنے اس بھتیجے کو مکہ لے آئے۔

حضرت عبدالمطلب:

چونکہ شیبہ کی پرورش ان کے چچا مطلب نے کی اس لیے ان کا نام عبدالمطلب یعنی ''مطلب کا غلام'' پڑ گیا۔ حضرت عبدالمطلب کا سب سے بڑا کارنامہ مؤرخین نے یہ بیان کیا ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت پہلے ریت سے ایسا دبا کہ غائب ہو گیا تھا' انہوں نے اس کا سراغ لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے جاری کیا۔ انہوں نے منت مانی تھی کہ اگر اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھیں گے تو ایک بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ جب آپ کی یہ آرزو پوری ہوئی تو اپنے دس بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے قرعہ ڈالنے کو کہا۔ قرعہ ڈالنے پر حضرت عبداللہ کا نام نکلا آپ کی بہنیں رونے لگیں اور حضرت عبدالمطلب کی سماجت کی کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کر دیجیے یہاں تک کہ سو قربان کرنے پر حضرت عبداللہ بچ گئے۔ یہ علامہ واقدی کی روایت ہے جبکہ معروف سیرت نگار ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ اونٹ قربان کرنے کی تجویز رؤسا قریش نے پیش کی تھی۔

حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابو حارث تھی اور انہیں ابوالبطحا بھی کہا جاتا تھا۔ ان کا انتقال جیسے کہ آگے ذکر آئے گا 578ء یا 579 عیسوی میں ہوا تھا۔

عبدالمطلب بڑے خوبصورت' طویل قامت' دانشور اور فصاحت اور بلاغت کے لیے مشہور تھے۔ وہ ملت ابراہیمیؑ کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے تھے اور انہیں بت پرست کہنا انتہائی بے علمی ہے۔ رمضان کا پورا مہینہ آپ غارِ حرا میں بسر کرتے تھے۔ شاید اپنے دادا کی اسی روایت کو خود آنحضرت ﷺ نے بھی زندہ رکھا تھا۔ حضرت عبدالمطلب غربا اور مساکین اور حتی کہ وحشی جانوروں اور پرندوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ شراب نوشی' محرم عورتوں سے نکاح اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرانے کے خلاف تھے اور یوں عرب کے ان مکروہ رواجوں کو اچھا نہ جانتے تھے۔ کعبہ کے باہر حطیم میں ان کے بیٹھنے کے لیے غالیچہ بچھا رہتا تھا جس پر ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کے بارہ بیٹوں میں سے پانچ نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت پائی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ابولہب' حضرت ابو طالب' حضرت عبداللہ' حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ۔ حضرت عبدالمطلب کے دوسرے بیٹوں کے نام یہ ہیں ضرار' قثم' زبیر' مقوم' حارث' عبدالکعبہ اور العیداق۔ عبدالمطلب نے ہی اپنے یتیم پوتے حضرت محمد ﷺ کا نام رکھا تھا اور آپ ﷺ کی آٹھ سال تک پرورش کی تھی۔

قربانی سے بچ جانے کے بعد آپ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت آمنہ سے شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر صرف 17 سال تھی۔ خود حضرت عبدالمطلب نے بھی حضرت آمنہ کی ایک بہن ہالہ بن وہب سے نکاح کیا تھا جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

545ء ولادت حضرت عبداللہؓ

بہت سے سیرت نگاروں نے سیرت لکھتے ہوئے معجزہ اور نصرت الٰہی کو نبی ﷺ کی ذات اقدس سے جدا عامل بتانے کی کوشش کی ہے حالانکہ نبی کی ذات ہی معجزہ ہوتی اور اسی شخصیت میں نصرت ایزدی جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسی سیرت کے آئینہ دار نبی کے والدین ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی قدر حضرت عبداللہؓ قریش میں سب سے اچھی صورت اور سیرت کے حامل انسان تھے اور آنحضرت ﷺ کا نور آپ کے چہرے پر عیاں تھا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش 545 عیسوی میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالی کی ہدایت پر حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ یاد رہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زدیاہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ جس رات حضرت عبداللہؓ کی ولادت ہوئی' حضرت مولانا ملا معین واعظ الکاشفی اپنی تصنیف معارج النبوت میں رقم طراز ہیں کہ اس رات ملک شام کے مہندس اور علم نجوم کے ماہرین کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو متنبہ کیا کہ پیغمبر اعظم و آخر حضرت محمدؐ کے والد گرامی قدر آج شب مکہ میں تولد ہوئے ہیں۔ یاد رہے حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ ہی کی طرح حضرت عبداللہ بھی ذبیح اللہ تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کی کھدائی کے موقع پر منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالی ان کے لیے یہ آسان کر دے تو وہ اپنا ایک بیٹا اللہ کے نام پر قربان کر دیں گے۔ پھر جب آپ کے دس بیٹے تولد ہو گئے تو حکم خداوندی ہوا کہ اپنی منت پوری کریں۔ تو انہوں نے ایک دنبہ ذبح کر کے غربا میں تقسیم کر دیا مگر انہیں خواب میں حکم دیا گیا کہ کوئی بڑی چیز قربان کریں تو انہوں نے ایک بیل ذبح کیا مگر پھر بھی خواب میں وہی حکم ملا تو آپ نے ایک اونٹ ذبح کیا مگر خواب میں پھر تاکید کی گئی تو انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے اس پر کہا گیا کہ آپ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک قربان کرنے کی ہدایت دی گئی جب آپ نے اپنے بیٹوں سے اس سلسلے میں بات کی تو سب سے پہلے حضرت عبداللہ نے آپ کی بات پر سر جھکا دیا۔ اس کے بعد جو حضرت عبدالمطلب نے قرعہ ڈالا تو وہ بھی حضرت عبداللہ کے نام پہ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب آپ کو قربان کرنے کے لیے بیت اللہ لے آئے قریب تھا کہ وہ حضرت عبداللہ کو قربان کر دیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی برادرانہ محبت رنگ لائی اور انہوں نے حضرت عبداللہ کو والد کے پاؤں کے نیچے سے کسی طرح کھینچ لیا اس موقع پر مؤرخین کے مطابق حضرت عبداللہ کے چہرے پر خراشیں آئیں جو وفات تک آپ کے چہرے پر موجود رہیں۔ ادھر قریش اور حضرت عبداللہ کے ننھیال نے حضرت عبدالمطلب کو فدیہ کے اونٹ قربان کرنے کا مشورہ دیا اس پر حضرت عبدالمطلب نے ایک عرب کاہنہ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو اس نے حضرت عبداللہؓ کی دیت ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا مگر اب بھی اونٹوں کی بجائے حضرت عبداللہ ہی کا نام نکلا یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب نے اونٹوں کی تعداد 100 کر دی اور اب قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا تو حضرت عبدالمطلب کو اطمینان ہو گیا کہ

خدا کو سو اونٹوں کی قربانی حضرت عبداللہؓ کی جگہ منظور ہے۔انہوں نے قرب کعبہ میں فدیہ کے یہ اونٹ قربان کیے اور کسی کو ان کا گوشت کھانے سے منع نہ کیا۔انسان اور چرند پرند سب نے قربانی کا یہ گوشت کھایا اور شاد کام ہوئے۔یوں آنحضرت ﷺ کو دو ذبیح اللہ کے بیٹے ہونے کا شرف حاصل ہوگیا۔

563ء حضرت عبداللہ جوانی کی دہلیز پر:

جب حضرت عبداللہؓ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو نورِ نبوت آپ کی پیشانی پر چمکتا تھا اور آپ کا چہرہ مبارک منور منور تھا۔آپ کے حسن مجسم ہونے کی وجہ سے دختران قریش آپ پر فریفتہ تھیں۔جب آپ کا عقد حضرت آمنہؓ سے ہوا تو علامہ ابن برہان حلبی اپنی سیرت میں رقم طراز ہیں کہ قریش کی نوجوان لڑکیاں اس غم میں بیمار پڑگئیں کہ ان کی شادی حضرت عبداللہ سے نہ ہوسکی۔کہتے ہیں کہ بنی اسد بن عبدالعزی کی ایک خاتون جس کا نام مؤرخین نے قتیلہ دیا ہے وہ کعبہ کے صحن میں بیٹھی تھی کہ حضرت عبداللہ کا گذر ادھر سے ہوا۔وہ عورت ایک عالمہ اور کاہنہ تھی جب اس نے حضرت عبداللہؓ کی پیشانی پر چمکتا ہوا نور محمدی دیکھا تو وہ سو جان سے آپ پر فریفتہ ہوگئی تو اس نے آپ کو پیشکش کی کہ جتنے اونٹ آپ کی جان کے فدیہ سے ذبح کیے گیے تھے میں اتنے ہی اونٹ تم پر نثار کرنے کے لیے تیار ہوں اگر آپ مجھ سے اسی وقت نکاح کرلو۔اس پر حضرت عبداللہؓ نے اسے جواب دیا کہ وہ اپنے والد محترم کے ساتھ ہیں اور ان کی مرضی کے تابع ہیں۔آپ نے اس موقع پر ایک ایسا شعر بھی پڑھا جس میں کہا گیا تھا کہ حرام کاری کرنے سے بہتر مرجانا ہے۔بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ اپنے والد کے ساتھ حضرت آمنہؓ سے نکاح کرنے جارہے تھے۔

570ء حضرت آمنہؓ سے نکاح:

حضرت عبدالمطلب اپنے صاحبزادے کو مدینہ منورہ (یثرب) لائے اور ان کا نکاح حضرت آمنہ بنت وہب بن عبدالمناف سے ان کے چچا کی مرضی سے کردیا۔یثرب میں حضرت آمنہ تمام خواتین قریش سے افضل و محترم تھیں۔نکاح کے بعد حضرت عبداللہؓ نے شعب ابی طالب میں جمرہ وسطی کے مقام پر حضرت آمنہ کے ساتھ شب زفاف منائی۔یاد رہے ولادت نبوی ﷺ ہی کی طرح یہ دن بھی مؤرخین نے پیر کا بتایا ہے۔اسی رات آنحضرت ﷺ بصورت حمل حضرت آمنہ کی رحم میں جلوہ گر ہوئے۔حضرت عبداللہ عرب رواج کے مطابق تین دن تک اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ رہے۔کہتے ہیں جب آپ واپس لوٹے تو ایک بار پھر اسی قریشی خاتون' قتیلہ سے ملاقات ہوئی تو اس خاتون عالمہ کو نور محمدی آپ کی پیشانی پر نظر نہیں آیا' ادھر حضرت عبداللہ نے بھی اس خاتون کی آزمائش کے لیے اس کی دعوت کو قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر چونکہ وہ اپنے علم سے جان چکی تھی اس لیے اس نے کہا کہ اب آپ کے چہرے پر وہ نور مبارک موجود نہیں جس کو میں نے دیکھا تھا۔

571ء: عام الفیل

یمن میں بنو حمیر کے زوال کے بعد اہل حبشہ نے اپنی حکومت قائم کی تھی۔جب یہ حکومت ابرہہ اشرم نامی حبشی کے ہاتھ میں آئی تو اس نے صنعاء میں عمدان کے قرب میں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرایا اور اس کو "قلیس" کا نام دیا۔اپنے زمانہ تعمیر میں یہ کلیساء لاثانی تھا اور دنیا میں اس جیسا کوئی گرجا موجود نہیں تھا۔اسے سنگ مرمر سے تعمیر کر کے بہترین صناعی سے مزین کیا گیا تھا۔یہ صناعی مؤرخین کے مطابق سونے پر کی گئی تھی۔ابرہہ کے اس گرجا کے تعمیر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عرب میں صدیوں سے رائج بیت اللہ کے حج کو اس گرجا کے حج میں بدل دے اور کعبہ کے حج کو باطل قرار دیدے۔جب عربوں کو ابرہہ کے اس مقصد سے آگاہی ہوئی تو بنو کنانہ کے ایک فرد کو اس مقصد کی نامعقولیت پر سخت طیش آیا اور اس نے اس گرجے کی توہین کے مقصد سے کسی رات اس گرجے کے ہال میں قضائے حاجت کردی اور پھر واپس اپنے علاقے میں لوٹ آیا۔

ابرہہ کو عربوں کی اس حرکت کا پتہ چلا تو وہ غضبناک ہوگیا اور اس نے قسم اٹھائی کہ وہ بالضرور اس حرکت کا بدلہ بیت اللہ کو تباہ کر کے لے گا۔پھر اس نے 571 عیسوی میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ جس میں ہاتھی بھی بڑی تعداد میں موجود تھے مکہ کا رخ کیا ہاتھیوں کے اس لشکر کی آمد کے سال کو عرب عام الفیل کا نام دیتے ہیں۔ابرہہ صنعاء سے براستہ خثعم طائف پہنچا۔طائف میں قیام کر کے اس نے اپنے آدمیوں کو مکہ بھیجا جو اہل مکہ کے مویشیوں کو ہانک کر طائف لے آئے۔ان مویشیوں میں رئیس بنو ہاشم جناب عبدالمطلب کے اونٹ بھی شامل تھے۔ابرہہ نے مکہ کے متعلق جو معلومات حاصل کی تھیں ان کے مطابق وادی مکہ کے سردار جناب عبدالمطلب تھے اور بیت اللہ بھی انہیں کی تولیت میں تھا۔ابرہہ نے اپنا ایک سفیر حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجا اور کہا کہ شاہ یمن ان سے لڑنے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد صرف بیت اللہ کو گرانا ہے۔حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم ہم بھی اس سے لڑنا نہیں چاہتے۔بیت اللہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اللہ کا گھر ہے جسے ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا۔اللہ ہی اس کی حفاظت کرے گا۔اگر اللہ تعالی اپنے گھر کو ابرہہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دے تو بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔پھر جب حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ سے ملاقات کی تو اس سے اپنے اونٹوں کو چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا۔اس پر ابرہہ نے کہا تعجب ہے آپ مجھ سے اپنے اونٹوں کی بات کررہے ہیں مگر بیت اللہ کی بات نہیں کرتے کہ جس پر آپ کے آباؤ اجداد کے دین کا مدار ہے جبکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں اسے گرانے آیا ہوں۔حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میں صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں مجھے ان کی فکر ہے۔بیت اللہ کا جو مالک ہے وہ اس کی فکر کرے گا۔پھر جب اونٹ واپس لے کر حضرت عبدالمطلب مکہ واپس آئے تو انہوں نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی کہ اے اللہ! ہر کوئی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔پھر جب ابرہہ نے مکہ پر اپنے

ہاتھیوں سمیت حملہ کیا تو عجیب صورتحال پیش آئی کہ جب وہ اپنے ہاتھی کو مکہ کی طرف بڑھاتا تو وہ بیٹھ جاتا اور ٹس سے مس تک نہ ہوتا مگر جب کسی اور رخ پر اس کو ہانکتا تو وہ دوڑنے لگتا۔ ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ اللہ تعالی نے سمندر کی طرف سے ابابیلوں کے جھنڈ بھیج دیے۔ ہر پرندے کے پاس تین کنکر تھے پھر جب ان فضائی حملہ آوروں نے لشکر ابرہہ پر وہ کنکر گرائے تو بقول قرآن کریم ان کا حال کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گیا اور ابرہہ نے واپسی کا سفر شروع کیا مگر صفا پہنچنے سے پہلے ہی وہ ذلیل ہو کر مر گیا۔

571ء ولادت سعید نبوی ﷺ

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

9 ربیع الاول 52 قبل از ہجرۃ/20-21 اپریل 571 عیسوی/عام الفیل، پیغمبران کرام کا ایک سلسلہ حضرت عیسیٰ تک اس جہان آب وگل کو منور کر چکا تھا مگر ہنوز ابھی عالم انسانی اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جرم و گناہ جہالت کے اس اندھیرے میں بہت بڑھ چکے تھے۔ نوع انسانی کو اب ایک ایسے راہبر و راہنما کی تلاش تھی جو اسے ان اندھیروں سے نکال سکے وہ ہستی جو تمام کائنات کے لیے رحمت عالم تھی اب اس دنیا میں جلوہ گر ہونے والی تھی یہی وہ ہستی تھی جس نے قیامت تک انسانیت کی رہبری و رہنمائی کرنا تھی۔ اسی ہستی سے بنی نوع انسان کو ابد تک مستفید ہونا تھا۔ آخر وہ مبارک گھڑی آ پہنچی جس کا ایک عالم منتظر تھا۔ یہ عام الفیل کا پہلا سال تھا۔ اس سال عرب تقویم کے مطابق 12 ربیع الاول' دوشنبہ کی نورانی صبح کو حضرت عبدالمطلب کے مرحوم صاحبزادے حضرت عبداللہ کی حرم محترم کے ہاں رشد و ہدایت کا آفتاب درخشاں طلوع ہوا۔ والد نبوی اپنی شادی کے تین ماہ بعد ہی شام کے سفر میں وفات پا گئے تھے۔ یوں عالم انسانی کا در یتیم اس دنیا میں بحیثیت ایک یتیم پیدا ہوا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم مگر شان یہ تھی کہ ایوان کسری کے کنگرے تک گر پڑے تھے اور شام کے محلات آپ ﷺ کے نور سے چکا چوند ہو گئے تھے۔

اسم گرامی محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہے

حضرت عبدالمطلبؓ جو اس در یتیم کے دادا جان تھے انہیں اپنے جواں سال صاحبزادے کی موت کا بڑا دکھ تھا مگر جب اس فرزند ارجمند کی پیدائش کی خوشخبری سنی تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حضرت عبدالمطلب اپنے اس فرزند کو عرب رواج کے مطابق دعا اور یمن و سعادت کے لیے کعبہ میں لے گئے اور پھر عرب روایت کے مطابق پیدائش کے ساتویں دن نومولود ﷺ کی رسم عقیقہ ادا کی اور اپنے عزیز و اقارب کی دعوت دی۔ اس موقع پر آپ نے نومولود کا نام ''محمد'' (ﷺ) رکھا۔ یہ نام عرب میں پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ قریش چونکہ بہت روایت پسند تھے اس لیے انہوں نے اس نام پر تعجب کا

اظہار کیا تو حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ میرا یہ فرزند دنیا بھر میں سراہا (ممدوح) جائے۔ حضرت عبدالمطلب کی یہ تمنا اللہ کی طرف سے تھی کیونکہ خود اللہ تعالی بھی آپ ﷺ کے ذکر مبارک کو بلند کرنا چاہتا تھا۔ یعنی ''ورفعنا لك ذكرك'' صلی اللہ علیہ وسلم۔ ادھر اللہ تعالی نے نبی پاک ﷺ کی والدہ محترمہ کو الہام کیا کہ اپنے صاحبزادے کا نام ''احمد'' (ﷺ) رکھیں کیونکہ اللہ تعالی کی حمد وثنا کرنا آپ ﷺ کا خاصہ تھا اور اللہ تعالی آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز کرنا چاہے گا۔

توضیحات:

اگرچہ تمام انسانوں میں صرف آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی قدر کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی حیات دنیاوی کا لمحہ لمحہ قرطاس پر منتقل کر دیا گیا ہے مگر اس کے باوجود ولادت کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ طبری و ابن خلدون 12 ربیع الاول بتاتے ہیں جبکہ کئی سیرت نگار 10 ربیع الاول خیال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں قاضی محمد سلیمان نے جو تحقیق اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں پیش کی ہے وہ قابل ستائش ہے۔ انہوں نے 9 ربیع الاول کو صحیح تاریخ ثابت کیا ہے۔

571-577ء ایام رضاعت

عرب میں عموماً اور اہل مکہ میں خصوصاً یہ رواج تھا کہ وہ اپنے نومولود بچوں کو رضاعت کے لیے بدویوں کے ہاں صحرا میں بھیج دیا کرتے تھے۔ صحرا میں رہ کر عرب بچوں میں عربوں کے امتیازی اوصاف پیدا ہو جاتے تھے۔ ان امتیازی اوصاف میں سے ایک طلاقت، یعنی صحرائی زبان جو عربی زبان کا خاصہ تھی اور عرب فصاحت اور بلاغت کا اصل منبع تھی اور عرب اپنے اس وصف پر نازاں تھے۔ یہ صحرا میں رہ کر پیدا ہوتی تھی۔ دوسری صحرائی زندگی کی خصوصیت شجاعت تھی جو صحرا کی کٹھن زندگی بسر کر کے ہی پیدا ہو سکتی تھی۔ شجاعت خود عربوں کا خاصہ تھی۔ صحرائی زندگی کے اوصاف میں ایک تیسری چیز توکل پسندی تھی۔ یہ صحرائی زندگی کا تقاضا تھا کہ انسان متوکل ہو۔ بدوی زندگی کا انحصار نخلستان پر تھا اور اس کے لیے بارش ضروری تھی اور بارش فیضان قدرت پر منحصر تھی۔ اسی وجہ سے بدوی توکل علی اللہ کے قائل تھے۔ عرب مدنی زندگی میں جذبہ مبارزت ایک قابل فخر چیز تھی۔ دوسری طرف بدویت اور مبارزت لازم وملزوم تھیں۔ صحرائی زندگی میں زندگی کی بقا کے لیے مبارز بننا ضروری تھا جس کے لیے مزید 9 اشیا ضروری اور لازمی تھیں۔ مثلاً جفاکشی اور خوداعتمادی، جرأت وشجاعت، جسمانی قوی، گھڑسواری، فنون حربیہ سے واقفیت اور جنگی چالوں سے آشنائی، فراست، صبر وشکیب، پیش اقدامی اور بہادری اور بے باکی، عزت نفس کی پاسداری، عصبیت، مہمان نوازی، سادگی وسادہ دلی، فطرت پسندی اور قلب ونظر کی وسعت انہیں اوصاف جمیع کے لیے عرب اپنے بچوں کو صحرا میں رضاعت کے لیے بھجواتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے جس قبیلے کی ایک خاتون حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو آنحضرت ﷺ کی رضاعت کے لیے منتخب کیا تھا وہ قبیلہ بنی سعد یا ہوازن تھا جو اپنی فصیح البیانی کے لیے مشہور تھا۔ 16 ربیع الاول 52 ق ن بمطابق 27 اپریل 571ء کو دایہ صاحبہؓ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ مکہ سے صحرا میں لے گئیں۔ جہاں ان کی ایک صاحبزادی حضرت شیما آپ ﷺ کی دیکھ بھال کرنے لگیں۔ آپ ﷺ پہلے دوسال کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے خاندان کے ساتھ رہے۔ 50 ق ن/573 میں جب آپ ﷺ کی یہ دوسالہ مدت رضاعت ختم ہوئی تو آپ ﷺ کو حضرت حلیمہؓ واپس مکہ لائیں مگر ان دنوں مکہ میں ایک وبا پھیلی ہوئی تھی

جس کے پیش نظر آپ ﷺ کو مزید چار سال کے لیے صحرا کی پنہائیوں میں واپس بھیج دیا گیا جو آپ ﷺ کے قلب ونظر میں وسعت اور آپ ﷺ کی شخصیت میں مزید صحرائی خصوصیات پیدا کرنے کا باعث بنا۔ ایام رضاعت میں آپ ﷺ دوسرے بچوں کے مقابلے میں کہیں پہلے گفتگو کا مفہوم سمجھنے لگے تھے اور صرف نو ماہ کی عمر شریفہ میں فصیح گفتگو کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ دس ماہ کے ہوئے تھے تو تیر اندازی کرنے لگے تھے۔

573ء، شق الصدر کا واقعہ:

روایات کے مطابق جب آپ ﷺ دوسری مرتبہ قبیلہ ہوازن میں رضاعت وتربیت کے لیے واپس صحرا لائے گئے تو چند ماہ کے بعد ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ اسے سیرت نگاروں نے واقعہ شق الصدر لکھا ہے۔ ابن ہشام کے مطابق ایک دن جب آپ ﷺ اپنے ایک رضاعی بھائی کے ساتھ صحرا میں بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے تو آپ ﷺ کا وہ رضاعی بھائی دوڑتا ہوا واپس گھر آیا اور اس نے اپنی والدہ کو خبر دی کہ میرا جو قریشی بھائی میری ساتھ تھا اسے دو اشخاص نے جو سفید لباس میں ملبوس تھے پکڑ کر لٹا دیا اور پھر اس کا پیٹ چاک کر ڈالا ہے وہ اسے شاید مارنا چاہتے ہیں؟ یہ سنتے ہی آپ ﷺ کے رضاعی والد (حضرت حلیمہؓ کے شوہر) صحرا کی طرف دوڑے اور جب آپ ﷺ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک اُترا ہوا ہے۔ جب انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ بیٹے کیا ہوا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو اشخاص میرے پاس آئے وہ سفید لباس میں ملبوس تھے۔ انہوں نے مجھے لٹا کر میرا سینہ چاک کیا اور کوئی چیز سینہ سے نکال لی جو میں نہیں جانتا کہ کیا تھی؟ بعد ازاں ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور بشارت حضرت عیسی علیہ السلام ہوں۔ بچپن میں جب میں اپنے ایک رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہا تھا تو سفید لباس میں ملبوس دو اشخاص برف سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لے کر میرے پاس آئے۔ انہوں نے میرا قلب نکالا اور اسے چاک کیا پھر اس میں سیاہ رنگ کا گوشت کا کوئی ٹکڑا نکال کر پھینک دیا۔ پھر انہوں نے میرا دل اور سینہ اس برف سے یہاں تک دھویا کہ یہ صاف اور پاکیزہ ہو گیا اور وسوسہ ہائے شیطانی کی رسائی سے بالکل محفوظ ہو گیا۔ پھر انہوں نے میرا دل واپس سینہ میں رکھ دیا۔ پھر ان کے ساتھ آنے والے ایک تیسرے آدمی نے ان دونوں کو ہٹا کر میرے سینہ کے شگاف پر ہاتھ رکھا جس سے وہ مندمل ہو گیا۔ پھر انہوں نے امت محمدیہ ﷺ کے دس افراد سے لے کر تمام امت کو نوازنے کی دعا کی۔ واقعہ شق صدر کے بعد اگرچہ آپ ﷺ ایک کم سن بچے تھے مگر آپ ﷺ کا قلب جو ایک عظیم انسان اور سید المرسلین کا منور قلب تھا کائنات پر غور کرنے لگا تھا۔ اس واقعہ کو خود روایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دعائے خلیل اور نوید مسیحا ہوں۔

حوالہ جات: پیغمبر اعظم وآخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پیغمبر صحرا از کے ایل گابا، مدارج نبوت از عبدالحق محدث دہلوی، سیرت ابن ہشام

577ء اتمام تکمیل یتیمی

ابن اسحاق کے مطابق جب آپ ﷺ چھ برس کے ہوئے تو آپ ﷺ کو حضرت سعدیہ رضی اللہ عنہا نے واپس مکہ لا کر والدہ ماجدہ کی آغوش محبت میں دے دیا۔ محبت کے راستے ہمیشہ سے پرخار اور دشوار رہے ہیں شاید اسی وجہ ان راستوں سے اہل وفا کو تن تنہا اور برہنہ پا گذرنا پڑتا ہے۔ اپنے محبوب ﷺ کے معاملہ میں بھی خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کے اور اس کے محبوب ﷺ کے درمیان زیادہ عرصہ تک ماں کی مامتا حائل رہے لہٰذا والد تو پہلے ہی سر پر نہیں رہے تھے اب صرف چھ برس کی عمر میں والدہ رضی اللہ عنہا بھی داغ مفارقت دے گئیں۔

صحرا سے واپس تشریف لائے ہی تھے کہ والدہ نے آپ ﷺ کو آپ کے والد گرامی قدر کے مزار پر حاضری دینے کے لیے اپنے ساتھ لیا اور عازم یثرب ہوئیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کا اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ پہلا اور آخری سفر تھا۔ یثرب (مدینہ منورہ) میں قیام بنو نجار میں رہا۔ حضرت آمنہؓ مرقد شوہر کی زیارت کے بعد سوگوار ہو گئیں۔ ایک ماہ قیام کے بعد واپس مکہ لوٹنا چاہتی تھیں مگر دل کو واپسی کا یارا نہ تھا۔ بہرحال واپسی کا سفر اختیار کیا ابھی صرف 23 میل دور مقام ابواء پر پہنچیں تھیں کہ پیغام اجل آ گیا۔ اپنے لخت جگر کو ان کی دایہ حضرت ام ایمنؓ کے سپرد کر کے خود 47 قبل از ہجرت / 577 عیسوی میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی در یتیم کی یتیمی کی تکمیل ہو گئی اور آپ ﷺ والدین کی محبت سے مکمل طور پر محروم ہو گئے ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو واپس مکہ لائیں اور حضرت عبدالمطلبؓ کی کفالت میں دے دیا۔ اس مختصر سفر کی جو یاد دل رسول کریم ﷺ میں ہمیشہ تازہ رہی وہ سیرت نگاروں کے نزدیک یہ تھی کہ آپ ﷺ کو ہمیشہ یاد رہا کہ آپ ﷺ کی والدہ رضی اللہ عنہا قدید (سوکھا گوشت) تناول فرماتی تھیں بھلا انہیں ہر روز تازہ گوشت کہاں سے ملتا؟

579ء شفیق دادا جان سے جدائی

حضرت عبدالمطلبؓ کو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے بڑی محبت تھی تبھی تو ان کے فدیہ میں 100 اونٹ قربان کر دیے تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اولاد کی اولاد سے بھی انسان کو بہت پیار ہوتا ہے مگر جس طرح حضرت عبداللہؓ سے پیار کا زمانہ بھی مختصر ہی تھا اسی طرح ان کے صاحبزادے سیدنا حضرت محمد ﷺ سے بھی حضرت عبدالمطلب کو والہانہ لگاؤ تھا کہ اتنا سراہے جانے والا نام ''محمد'' انہیں کی تو محبت کی نشانی ہے مگر اس پیار کی مدت بھی بڑی قلیل ثابت ہوئی۔ والدہ ماجدہ کے داغ مفارقت دینے کے بعد شفیق دادا نے اپنی آغوش شفقت وا کر دی مگر دادا کی شفقت کا یہ زمانہ بڑا مختصر رہا۔ نبی کریم ﷺ اپنے شفیق دادا کے سایہ عاطفت میں صرف دو سال رہے۔ 579ء / 44 قبل از ہجرت جب آپ ﷺ کی عمر شریفہ

صرف آٹھ سال ہوئی تو حضرت عبدالمطلبؓ نے بعمر بیاسی سال وفات پائی۔ آٹھ برس عمر کے ایک بچے کے لیے اپنے شفیق دادا سے جدائی کا یہ غم نہ صرف حزن وملال کا باعث تھا بلکہ صبر آزما اور شکیب ربا بھی تھا کہ موت نے پیغمبر واعظم وآخر ﷺ کا آخری سہارا بھی ان سے چھین لیا۔ مگر کہتے ہیں کہ اگر جوہر قابل ہو تو دکھ انسان کے قلب کو زندہ بیدار کر دیتے ہیں۔ قدرت نے اس دکھ کا مداوا یہ کیا کہ آپ ﷺ کو شفیق چچا کی آغوش تربیت میں دے دیا۔[1]

31 قبل از نبوت 579ء۔ حصار نبوت' کی حفاظت میں بچپن سے جوانی تک

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کی عمر شریفہ آٹھویں سال میں داخل ہوئی تو آپ ﷺ کے شفیق دادا حضرت عبدالمطلبؓ نے وفات پائی اور مقام حجون میں مدفون ہوئے۔ سیرت نگاروں نے لکھا کہ آپ کی وفات واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد ہوئی تھی۔ آپ چونکہ بنو ہاشم کے سب سے بلند مرتبہ سردار تھے اور آپؓ کے دورانیہ حیات میں قریش کی دوسری شاخ بنو امیہ پر بنو ہاشم کی فضیلت مسلم تھی مگر آپؓ کی وفات کے بعد جہاں پیغمبر واعظم آخر ﷺ آپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہوئے وہیں حضرت علامہ شبلی جیسے مؤرخین نے لکھا ہے کہ خود بنو ہاشم کا رتبہ امتیاز آپ کی وفات سے یک دم گھٹ گیا اور قریش کی تاریخ میں یہ پہلا دن تھا جب دنیاوی امور واقتدار میں بنو امیہ کے خاندان کو بنو ہاشم پر غلبہ حاصل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کی مسند ریاست پر بنو امیہ کا ایک عقاب' حرب بن امیہ متمکن ہوا یہ بنو امیہ کا خود امیہ سے بھی نامور سردار تھا۔ اب مناسب ریاست المکہ میں سے صرف سقایہ یعنی حجاج کرام کو پانی پلانا بنو ہاشم کے فرزند حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ یاد رہے کہ حضرت عباسؓ فرزندان حضرت عبدالمطلب میں سب سے چھوٹے تھے۔ تاہم خود بنو ہاشم میں جو شخصیت سب سے نمایاں اور افضل تھی وہ حضرت ابو طالبؓ کی ذات گرامی قدر تھی۔ اسی عظیم شخصیت نے اگلے 40 سال تک حصار نبوت بن کر شمع رسالت ﷺ کی حفاظت اور پشتیبانی کی۔ یاد رہے کہ اسی عظیم شخصیت کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کو مکہ کی سرزمین سے ہجرت کرنا پڑی تھی کہ اب مکہ کے ظالم وسنگدل سرداروں کو آپ ﷺ کی ذات گرامی قدر کو نقصان پہنچانے سے روکنے والا کوئی نہیں رہا تھا۔

اپنی وفات سے پہلے حضرت عبدالمطلب نے اپنے فرزند ابو طالب کو بلا کر فرمایا تھا کہ "اے ابو طالب میرے اس بچے کو کار عظیم درپیش ہے اس کی نگہبانی کیجئے تا کہ اسے کوئی مکروہ چیز نہ چھو سکے۔ خود حضرت عبدالمطلب آنحضور ﷺ کو جب بھی طواف کعبہ کراتے تو اپنے شانوں پر بٹھا کر جس سے پتہ چلتا تھا کہ آنحضرت بتوں کو برا جانتے ہیں تو

---

[1] پیغمبر اعظم وآخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

آپ ﷺ کو بتوں کے سامنے بھی بٹھا دیتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کی تربیت کی۔ حضرت ابو طالب کو اپنے بھائی عبداللہ سے بھی بڑی محبت تھی۔ حضرت ابو طالب کی معاشی حالت اگر چہ کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی مگر وہ آپ ﷺ سے بڑی محبت کرتے تھے اور آپ ﷺ کا اپنی اولاد سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ معاشی طور پر مستحکم نہ ہونے کی وجہ سے جب حضرت ابو طالب کے اہل خانہ تنہا کھانا کھاتے تھے تو کبھی سیر نہ ہوتے مگر اس گھر میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جب وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کھانا کھانے لگے تو پھر تمام سیر ہو جاتے اور کھانا بھی بچ رہنے لگا تھا۔ خود حضرت ابو طالب کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی دودھ پینے لگتے تو سب سے پہلے پیغمبر اول وآخر ﷺ کو دودھ پیش کرتے خود اور باقی اہل خانہ آپ ﷺ کے بعد دودھ پیتے تھے۔ مولانا جامیؒ اپنی کتاب "شواہد النبوۃ" میں لکھا ہے کہ دودھ کی مقدار اگر چہ صرف اتنی ہوتی تھی کہ صرف ایک آدمی کے لیے کافی ہو سکتا مگر جب سب کے پینے کے بعد بھی دودھ بچ رہتا تو حضرت ابو طالب فرماتے "اے بیٹے! یہ سب تیری ہی برکتیں ہیں جن سے میرا گھر اب منور ہے" "شواہد النبوۃ میں مولانا جامی لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالبؓ کے بچے سو کر اٹھتے تو ان سب کے بال بکھرے ہوئے ہوتے مگر آنحضور ﷺ بیدار ہوتے تو آپ ﷺ کے گیسوئے عنبرین بغیر کنگھی کے درست اور آراستہ ہوتے تھے اور بغیر سرمہ ڈالے آپ ﷺ کی چشم عالم بین سرگیں ہوتی تھی اور آپ ﷺ کے چہرے پر تازگی ہوتی۔[1]

582ء بحیرہ راہب سے ملاقات

مولانا جامی اور دیگر سیرت نگاروں کے نزدیک حضرت ابو طالب کے ہمراہ آپ ﷺ نے پہلا سفر تجارت بارہ سال کی عمر میں کیا تھا۔ حضرت ابو طالب تجارت کے سلسلے میں عازم فلسطین ہوئے چونکہ آنحضرت ﷺ کی تربیت کرنا وہ اپنا فرض اولین سمجھتے تھے اس لیے شفیق چچا نے اس سفر کی طوالت اور دشوار گذاری کے باوجود اپنے یتیم بھتیجے کو ساتھ لیا۔ فلسطین آپ ﷺ کے لیے ایک اجنبی ملک تھا۔ وہاں رومیوں کی حکومت تھی اور سرکاری مذہب عیسائیت۔ یہ دین اور یہ حکومت آپ ﷺ کے لیے بالکل نئے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے تجارتی راستوں پر صومع تعمیر کیے ہوئے تھے جن میں عیسائی راہب تبلیغی فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ یہ راہب مہمان نوازی اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہوتے تھے۔ بیت المقدس کے شمال میں اور دمشق کے قریب ایک چھوٹی سی تجارتی منڈی بصریٰ واقع تھی۔ یہاں

---

[1] شواہد نبوتؒ، مولانا عبدالرحمٰن جامی، سیرت ابن ہشام

آ کر اکثر تجارتی کارواں قیام کرتے تھے۔اسی مقام پر ایک صومع میں بحیرہ راہب رہتا تھا۔اسی راہب نے حضرت ابوطالب کے چھوٹے سے تجارتی کارواں کی ضیافت کی تھی۔بحیرہ راہب علم وفضل میں کمال رکھتا تھا اور حضرت عیسیٰ کی ان پیشگوئیوں سے آگاہ تھا جن میں ایک رسول کی آمد کا ذکر کیا گیا تھا۔جب بحیرہ راہب نے دیکھا کہ حضرت ابوطالب کے ساتھ جو بچہ ہے اس پر ابر سایہ فگن رہتا ہے اور شجر وحجر اس کی تعظیم میں جھک جاتے ہیں تو اس نے اس قافلے کی دعوت کی مگر آنحضرت تشریف نہ لائے بحیرا نے اصرار کر کے آپ ﷺ کو بلا بھیجا اور پھر جب آپ ﷺ تشریف لائے تو وہ آپ ﷺ کی تکریم میں احتراماً کھڑا ہو گیا۔اس نے ایک ہی نظر میں جان لیا کہ یہی وہ ذات گرامی ہے جس کا ذکر حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئیوں میں آیا ہے۔اس نے آنحضرت ﷺ کو لات وعزیٰ کی قسم دے کہ کہا اے لڑکے میں جو کچھ پوچھوں آپ سچ سچ بتایئے۔جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا اے راہب! مجھے لات وعزیٰ کی قسم مت دو کہ میرے نزدیک ان سے بڑھ کر قابل قہر وغضب کوئی اور چیز نہیں ہے اس پر بحیرہ نے آپ ﷺ کو خدائے بزرگ برتر کی قسم دی تو آپ ﷺ نے اسے سوال کرنے کی اجازت عطا فرمائی بحیرہ نے آپ ﷺ سے جو کچھ پوچھا آپ ﷺ نے کم عمری کے باوجود اس کا وافی وکافی جواب عطا فرمایا۔اس پر اس نے درخواست کی کہ اسے آپ ﷺ کے شانہ مبارک سے کپڑا اٹھا کر مہر نبوت کا مشاہدہ کرایا جائے۔جب ابوطالب کے کہنے پر آپ ﷺ نے ایسا کیا تو بحیرہ راہب نے تصدیق کی کہ آپ ﷺ ہی پیغمبر آخر الزماں ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ کو جلد از جلد واپس لے جائیں اور یہودیوں سے آپ ﷺ کی کڑی حفاظت کریں۔ایسے ہی تجارتی سفروں نے آپ ﷺ کو ایک سچا اور دیانت دار تاجر بنا دیا اور آپ ﷺ عرب کے مروجہ تجارتی نظام سے خوب واقف ہو گئے۔[1]

24ق ن 586ء۔حرب فجار میں شرکت

قدرت کو تجارت کے ساتھ ساتھ ہر شعبہ ہائے زندگی میں آپ ﷺ کی عملی تربیت کرنا مقصود تھی۔جب آپ ﷺ عمر مبارک کے سترھویں یا بیسویں سال میں پہنچے تو عرب میں حرب فجار نامی جنگ چھڑ گئی۔یہ جنگ بنو قیس اور بنو کنانہ نامی دو عرب قبیلوں میں حج کے محترم زمانے میں لڑی گئی تھی۔یاد رہے کہ ذی الحج عرب دستور کے مطابق ان مہینوں میں سے ایک تھا جن میں جنگ لڑنا ممنوع تھی۔تاہم مؤرخین کے مطابق یہ چوتھی جنگ فجار تھی۔بنو کنانہ کے اتحادی قریش تھے جبکہ بنو قیس کے طرفدار ان میں عیلان اور بنو ہوازن شامل تھے۔اپنے چچاؤں کے ناموس اور جان ومال کے تحفظ کی

[1] پیغمبر اعظم وآخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، محسن انسانیت نعیم صدیقی

خاطر اور قبائلی روایات اور خاندانی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ ﷺ اس جنگ میں شریک ہوئے۔مکہ میں بیت اللہ کی موجودگی کی وجہ سے ہمیشہ سے حجاج کرام کی آمد اہل مکہ قریش کے لیے منفعت بخش رہی ہے۔مزید یہ کہ قریش نے اپنی آمدنی وسائل بڑھانے کے لیے مختلف مقامات پر تجارتی میلے بھی منعقد کرنے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ان میلوں میں جو لوگ سامان تجارت لاتے۔انَ سے اس سامان کا دسواں حصہ بطور ٹیکس درآمد کے طور پر وصول کیا جاتا تھا جو مقامی سرداروں کو ملتا تھا۔ان تجارتی میلوں کے فروغ کے لیے حرام مہینوں کا نظام پورے عرب میں رائج تھا یعنی محرم' ذی قعدہ اور ذوالحجہ اور بعض کے نزدیک رجب المرجب میں جنگ کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ان مہینوں میں سے کسی مہینے کی حرمت برقرار نہ رہتی تو اسے ''فجار'' یعنی ناجائز فعل سمجھا جاتا تھا یا جنگ چھڑ جاتی تو اسے حرب فجار کہا جاتا تھا۔رسول اکرم ﷺ کے زمانہ بعثت سے پہلے چار مرتبہ ایسی جنگیں رونما ہو چکیں تھیں۔ان میں سے دو جنگوں میں آپ ﷺ کی شرکت کا سراغ ملتا ہے۔ایک ایسی ہی جنگ میں آپ ﷺ نے اپنی حربی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا اور عرب کے ایک مشہور نیزہ باز ابو براء ملاعب الاسنہ کو بڑی بہادری سے نیزے کا وار کر کے مار گرایا تھا اسی جنگ میں آپ ﷺ نے تیراندازی بھی فرمائی تھی۔(۱) تاہم دونوں جنگوں میں آپ ﷺ نے زیادہ تر اپنے چچاؤں کی معاونت کی تھی اور آپ ﷺ انہیں تیر اور دوسرا سامان حرب اٹھا کر دیتے رہے تھے۔

24ق ن 586ء حلف الفضول

سیرت نبوی ﷺ کے قبل از بعثت واقعات میں ایک اہم واقعہ حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس معاہدے میں آنحضور ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ابن قتیبہ کے مطابق حضرت قصی کے مکہ پر قبضے سے پہلے قبیلہ جرہم کے دور میں چند انسانیت کا درد دل میں رکھنے والے حضرات نے مظلوم انسانوں کی مدد کے لیے ایک انجمن تشکیل دی تھی۔اس انجمن کے شرکاء رضا کارانہ طور پر مکہ کے مظلوموں کی مدد کرتے اور ظالموں سے ان کا چھینا ہوا حق واپس دلاتے تھے اور ظلم کرنے سے انہیں باز رکھنے کی کوششیں کرتے تھے۔تاہم یہ انجمن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ غیر موثر ہوتی چلی گئی تھی۔چوتھی جنگ فجار پہلی تین جنگوں کے مقابلے میں زیادہ خونریز تھی جس کے اثرات کی وجہ سے اہل مکہ کی زندگی پر برے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ان اثرات کو دور کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو بنی ہاشم کے سرداروں میں سے ایک تھے۔اور انسانیت کا درد اپنے دل میں رکھتے تھے انہوں نے عمائدین شہر

[1] سیرت النبی از مولانا شبلی نعمانی، رسول اللہ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ

کو ایک ایسے معاہدے کی ضرورت کا احساس دلایا جو مظلوموں کی امداد کے لیے ہو اور ایک ایسی انجمن کی تجدید کی دعوت دی جیسی جرہمی دور میں تشکیل پائی تھی۔ مکہ کے ایک مالدار تمیمی سردار، عبداللہ بن جدعان نے جو ایک سن رسیدہ شخص تھا، اپنے ہاں عمائدین مکہ کو ایک ضیافت پر مدعو کیا۔ ضیافت کے بعد شرکاء نے ایک حلف اٹھایا جس کے بنیادی نکات یہ تھے۔ اللہ کی قسم! ہم سب مل کر ایک ہاتھ (یا بند مٹھی) بن جائیں گے اور یہ ہاتھ اس وقت تک ظالموں کے خلاف اٹھا رہے گا جب تک وہ مظلوموں سے چھینا ہوا مال واپس نہ کر دیں اور ان کا حق ان کو واپس نہ مل جائے اور یہ عہد (حلف الفضول) اس وقت تک قائم رہے گا جب تک سمندر گھونگوں کو تر کرتا رہے گا اور حرا و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم ہیں۔

اس معاہدے یا حلف الفضول کو خود رسول اکرم ﷺ انتہائی اہم معاہدہ سمجھتے تھے۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ اس معاہدہ کے لیے تحریک آپ ﷺ کے چچا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے پیش کی تھی تاہم یہ آپ ﷺ کے درد آشنا دل کی بھی آواز تھی چونکہ آپ ﷺ خود خدمت خلق کو ہی مقصد زندگی سمجھتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے بنفس نفیس اس حلف میں شرکت فرمائی۔ مؤرخین کے نزدیک یہ آپ ﷺ کی قومی زندگی (پبلک لائف) کا اولین سنگ میل تھا۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں عبداللہ بن جدعان کے ہاں حلف لینے والوں میں شریک تھا اور سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی اس اہم معاہدے میں شرکت کے اعزاز سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اگر آج زمانہ اسلام میں مجھے کوئی اس حلف کے نام پر پکارے تو میں اس مظلوم کی مدد کو دوڑ کر جاؤں گا۔"

اس حلف یا معاہدے کو "حلف الفضول" کا نام دینے کی وجہ مؤرخین نے یہ بتائی ہے کہ اس کی تجویز و تحریک پیش کرنے والے بیشتر اشخاص کے نام مادہ "فضل" سے مشتق تھے۔ یعنی اس معاہدہ میں شرکت کرنے والوں کی اکثریت کے ناموں میں فضل شامل تھا۔ مثلاً فضیل بن حرث، فضیل بن واعۃ اور مفضل ان کا تعلق بنو جرہم اور بنو قطورا سے تھا۔ تاہم امام سہیلی نے مسند حارث بن اسامہؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے مطابق اس معاہدے کا نام حلف الفضول ہونے کی وجہ اس کے شرکاء کے ناموں کی بجائے اس معاہدہ کے یہ الفاظ تھے۔ مرّ دالفضول علی اھلھا سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے آپ ﷺ کی اس معاہدے میں شرکت سے تین باتوں کا پتہ چلتا ہے (۱) آپ ﷺ کا دل عنفوان شباب میں بھی غم انسانیت سے سرشار تھا آپ ﷺ مظلوموں کی مدد و حمایت اور ان کے حقوق کی خاطر لڑنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار تھے اور (۲) آپ ﷺ مظلوم انسانوں کو استحصالی قوتوں کے پنجہ استبداد سے ہر قیمت پر چھڑانے کے لیے کوشاں تھے اور تیسرے یہ کہ آپ ﷺ معاشی مساوات کے قائل بھی تھے۔

16 ق ن 594ء حضرت خدیجہؓ کے نمائندہ تجارت

عالم شباب میں پہنچتے تک آپ ﷺ کی صداقت و دیانت ایک مسلمہ شہرت اختیار کر چکی تھی اور ایفائے عہد آپ ﷺ کا شعار تھا۔ آپ ﷺ کی یہ صفات حمیدہ کتب سیرۃ و حدیث میں جا بجا ملتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کوئی کاروباری معاملے طے کیا (بعثت سے پہلے) تھا۔ ابھی یہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ میں نے وعدہ کیا کہ میں پھر آؤں گا۔ اتفاق یہ ہوا کہ مجھے تین دن تک اپنا یہ وعدہ یاد نہ رہا۔ پھر جب میں تین دن بعد مقام وعدہ پر پہنچا تو دیکھا کہ آپ ﷺ میرے منتظر اسی مقام پر موجود ہیں۔ مجھے دیکھا تو فرمایا "کہ تو نے مجھے زحمت دی، میں گذشتہ تین دن سے اسی جگہ موجود تمہارا انتظار کر رہا ہوں" مگر آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر بل تک نہ آیا۔

کاروبار میں آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی، بلند حوصلگی اور استغنا کا شہرہ بالآخر مکہ کی ایک امیر بیوہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہونچا۔ وہ مکہ کی ایک معروف و متمول تاجرہ تھیں اور اپنا سامان تجارت اپنے نمائندوں کے ذریعے درآمد و برآمد کرتی تھیں۔ یہ قریشی معزز خاتون صفات حسنہ سے متصف تھیں اور ان کی قسمت میں اوّلین مومنہ وام المومنین بننا لکھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا مکہ کے معاشرے میں "طاہرہ" کے لقب سے معروف تھیں۔ کہتے ہیں کہ مکہ کا کارواں تجارت جب بیرون ملک جاتا تو اکیلے صرف ان کا اسباب تجارت مکہ کے باقی تاجروں کے اسباب تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ ان دنوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسے فعال شریک کاروبار کی ضرورت تھی جو خود اپنا سرمایہ تجارت نہ رکھتا ہو جبکہ مکہ کے "تاجر الامین ﷺ" کو ایک ایسے شریک کاروبار کی ضرورت تھی جو سرمایہ کاری کر سکے۔ قدرت نے ان دو مثالی انسانوں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنانے کا سبب پیدا کر دیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوطالب کے ذریعے کاروبار کرنے کی پیش کش آنحضرت ﷺ کو پیش کی جسے آپ ﷺ نے اپنے چچا کے مشورے پر قبول فرمایا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فعال شریک تجارت بن گئے۔

حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا بڑی دور اندیش تھیں اور کاروباری معاملات کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ انہوں نے بہت سا اسباب تجارت آپ ﷺ کے سپرد کیا اور اپنا ایک معتمد و زیرک غلام، میسرہ بھی آپ ﷺ کی رفاقت و خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعض عزیز بھی اس کارواں تجارت میں شامل تھے۔ یہ کارواں تجارت آنحضور ﷺ کی سرکردگی میں عازم شام (بصری) ہوا۔ یہ تجارتی سفر انتہائی کامیاب رہا اور معمول سے زیادہ نفع مند ثابت ہوا۔ چنانچہ اس کامیابی کی خوشی میں سیدہ رضی اللہ عنہا نے شکرگزاری کے طور پر اپنے وعدے سے زیادہ حصہ حضور ﷺ کی

خدمت میں پیش کیا۔ان تجارتی سفروں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی دیانت وامانت سے بہت زیادہ متاثر ہوئیں اور آپ ﷺ کی صلاحیتوں کے اعتراف میں سیدہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو کچھ تحائف بھی پیش کیے۔یوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آپ ﷺ کی شخصیت کے جوہر اور مکارم اخلاق کھلتے چلے گئے ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حسن صورت، حسن خلق، عصمت وعفت اور پاکیزگی اور تجارتی فراست کی وجہ سے رؤسائے مکہ میں سے بہت سے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے خواہش مند تھے اور کئی ایک نے پیغام نکاح بھی بھیجا تھا مگر سیدہ رضی اللہ عنہا کی قسمت میں سید العالمین ﷺ کی زوجیت میں آنا لکھا جاچکا تھا، اس لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سب رؤسائے مکہ کے پیغامات نکاح سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی نظر بینا سے حضور ﷺ کی شخصیت میں حسب خلق اور حسن خلق دونوں اوصاف مجتمع پائے تو ان کی عقل ودل ونگاہ نے اپنے شریک حیات کے طور پر آپ ﷺ کا انتخاب کیا' بعدازاں تاریخ نے ثابت کردیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بالغ نظری سے جو فیصلہ کیا تھا وہ کتنا صحیح تھا۔

ازدواجی زندگی کا آغاز

15 قبل از نبوت ستمبر 595ء/ ۲۷ قبل ازہجرت.......

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

روایت ہے کہ نکاح کی سلسلہ جنبانی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہوئی تھی۔آپ ﷺ نے اپنے سرپرست چچا حضرت ابوطالب کے مشورے سے یہ رشتہ قبول فرمایا۔آپ ﷺ کا یہ فیصلہ بھی آپ ﷺ کی دانائی و مستقبل اور فراست و حکمت کا آئینہ دار ہے۔بوقت نکاح آپ ﷺ پچیس برس کے عفت مآب مرد تھے اور وجاہت' جلالت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس برس کی تھیں اور آپؓ کے پہلے دو نکاح ہوچکے تھے اور حسن صورت وسیرت کے باوصف دوبار متاہل زندگی گذار چکی تھیں۔نکاح کی تقریب مسنونہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رہائش گاہ پر منعقد ہوئی جس میں دونوں خاندانوں کے اکابرین' حضور ﷺ کی طرف سے حضرت ابوطالب' حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کی چچی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد چونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد حرب فجار سے پہلے انتقال فرماگئے تھے اس لیے ان کی طرف سے عمرو بن اسد نے سرپرست کی حیثیت سے شرکت کی' چچا کے علاوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بھی اس تقریب سعید میں شریک ہوئے' حضرت ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم حق مہر مقرر ہوا۔حضرت ابوطالب نے عرب کے رواج کے مطابق خطبہ نکاح میں خاندان بنوہاشم اور خود دولہا کی ستائش کی اور کہا ''آپ ﷺ کے کردار کا مقابلہ مکہ کا کوئی دوسرا نوجوان نہیں کرسکتا' اگرچہ آپ ﷺ مالدار نہیں ہیں مگر دولت تو آنے جانے والی چیز ہے۔آپ ﷺ کے پاس تو پائیدار دولت یعنی حسن کردار' امانت ودیانت موجود ہے۔شب عروسی کے بعد آپ ﷺ نے ضیافت ولیمہ بھی دی' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اصرار پر آپ ﷺ ان کی رہائش گاہ میں تشریف لے آئے جہاں نہ صرف ایک محبت کرنے والی بیوی بلکہ زندگی کی پرمسرت اور آرام آسائش آپ ﷺ کے منتظر تھے۔بعض روایات میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر 28 سال بھی بیان کی گئی ہے۔

پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی ہر حیثیت سے مثالی تھی۔ ایک طرف آپ ﷺ اگر مثالی شوہر ثابت ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ایک مثالی بیوی تھیں اور انہوں نے آپ ﷺ کو محبت، دولت اور اولاد دی اور اپنے سگھڑ پن سے گھر کو طمانیت و مسرت کا گہوارہ بنادیا۔ اپنے اور بیگانے سبھی اس جوڑے کی ازدواجی زندگی کو قابل رشک سمجھتے تھے اور تعریف کرتے تھے۔ اس نکاح سے آپ ﷺ کے ہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چھ اولادیں ہوئیں جن میں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں شامل تھیں۔ سیرت نگاروں نے ترتیب زمانی یہ دی ہے، حضرت قاسمؓ حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہؓ ان کا لقب طیب اور طاہر تھا کیونکہ یہ صاحبزادے بعد از نبوت کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ دونوں صاحبزادے صغرسنی میں انتقال کر گئے صاحبزادے حضرت قاسمؓ کے نام پر آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ام المومنین کی حیثیت سے ایک اور بڑی فضیلت یہ ہے کہ باوجود عرب میں کثرت ازدواج کا رواج تھا مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضور ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔

سیرت نبوی ﷺ کے اہم سنگ میلوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ایک اہم ترین سنگ میل ہے۔ یہ بعثت نبوی ﷺ سے 15 سال پہلے وقوع پذیر ہوا تھا۔ تحریک اسلام کے آغاز سے پہلے یہ ضروری تھا کہ بحیثیت انسان آپ ﷺ ایک مطمئن ازدواجی زندگی گذار رہے ہوں اور معاشی احتیاجات سے بھی مستغنی ہوں تاکہ یکسوئی سے تحریک اسلام کو آگے بڑھا سکیں سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر دعوت گھر سے شروع ہوتی ہے اس لیے دعوت اسلام بھی آنحضرت ﷺ نے گھر سے شروع کی تھی سب سے پہلا انسان جو آپ ﷺ پر ایمان لایا وہ کوئی اور نہیں بلکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہی سب سے پہلے آپ ﷺ کی تائید حمایت کی تھی اور غار حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کے بعد جب آپ ﷺ پریشان ہو کر گھر لوٹے تھے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے جن الفاظ میں آپ ﷺ کی تشفی کی تھی وہ الفاظ بھی مثالی ہیں اور کتب تاریخ سیرۃ و حدیث میں مندرج ہیں۔ ''آپ ﷺ ہرگز خوف زدہ نہ ہوں، اللہ کی قسم! وہ آپ ﷺ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو صلہ رحمی سے متصف ہیں، سچ بولتے ہیں، غریبوں اور یتیموں کے ماوی و ملجی ہیں۔ مسکینوں کی خبر گیری کرتے ہیں اور مہمان نوازی آپ ﷺ کا شیوہ ہے، آفات و حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں، بھلا ایسے انسان کو کس بات کا خوف لاحق ہوسکتا ہے؟''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک اچھی بیوی کی حیثیت سے آپ ﷺ کے مشاغل سے کبھی تعرض نہ کیا اور نہ کبھی کسی قسم کا شکوہ آپ رضی اللہ عنہا کی نوک زباں پر آیا جبکہ ازدواجی زندگی ایسے اعتراضات اور شکووں اور شکایتوں سے بھرپور ہوتی ہے۔ آپ ﷺ دن کو رفاہی کام سرانجام دیتے اور رات یاد الٰہی میں بسر کرتے اور مسائل زندگی پر غور و فکر کرتے۔ آپ ﷺ کو مال و دولت، نام و نمود، آرام راحت اور لہو و لعب سے قطعی کوئی رغبت نہیں تھی۔ آپ ﷺ ان تمام چیزوں سے اسی قدر مستغنی تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حیران رہ جاتی تھیں۔ اسی طرح جب آپ ﷺ مشن نبوت پر گامزن ہوئے اور اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے قلب مبارک میں شمع نبوت روشن کردی تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔

12 قبل از نبوت 598ء/25 ق ھ ولادت ووفات

حضرت قاسمؓ ابن رسول ﷺ

اولاد واجاد:

شادی کے تین سال بعد آپ ﷺ کے ہاں سیدہ خدیجہ ؓ کے بطن سے ایک فرزند کی پیدائش ہوئی جس کا نام حضرت قاسم ؓ رکھا گیا۔اس عطائے ربانی سے آپ ﷺ کو بڑی مسرت ہوئی۔ اسی فرزند کی نسبت سے آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی جسے آپ ﷺ خود بھی پسند فرماتے تھے۔حضرت قاسم ؓ عمر شریف کی دوسری بہار میں پہنچے اور آپ نے پاؤں پر چلنا سیکھا ہی تھا کہ آپ ؓ کا انتقال ہوگیا۔اس کے کچھ عرصہ کے بعد آپ ﷺ کے دوسرے فرزند عبداللہ ؓ جو بڑے صاحبزادے سے چھوٹے تھے کم سنی ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔اس طرح مکہ کے لوگوں کی نظر میں آپ ﷺ اولاد نرینہ سے محروم ہوگئے۔

عرب میں جہاں بہت سے اوصاف حمیدہ پائے جاتے تھے وہاں بہت سی برائیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ان میں سے ایک یہ تھی کہ طعن وتشنیع دینے کا رواج بھی عام تھا۔جب آپ ﷺ نے بعثتِ مبارکہ کے بعد تحریکِ اسلام کا آغاز کیا تو آپ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ کو اولاد نرینہ سے محرومی کا طعنہ دیتے ہوئے طنزاً ''ابتر'' کہنا شروع کردیا تھا یعنی ایسا شخص جو مقطوع النسل ہو اور دنیا میں اس کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے اس کا علم تو خدائے بزرگ وبرتر ہی کو تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اولاد نرینہ عطا کرکے جلد یہ امانت واپس لے لی تھی تاہم سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس میں سہ گونہ حکمت الٰہی مضمر تھی۔اولاً یہ کہ اسلام انسان کو یہ بتانے کے لیے ہی بھیجا گیا تھا کہ عزوشرف کا معیار دولت اولاد نرینہ نہیں بلکہ تقوٰی ہے۔دوسرے یہ کہ انسان کی قوت کا سرچشمہ ایمان وحسن خلق سے معمور زندگی ہے۔تیسرے یہ کہ آپ ﷺ پر خدا نے نبوت کا سلسلہ اختتام کو پہنچادیا تھا اور آپ ﷺ خاتم الانبیاء ﷺ تھے یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی یا پیغمبر نہیں آنا تھا اس لیے قدرت کو یہ گوارہ نہ تھا کہ سیدالمرسلین ﷺ کے فرزندان نبوت کی فضیلت سے محروم رہیں۔لہٰذا اللہ

تعالی نے دونوں ابنائِ رسول ﷺ کو کم سنی ہی میں اپنے پاس بلالیا تھا بلکہ تیسرے صاحبزادے بھی جو بعد از نبوت پیدا ہوئے اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔لیکن قرآن کریم کے مطابق اس کے بدلے میں آپ ﷺ کو الکوثر عطا فرمایا گیا۔سوۃ الکوثر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے"انا اعطیناک الکوثر"(اے پیغمبر) ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا۔پس تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھتے رہو اور قربانی کرتے رہو،حقیقت یہ ہے کہ تمہارا دشمن ہی"ابتر"ہے۔القرآن۔

صاحبزادیاں:

صاحبزادوں کے علاوہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ ﷺ کے ہاں چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں تھیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل ہے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا 600ء/23 ق ھ میں پیدا ہوئیں۔یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔ان کا نکاح مکہ معظمہ ہی میں 614ء میں خالہ کے بیٹے ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ابوالعاصؓ نے 7ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔2ھ میں ابوالعاص کفار مکہ کی طرف سے لڑتے ہوئے گرفتار ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں اس شرط پر رہا کردیا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح شریعت اسلامی مطابق 8ھ/6 میں دوبارہ ابوالعاصؓ سے ہی ہوا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دوبارہ شوہر کے گھر بھیج دیا تھا۔8ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اور 12 ہجری میں حضرت ابوالعاصؓ کا انتقال ہوا تھا۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا 603/20 ق ھ میں پیدا ہوئیں۔سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی سابقون الاوّلون میں سے تھیں۔ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا مگر ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔اس پر مشتعل ہوکر ابولہب نے دوسرے مشرکین مکہ کے معاشرتی دباؤ کی وجہ سے اپنے بیٹے عتبہ کو مجبور کردیا کہ رخصتی سے پہلے ہی طلاق دے دے۔حضرت عثمانؓ نے تحریک اسلام میں شمولیت کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا آپ رضی اللہ عنہا حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ بھی تشریف لے گئی تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال 2ھ میں ہوا تھا۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا 604/تقریباً 9/ق ھ میں پیدا ہوئیں۔آپ رضی اللہ عنہا بھی سابقون الاولون میں سے تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے بعثت رسولؐ سے پہلے ہوا تھا پھر اعلان نبوت ﷺ کے بعد ابولہب نے اپنے اس بیٹے کو بھی اس صاحبزادی رسول ﷺ کو طلاق دینے پر مجبور کردیا تھا۔2ھ میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد 3ھ میں آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا تھا۔اسی بناء پر حضرت عثمانؓ کو"ذوالنورین"کا لقب ملا

تھا۔سیدہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عثمانؓ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال شادی کے صرف چھ برس بعد 9ھ میں ہوا۔

سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا 605ء/8/ق ھ میں پیدا ہوئیں اور آپ رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی اور عزیز ترین صاحبزادی تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کے القاب،زہرا،بتول،ذاکیہ،راضیہ اور مرضیہ ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔سیدہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت امام حسنؓ ،امام حسینؓ ،سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر ملال کے چھ ماہ بعد صرف انتیس یا تیس برس کی عمر میں ہوا تھا۔3 رمضان المبارک 11ھ آپ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات ہے۔

زید بن حارثہؓ،متبنی رسول ﷺ

حباشہ کے میلے میں ایک نوعمر لڑکا زید بن حارثہ فروخت ہونے کے لیے لایا گیا۔اسے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی رضی اللہ عنہا کی نذر کردیا۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسے آنحضرت ﷺ کی خدمت کے لیے مختص کردیا۔کچھ عرصے بعد حضرت زید کا باپ حارثہ اسے تلاش کرتے کرتے مکہ پہنچا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ ایک ہمسائے قبیلہ نے جنگ کے دوران میرے بیٹے کو گرفتار کرکے فروخت کردیا تھا اب آپ ﷺ چاہیں تو اس کا فدیہ لے کر اسے آزاد فرمادیں رسول اللہ ﷺ نے زید سے پوچھا یہ کون ہیں؟ زید نے کہا یہ میرے والد ہیں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم ان کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں آزاد کرتا ہوں مگر زید نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ہاں مالک کی طرح رہنے کی بجائے آپ ﷺ کے ہاں ایک غلام کی حیثیت سے رہنا پسند کروں گا۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیت اللہ میں اعلان کیا کہ میں زید کو آزاد کرتا ہوں اور اسے اپنا متبنی بناتا ہوں۔

ق ن 5/605ء/8/ق ھ کعبہ کی تعمیر نو

زمانہ قدیم سے کعبہ شریف کے بیرونی پردوں کو عود و بخور سے دھونی دی جاتی تھی۔ایک دن جب یہ دھونی دی جارہی تھی تو ہوا کی شدت سے چنگاریوں نے بھڑک کر پردوں میں آگ لگادی۔اس آتشزدگی سے کعبہ کی عمارت کمزور پڑگئی۔پھر کچھ دنوں بعد جب موسلادھار بارش ہوئی تو یہ عمارت بیٹھ گئی۔قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کرنے کا فیصلہ کیا۔اس تعمیر کے اخراجات کے لیے صرف اکل حلال سے چندہ کیا گیا۔سود خوروں اور قحبہ خانوں کے مالکوں سے رقم قبول نہ کی گئی۔

اس زمانے میں مؤرخین کے مطابق کعبہ کی چھت نہ تھی اور اس کا طول و عرض نو نو بالشت اور ارتفاع چھ فٹ

تھا۔اس تعمیر نو کے لیے لکڑی وغیرہ ایک رومی جہاز سے حاصل کی گئی جو جدہ (شعیبہ) کے قریب طوفان کی زد میں آ کر خشکی پر چڑھ آیا تھا اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔بعض روایات کے مطابق یہ بحری جہاز مصر سے حبشہ جا رہا تھا اور اس جہاز پر ایک گرجے کی تعمیر کے لیے تعمیراتی سامان لدا ہوا تھا۔اہل مکہ نے یہ تعمیراتی سامان بشمول جہاز کی لکڑی کے تختوں سمیت خرید لیا تاکہ کعبہ کی چھت کی تعمیر کی جائے۔تعمیر کے آغاز میں کعبہ کی پرانی عمارت کا ملبہ صاف کر کے قدیم بنیادوں کو برآمد کیا گیا اور انہیں بنیادوں پر دوبارہ کعبہ کی تعمیر کی گئی۔قبائل شہر کے خانوادوں یعنی بنی عبدالنان، بنی زہرہ، بنی مخزوم، بنی تمیم، بنی سہم و بنی حمح، بنی عبدالدار بنی اسد اور بنی عدی نے تعمیر کے کام کو بانٹ لیا اور ہر دیوار کی تعمیر معین گھرانوں کے سپرد کر دی گئی۔آنحضرت ﷺ نے بھی بنفس نفیس اس تعمیر حصہ لیا اور اپنے کندھوں پر پتھر ڈھوتے رہے جس سے آپ ﷺ کے شانے زخمی ہو گئے۔چار دیواری تقریباً چند فٹ بلند ہوئی تو ایک دشواری پیش آ گئی۔کعبے کے دروازہ کے مغرب کی دیوار کے زاویے میں حجر اسود کو نصب کیا جانا تھا۔اس اعزاز کے حصول کے لیے قبیلوں میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی اور قریب تھا کہ خون خرابہ شروع ہو جائے کہ ایک ضعیف العمر شخص ابوامیہ حذیفہ بن مغیرہ نے اس رقابت اور جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے مشورہ دیا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اسے حکم بناؤ۔اتفاق سے یہ آنحضرت ﷺ ہی تھے جو کام کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔آپ ﷺ کو دیکھ کر حرم میں موجود سب لوگ پکار اٹھے: یہ تو امین ہیں، ہم جانتے ہیں ہم سب ان کے فیصلے کو قبول کریں گے۔چنانچہ آپ ﷺ کو حکم کی حیثیت سے اس معاملے سے آگاہ کیا گیا۔آپ ﷺ نے یہ سب معاملہ جاننے کے بعد ایک چادر بچھائی اور حجر اسود کو اس چادر پر رکھ دیا پھر اس چادر کے کونوں کو قبائل کے نمائندوں کو پکڑوا کر حکم دیا کہ اس کو جائے تنصیب کے قریب لے جائیں۔پھر چادر سے اٹھا کر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔اس طرح سب کے متفقہ وکیل کی حیثیت سے آپ ﷺ نے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا دیا اور قبائل میں رقابت کی آگ نہ بھڑکنے دی اور اہل مکہ خانہ جنگی کی ہلاکت آفرینوں سے بچ گئے۔سیرت نبوی ﷺ کے اس اہم ترین واقعہ سے آپ ﷺ کے قبل از اعلانِ نبوت زندگی کے دو پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ آپ ﷺ نہ صرف عادل بلکہ احسان پیشہ بھی تھے اور آپ ﷺ کی ذات میں خودغرضی کا شائبہ تک نہیں تھا۔دوسرے یہ کہ آپ ﷺ امانت داری اور دیانت داری کی صفت سے اس درجہ متصف تھے اور انہیں یقین کی حد تک آپ ﷺ کی قوت فیصلہ پر اعتماد تھا۔

تعمیر کعبہ کے واقعہ کا ایک اور پہلو آپ ﷺ کی شرم و حیا کو اجاگر کرتا ہے۔جہاں دوسرے اہل مکہ تعمیر کعبہ کے لیے عمارتی سامان (اینٹیں، پتھر وغیرہ) ڈھوتے وقت اپنے تہبند (زیریں لباس) کو اتار کر کندھے پر رکھ لیتے تاکہ کندھوں کو گزند نہ پہنچے مگر خود برہنہ ہو جاتے وہیں آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا اور آپ ﷺ کے کندھوں پر خراشیں آئیں یہ دیکھ کر آپ ﷺ کے چچا عباسؓ نے آپ ﷺ کو تہبند کندھوں پر رکھنے کا مشورہ دیا۔آپ ﷺ نے ان کے حکم کی تعمیل کی مگر ایسا کرتے ہی آپ ﷺ کو احساس عریانی سے اس قدر حیا آئی اور ندامت محسوس ہوئی کہ آپ ﷺ تیورا کر گر پڑے اور آپ ﷺ نے تہبند فوراً باندھ لیا اس طرح سیرت نبوی ﷺ کا یہ اہم واقعہ جہاں آپ کی لیاقت اور قابلیت کو بیان کرتا ہے وہیں یہ آپ ﷺ کی فطری حیا و طہارت اور عفت و معصومیت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ﷺ

حوالہ جات

شواہد نبوت از مولانا جامی

رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان

ابن ہشام سیرت النبی ﷺ (اردو ترجمہ)

پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

ابن سعد الطبقات

ابن الجوزی: الوفا باحوال المصطفی

اسیرۃ النبویہ

الروض الانف امام السہیلی

انساب الاشراف: البلاذری

مدارج النبوۃ: حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

الذھبی: سیر اعلام النبلا

تاریخ یعقوبی: یعقوبی

المسعودی: المروج الذہب

ابن سید الناس: عیون الاثر

محمد حمید اللہ: رسول اکرم کی سیاسی زندگی

علامہ شبلی: سیرۃ النبی ﷺ

محمد ﷺ مقالہ از اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی

1- MUHAMMAD AND MUHAMMADANISM)
BY SMITH R.BOWSWORTH

2- MUHAMMAD AT MECCA
BY MONTGOMERWATT

3- THE PROPHET OF ISLAM AS THE IDEAL HUSBAND
BY SY ABUZAFFAR ZAIN

4- THE MESSENGER,THE LIFE MUHAMMAD
BY BODLYR.R.VC/TI

5- ON HEROES AND HEROWORSHIP
BY CARLYL THOMAS

6- HISTORY OF THE ARABS
BY HITT P.K

7- ENCYCLOPEDIA OF THE SEERAH،AFZULLARRAHMAN,LONDON

605-10ء/ 5 قبل از اعلانِ نبوت۔ 17ق ھ سفر بجانب اعلانِ نبوت

غار حرا میں اعتکاف:

اہل مکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے اور باوجود بت پرست ہونے کے وہ ربوبیت پر بھی ایمان رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ بت تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور بس (۱) چنانچہ اسی فلسفے کے تحت عربوں نے بیت اللہ میں سینکڑوں بت جمع کر دیے تھے مگر اس کے ساتھ ہی بعض حلیم الطبع لوگوں میں اس فلسفہ کے خلاف تنفر بھی پیدا ہو گیا تھا اور ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل، ابوسفیان الاموی، قس بن ساعدہ، عبداللہ بن جحش اور عثمان بن الحویرث جیسے فطرت سلیمہ کے مالک لوگوں نے بت پرستی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ (۲)

یہ اعزاز بھی خاندان نبوت کو ہی جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں عبادت کے لیے گوشہ نشین (معتکف) ہونے کا رواج بھی حضور ﷺ کے دادا محترم، جناب عبدالمطلب نے شروع کیا تھا۔ آپ رمضان میں مہینہ بھر غار حرا میں گوشہ نشین ہو جاتے تھے۔ اس کی تقلید مکہ کے کچھ اور لوگوں نے بھی جن میں زید بن عمرو بن نفیل نمایاں ہے۔ اپنے دادا محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے بھی غار حرا میں گوشہ نشین ہونے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ آپ ﷺ بھی اکثر رمضان کے مہینے میں غار حرا میں معتکف ہوتے تھے۔ غار حرا مکہ مکرمہ کے مشرق میں کعبۃ اللہ سے کوئی تین میل دور جبل النور کی چوٹی پر واقع ہے۔ جب حجاج مکہ سے منیٰ کو جاتے ہیں تو یہ پہاڑ ان کے بائیں ہاتھ پر نظر آتا ہے۔ غار حرا کا رخ قدرتاً کعبہ ہی کی سمت میں ہے۔ یہ غار متعدد چٹانوں کے ایک دوسرے پر پڑنے سے بنا ہے، عمر شریفہ کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات میں ایک یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ آپ ﷺ کا مزاج گرامی خلوت پسند ہو گیا۔

---

۱ 39:الزمر:3القرآن

۲ مقالہ ''محمدؐ'' دائرہ معارف اسلامیہ

بخاری شریف میں ہے کہ ''و کان یحبب الیہ الخلاء'' یعنی آپ ﷺ خلوت کی جستجو میں رہتے تھے۔ اسی جستجو میں آپ ﷺ کے قدم شریف غار حرا میں جا پہنچے۔ یہ غار آپ ﷺ کو اس کے دشوار گذار راستے اس میں کامل تنہائی میسر آنے اور عبادت میں یکسوئی حاصل ہونے کی وجہ سے پسند آیا۔

عشق ایک ناقابل تسخیر قوت کا نام ہے۔ جن پیغمبران کرام کا عشق رنگ لایا ان میں اولین نوحؑ ہیں کہ یہ ان کا عشق (عشق نوحؑ) تھا جو سیل بے پناہ بن کر زمین کی ہر شے کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ دوسری مرتبہ ابراہیم علیہ السلام کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور آتش نمرود کو گلزار بناتا چلا گیا اور اس نے شرک و بت پرستی کا ہر نقش مٹا دیا۔ پھر جب یہ عشق موسیٰ بنا تو بحیرہ قلزم کا سینہ چیر کر فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرقاب کر گیا۔ عشق کی مسیحائی نے حلم و رافت سے لوگوں کے دل مسخر کر دیے۔ یہی عشق ازل جب عشق محمد (ﷺ) بنا تو تمام نوع انسانی کے لیے ہی نہیں بلکہ کل عالمین کے لیے رحمت بن گیا۔ عشق محمد ﷺ کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ رنگ جمال وجلال سے مزین تھا۔ آپ ﷺ کا جمال اہل حسن، سرور کے لیے تھا اور جلال اہل کفر و شرک کے لیے مگر یہ بھی یاد رہے کہ آپ ﷺ کا جلال بھی جلال رحمت عالم تھا اور اس لیے نوع انسانی کے لیے یہ بھی رحمت کا پیغام تھا چاہے وہ کافر و مشرک کیوں نہ ہوں چونکہ آپ ﷺ کا عشق، عشق انسانی بھی تھا اور عشق الٰہی بھی جس پر یہ دو آتشہ بن گیا تھا۔ عشق ہمیشہ سے خلوت گزین اور صحرا پسند ہوتا ہے۔ یہی عشق آپ ﷺ کو گھر سے کوہستان صحرا کے غار تک لے گیا اور جب اس کی بے تابیاں بڑھیں تو اسے پختہ و محکم کرتی چلی گئیں اور آپ ﷺ کو ''دوست'' کا ہمزبان و ہمنوا اور آشنا و شناسا بناتی چلی گئیں۔ غار حرا حسن الٰہ اور عشق پرستار کے نور و سرور سے حسن المآب ﷺ بن گیا۔ آپ ﷺ سوزِ عشق میں گداز ہوتے چلے گئے پھر جب حسن نظر بنے تو عشق کے امتحان اور حسن کی بے حجابی کا وقت آ گیا۔ یوں آپ ﷺ کو ذہنی اور دلی طور پر بار نبوت ﷺ اٹھانے کے لیے تیار کیا گیا۔ اس موقع پر بار دگر شق صدر کا ذکر بھی ملتا ہے اور یہ بھی کہ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ کو رؤیائے صادقہ کے ذریعے بشارتیں دی جاتی تھیں۔ مستقبل کے واقعات سے آگاہ کیا جاتا تھا اور بہت سے مخفی حقائق میں آپ ﷺ کی راہنمائی کی جاتی تھی۔ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ رات کو جو بھی خواب دیکھتے، بیدار ہونے کے بعد صبح کی روشنی کی طرح اس کی صاف و شفاف تعبیر ظاہر ہو جاتی تھی۔ علاوہ ازیں غیبی آوازیں بکثرت سنائی دینے لگیں۔ مزید براں درخت اور پتھر آپ ﷺ کو بلند آواز میں سلام کرنے لگے۔ اس کے علاوہ بے شمار نشانیاں دیکھنے میں آتی رہیں۔

غار حرا میں آپ ﷺ کا قیام ہفتے عشرے تک کا ہوتا اور جب تک جسم کی بقا کا سامان، ستو، کھجوریں اور پانی

وغیرہ ختم نہ ہوتا آپ ﷺ غار حرا میں قیام کرتے۔ یہ سلسلہ کئی سال جاری رہا۔ یہاں تک کہ رب رحیم نے آپ ﷺ کو عبدیت کے اس بلند ترین مقام محمود پر پہنچا دیا' جسے مقام نبوت ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۱)

---

۱ محسنِ انسانیت، نعیم صدیقی، پیغمبر اعظم و آخر، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، الرحیق المختوم، صفی الرحمٰن، سیرت ابن ہشام، رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان

14 اگست 610ء/سنہ 1 نبوت/12 ق ھ

مژدۂ نبوت یا بعثت مبارکہ

عالمگیر و ابدی نبوت کا بار اتنا گراں تھا کہ خود قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ اگر اسے کوہ گراں پر نازل کیا جاتا تو وہ بھی اس کا متحمل نہ ہو سکتا(۱) لیکن آپ ﷺ کا دل یہ بار برداشت کرنے کا متحمل تھا کہ اس میں تمام مخلوقات کا درد محبت پنہاں تھا یا قرآن مجید کی زبان میں اسے رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔

روایات کے مطابق جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک قمری اعتبار سے 40 سال کی ہوئی تو روح الامین' حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ اس وقت غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں سیرت نگاروں اور محدثین کرام کے مطابق دیبا و حریر کے جزدان میں لپٹی ہوئی ایک کتاب تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا اقـــراء (پڑھ) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں پڑھنے والا نہیں ہوں"۔ تیسری بار اقراء کہنے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو زور سے بھینچا پھر چھوڑ کر کہا "اقراء" آنحضرت ﷺ نے پھر وہی جواب عطا کیا۔ اس پر اس ناموس اکبر علیہ السلام نے دوبارہ بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا "اقراء" آنحضرت ﷺ نے پھر وہی جواب عطا فرمایا جس پر اس نے تیسری بار اس زور سے بھینچا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا اثر اپنے جسم مبارک میں محسوس کیا۔ بعد ازاں اس نے پھر کہا "اقرا باسم ربك الذی خلق o خلق الانسان من علق۔" "یعنی پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جو خالق ہے' جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے' پڑھئے کہ آپ کا رب نہایت بزرگ' کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے

---

۱ الحشر 59:21 القرآن

سے تعلیم دی اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ جب تکمیل ہوگئی تو وہ چلے گئے اور یہ عبارت آنحضرت ﷺ کے ذہن میں نقش ہوگئی۔ سیرت نگاروں کے مطابق جن میں ابن ہشام ابن سعد اور البلاذری شامل ہیں اس کے ساتھ ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ بھی سکھایا۔ اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ سخت گھبراہٹ کے عالم میں گھر واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا ''مجھے کمبل اڑھاؤ' جب کچھ طبیعت سنبھلی تو آپ ﷺ نے سارا ماجرا سیدہ کو کہہ سنایا۔

روض الانف میں حضرت علامہ نے اس واقعہ کی مختلف روایتوں پر بحث و تمحیص کے بعد یہ خلاصہ نکالا ہے کہ اولاً بشارت نبوت خواب میں بوقت شب ہوئی اور پھر حالت بیداری میں نزول قرآن کا آغاز ہوا' ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اپنی کتاب ''پیغمبر اعظم و آخر'' میں بحوالہ علامہ قسطلانی اور علامہ ابن البر بشارت نبوت کی تاریخ دوشنبہ 12 ربیع الاول/12 رق ھ دی ہے جبکہ ان کے نزدیک نزول قرآن کا واقعہ نبوت کے پہلے برس یعنی 18 رمضان المبارک 12 قبل از ہجرت بمطابق 14 اگست 610 کو رونما ہوا تھا۔ ان دونوں واقعات کا درمیانی زمانہ چھ ماہ تھا جو آپ ﷺ کی قلبی تربیت اور نشوو ارتقا کا زمانہ تھا۔ علامہ ابن قیم نے 17 رمضان المبارک کو نزول قرآن کے آغاز کا دن قرار دیا ہے۔ شرح الزرقانی میں لکھا ہے کہ ربیع الاول سے رمضان المبارک تک صرف رویائے صالحہ (سچے خوابوں) کے ذریعے بشارات نبوت دی جاتی رہیں تھیں۔ جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ کی طبیعت ذرا سنبھلی تھی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی بڑے تاریخی الفاظ میں دی تھی۔ ''بخدا! اللہ آپ ﷺ کو رسوا (یا ضائع) نہیں کرے گا کیونکہ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرنے والے' صداقت شعار اور راستباز' دوسروں کا بار اٹھانے والے' غریبوں اور محتاجوں کے ماوا و ملجی اور مہمان نواز ہیں۔ دراصل آپ ﷺ کی رفیقہ حیات کی یہ گواہی آپ ﷺ کے حسن کردار کی عظمت کی امین تھی۔

610ء ورقہ بن نوفل کے پاس:

چونکہ بعثت نبوی ﷺ کا واقعہ غیر معمولی نوعیت کا تھا' اس کا ردعمل خود آنحضرت ﷺ کی ذات بالا صفات پر انتہائی شدید تھا۔ آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی بہت متاثر ہوئیں اور ان کو اس واقعہ کی اصل نوعیت معلوم کرنے کا تجسس ہوا تو وہ آپ ﷺ کو اپنے ایک چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو علم و فضل اور صدق و صفا میں معروف تھے اور ایک متجر عیسائی عالم تھے' جب انہوں نے آپ ﷺ کی زبان سے غار حرا میں پیش آنے والا واقعہ سنا تو ان کی زبان صدق سے بے ساختہ نکلا ''یہ تو وہی ناموس اکبر جو حضرت موسیٰ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا' کاش میں نوجوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب قوم آپ ﷺ کو ہجرت کرنے پر مجبور کردے گی اس پر

آپ ﷺ نے حیرت سے پوچھا کیا قوم مجھے جلاوطن کردے گی۔ ورقہ بن نوفل نے جواب دیا کہ اس راستے میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ ایک اور موقع پر ورقہ بن نوفل نے کہا'' کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی نبی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی' اگر میں اس وقت تک زندہ رہتا تو بالضرور آپ ﷺ کی مدد کرتا۔

فترت وحی کا زمانہ:

اس کے بعد وحی میں تین سال تک فترت (یا کچھ عرصہ تک) یعنی وقفہ پڑ گیا۔ آپ ﷺ کو مستقبل میں ایک حسین معاشرہ انسانی کی جو جھلک نظر آئی تھی وہ دفعتاً غائب ہوگئی۔ انقطاع وحی کا ایک ایک لمحہ آپ ﷺ کے دل پر قیامت ڈھاتا رہا۔ شاید یہ آپ ﷺ کے پیغمبرانہ انتظار و شکیب کا امتحان تھا۔ صحیح بخاری میں بیان کردہ احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سلسلہ وحی کے منقطع ہو جانے سے بے حد غمگین اور رنجیدہ خاطر ہوئے' اتنے غمگین کہ کئی مرتبہ آپ ﷺ صبح کو اس ارادے سے پہاڑ پر چڑھتے کہ اپنے آپ ﷺ کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرلیں۔ مگر جب آپ ﷺ اس ارادے سے کسی پہاڑ پر چڑھتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور فرماتے ''محمد! بلاشبہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

آخر انتظار وحی کا یہ اضطراب انگیز زمانہ ختم ہوا اور وحی کی آمد دوبارہ شروع ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی انقلاب انگیز تحریک شروع کرنے کی ساعت صفر ZERO HOUR بھی آن پہنچی۔

610ء۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ کا آغاز اور سابقون الاولون:

سنہ 1 نبوت آنحضرت ﷺ کو جب نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسلام کی انقلاب انگیز تحریک کہ جسے مستقبل میں عالمگیر و ہمہ گیر بننا تھا' کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ اس میں تین بصیرت افروز نکات پنہاں تھے۔ ایک یہ کہ گھر معاشرہ کی بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا سب سے پہلے اسی بنیادی اکائی کی اصلاح ضروری تھی۔ دوسرا یہ کہ بیوی اپنے شوہر کی خوبیوں اور خامیوں سے سب سے زیادہ واقف ہوتی ہے لہٰذا اس کا اپنے شوہر کو سچا سمجھ کر اس پر ایمان لانا حق و صداقت کی آرزو رکھنے والوں کے لیے حجت و دلیل کا کام دے سکتا تھا۔ تیسرا حکیمانہ نکتہ یہ مضمر تھا کہ اس قسم کی تحریک کی کامیابی کا راز عوامی رابطہ میں پنہاں ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ تحریک کو عوامی بنایا جائے اس کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ اسے پہلے گھر گھر پھیلایا جائے' اور پھر اسے عوام کی طاقت کے ساتھ بستی بستی قریہ قریہ پہنچایا جائے۔ گھر کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے ان لوگوں کو تبلیغ کی جو کہ آپ ﷺ کے ساتھ ذاتی روابط اور تعلقات رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو اپنے ان قریبی رفقا کی طرف سے مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس طرح خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے

اسلام قبول کیا۔ اسی طرح غلاموں میں آپ ﷺ کے جاں نثار خادم حضرت زید بن حارثہ ؓ‘ آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ‘ چھوٹی عمر کے لڑکوں میں آپ ﷺ کے عم زاد حضرت علی ؓ نے پہلے پہل اسلام قبول کیا۔ خیثمہ ؓ وغیرہ نے حضرت علی ؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ”ابوبکر ؓ مجھ سے اسلام میں سبقت لے گئے“۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں کے مطابق حضرت علی ؓ کی عمر 8 برس کی تھی تاہم آپ ﷺ کے خادم اور متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ ؓ کا اسلام حضرت علی ؓ کے بعد تھا۔ نبوت کے پہلے سال ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی تبلیغی کوششوں سے حضرت عثمان ؓ بن عفان‘ زبیر ؓ بن عوام، حضرت بلال ؓ بن رباح، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ اور حضرت طلحہ ؓ بن عبیداللہ وغیرہ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت بلال ؓ بنو جمح کے ایک مشرک قبیلے کے غلام تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا۔ اسی طرح عامر بن فہیرہ ؓ بھی حضرت ابوبکر ؓ کے آزاد کردہ غلام بھی اسی سال اسلام لائے۔۔ اسی سال حضرت ابوذر غفاری ؓ جن کا اسم گرامی جندب ؓ بن جنادہ تھا مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یاد رہے اسلام میں ان کا درجہ پانچواں یا چھٹا تھا۔ ان سے چند دن پہلے ان کے بڑے بھائی حضرت انیس ؓ بن جنادہ مسلمان ہوئے تھے۔ یہ دونوں بھائی اسلام قبول کر کے اپنے قبیلے بنوغفار میں واپس چلے گئے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ غزوہ خندق سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوذر غفاری ؓ مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے اور وصال نبوی ﷺ تک وہیں قیام پذیر رہے۔ نبوت کے پہلے سال اسلام لانے والے سابقون الاولون حضرت عمار بن یاسر ؓ کا گھرانہ بھی شامل تھا۔ اسی سال صہیب ؓ بن سنان رومی‘ حضرت خباب ؓ بن ارت تمیمی‘ حضرت مصعب ؓ بن عمیر القرشی‘ حضرت عثمان ؓ بن مظعون اور ان کے دو بھائی بھی اسلام لائے۔ یہ حضرت ابوبکر ؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ اسی سال معروف صحابی ارقم ؓ بن ابی الارقم بھی اسلام لائے۔

ابتداء میں تبلیغ سینہ بہ سینہ اور محدود حلقہ احباب میں ہوتی رہی۔ پھر سنہ 4 نبوت میں وانذر عشیرتک الاقربین (26/الشعراء214) یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے والی آیت نازل ہوئی جو سماجی اور نفسیاتی نقطہ نظر سے ناگزیر تھی۔ بہرحال خفیہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ متفقہ طور پر 3 سال تک جاری رہا۔

خواتین اور اسلام:

اسلام ایک عالمگیر انسانی تحریک کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس میں خواتین کی شرکت بھی ناگزیر تھی۔ خواتین کے بغیر اسلامی معاشرہ کی تشکیل بھلا کیسے ممکن تھی؟ معاشرے کی اکائی گھر ہے اور گھر کی تشکیل خواتین کرتی ہیں۔ تحریک اسلام کو خواتین میں پھیلانے کی سعی کی گئی تو اس کے نتیجے میں ام الفضل ؓ‘ (آپ ﷺ کی چچی‘ زوجہ حضرت

عباس ؓ) ان کا نام لبابہ تھا‘ اسماء ؓ بنت عمیس‘ اسماء ؓ بنت ابوبکر صدیق ؓ اور فاطمہ ؓ بنت خطاب ایمان لائیں۔ بعض سیرت نگاروں کے نزدیک حضرت خدیجہ ؓ کے بعد اسلام لانے والی پہلی خاتون ام الفضل ؓ تھیں تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ شرف اوّلیت حضرت فاطمہ ؓ بنت خطاب کو حاصل ہوا تھا۔ اسی سال خواتین میں اسلام لانے والی آنحضرت ﷺ کی دایہ محترم حضرت ام ایمن ؓ بھی شامل تھیں ان کا اصل نام برکہ تھا اور وہ حضرت اسامہ ؓ بن زید کی والدہ ہیں۔

ابتدائی نمازیں:

نبوت کے پہلے سال جب حضرت جبرائیل ؑ غار حرا میں قرآن کریم کی پانچ آیات لائے اور پھر غار حرا سے نکلے تو ایک جگہ پاؤں سے ایڑی لگائی تو وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ حضرت جبرائیل ؑ نے اس پانی سے وضو کیا اور آپ ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے خود وضو کر کے دوگانہ نماز ادا کیا جس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی تقلید فرمائی۔ ابتداء میں آپ ﷺ کو صرف دو نمازوں کی ادائیگی کا حکم ہوا تھا‘ دوگانہ فجر اور دوگانہ عصر‘ شب معراج تک یہ حکم برقرار رہا۔ شب معراج 12 نبوت میں پنجگانہ نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت خدیجہ ؓ کو سلام ربی:

آفتاب رسالت ﷺ پر حضرت خدیجہ ؓ کی خدمت گزاری کا صلہ رب العالمین کی طرف سے اعلان نبوت کے پہلے ہی سال میں یہ عطا ہوا کہ ان کے نام اللہ تعالیٰ کا سلام لے کر جبرائیل ؑ غار حرا میں آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گذارش کی کہ ”سلام ربی“ کے ساتھ ساتھ ان کا سلام بھی حضرت خدیجہ ؓ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب آنحضرت ﷺ نے رب العالمین اور فرشتوں کے امام کا سلام سیدہ ؓ کی خدمت میں پہنچایا تو سیدہ نے اس کا جواب عطا فرمایا وہ قابل تحسین ہے۔ اللہ السلام ومنہ السلام وعلیک السلام وعلی جبریل السلام و علی کل من اسمع السلام الا الشیطان۔ اللہ پاک تو خود ہی سلامتی والے ہیں سلامتی انہیں کی جانب سے ملتی ہے۔ اے نبی ﷺ آپ پر سلام‘ جبریل ؑ پر سلام اور ہر اس شخص پر جو اس واقعہ کو سنے مگر شیطان پر نہیں۔

612ء/سنہ 2 نبوت/11ق ھ حضرت عثمان ؓ اور سیدہ رقیہ ؓ کا نکاح

سنہ 2 نبوی ﷺ کا اہم ترین واقعہ حضرت عثمان ؓ اور صاحبزادی رسول ﷺ سیدہ رقیہ ؓ کا نکاح ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ سنہ نبوت کے آغاز ہی میں ابولہب کے اصرار پر اس کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے آنحضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں سیدہ رقیہ ؓ اور سیدہ ام کلثوم ؓ کو طلاق دے دی تھی اور ابھی دونوں صاحبزادیوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عثمان ؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضور ﷺ نے اپنی بڑی صاحبزادی سیدہ رقیہ ؓ کا نکاح کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عثمان ؓ کی عمہ (چچی) محترمہ سعدی بنت کریز نے جو صحابیہ تھیں ایک قصیدہ تہنیت کہا جسے سیرت نگاروں نے صفحہ قرطاس کی زینت بنایا ہے۔

هدى الله عثمان الصفى بقوله فارشده الله يهدى الى الحق

فتابع بالرى اسلديد محمداً وكان ابن اروى لابعدمن الصدق

ترجمہ: ۔ برگزیدہ عثمان ؓ کو اللہ تعالی نے اپنے حکم سے ہدایت دی اور حق کی طرف راہنمائی فرمائی، اور اللہ ہی ہدایت دیتا ہے۔

انہوں نے صحیح رائے کے تحت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی، یوں بھی اروی کا بیٹا سچائی سے منہ موڑنے والا نہیں تھا۔

اس قصیدے کو ابوسعید نے ''شرف النبوۃ'' میں اور محب طبری نے ''الریاض النفرۃ'' میں رقم کیا ہے۔ محب طبری نے اسی ''الریاض النضرۃ'' میں لکھا ہے کہ اروی حضرت عثمان ؓ کی والدہ کا نام تھا۔ حضرت عثمان ؓ اور سیدہ رقیہ ؓ دونوں میاں بیوی مؤرخین کے مطابق حسن و جمال کے پیکر تھے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ

احسن زوجین رای انسان رقیہ وزوجہا عثمان

سب سے خوبصورت جوڑا جو کسی انسان نے دیکھا حضرت رقیہؓ اور ان کے شوہر عثمان ؓ کا ہے۔

5 نبوت میں سیدہ رقیہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان ؓ کو اولین مہاجر فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

اسی سال حضرت عبداللہ ؓ بن عمر ؓ بن خطاب پیدا ہوئے۔ ان کی عمر غزوہ احد کے موقع پر 14 سال تھی۔ اسی صغرسنی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انہیں غزوہ احد میں شرکت کی اجازت عطا نہیں فرمائی تھی۔ اس سال کے دیگر واقعات میں کچھ مؤرخین نے آنحضرت ﷺ کے چچا محترم حضرت حمزہ ؓ کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے۔ حافظ نے الاصابہ سے میں اس قول کا ذکر کیا ہے۔ تاہم مشہور یہ ہے کہ آپ 6 نبوت/615ء میں اسلام لائے تھے۔ اس لیے آپ ؓ کے اسلام لانے کا ذکر 615ء کے واقعات میں کیا جائے گا۔

حضرت حمزہ ؓ کا قبول اسلام؟:

کہتے ہیں اس سال یا 6 نبوت میں اسلام لانے پر مشرکین مکہ بشمول ابوجہل نے حضرت حمزہ ؓ کو پرانے دین سے منحرف ہونے پر شرم دلائی تھی اور ان سے اور تمام سابقون الاولون سے مطالبہ کیا تھا کہ (نعوذ باللہ) وہ آنحضرت ﷺ کو کفار کے حوالے کر دیں تا کہ وہ آپ ﷺ کو اذیت دے سکیں۔ اس پر حضرت حمزہ ؓ نے چند اشعار کہے تھے:

''میں اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اسلام جیسے دین حنیف کی ہدایات بخشیں۔''

وہ پاک دین جو عزیز و خبیر اور باریک بین پروردگار کی طرف سے آیا ہے

جب اس پروردگار کے پیغام ہمارے سامنے پڑھے جاتے ہیں تو ہر دانشمند انسان اور باوقار آدمی کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

احمد مصطفے ﷺ ہمارے لیے واجب الاطاعت ہیں آپ کی شان میں ناشائستہ الفاظ مت کہو خدائے واحد کی قسم! ہم آپ ﷺ کو اس قوم کے سپرد نہیں کریں گے جن کے خلاف ہم نے تلواروں سے ابھی تک فیصلہ کن جنگ نہیں لڑی۔

613/3 نبوت/9 قبل از ہجرۃ اعلانیہ دعوت اسلام کا آغاز

آپ ﷺ تحریک اسلام بحکم ربی تین سال تک خفیہ طور پر چلاتے رہے۔ ان تین سالوں میں اس تحریک کا مرکز دارالارقم تھا جو شہر سے کچھ فاصلے پر کوہ صفا پر واقع تھا۔ شہر سے اسی دوری کی وجہ سے یہ ایسی خفیہ سرگرمیوں کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ یہاں اللہ تعالی کی اس انقلاب پسند جماعت کے ارکان جو تعداد میں چالیس کے قریب تھے یہاں اپنا اجلاس منعقد کرتے جس میں وہ اپنی اپنی سرگرمیوں کی روئیداد سناتے دشمنوں کے عزم اور پروپیگنڈے کو غیر موثر بنانے کے لیے تجاویز پیش کرتے اور قائد تحریک ﷺ اسلام سے آئندہ لائحہ عمل کی ہدایات لی جاتیں تھیں۔ نماز کا وقت ہو جاتا تو دارالارقم میں نماز با جماعت ادا کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ اور تحریک کو زیر زمین اس وقت تک چلاتے رہے جب تک رب الرحیم کی جانب سے اس تحریک کو اعلانیہ چلانے کا حکم نہ آ گیا۔ پہلے ''وانذر عشیرتك الاقربین'' و(ا) الی آیت اتری جو حکم ربی تھا کہ اپنے قریب کے رشتے داروں کو (قدرت کے قانون مکافات عمل سے) آگاہ کرو۔

ا 20الشعرا:214

دعوت بنی ہاشم:

مندرجہ بالا آیت میں دیے گئے حکم ربانی کی تعمیل میں آپ ﷺ نے اپنے خاندان، بنو ہاشم کے افراد کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ قریباً 40 افراد جمع ہوئے ضیافت کے بعد ابولہب کی طنز و تمسخر کی وجہ سے محفل کا رنگ کچھ ایسا ہو گیا کہ حکمت نبوی ﷺ نے اس رنگ محفل میں دعوت اسلام دینا خلاف مصلحت سمجھا۔ دوسری شب پھر بنو ہاشم کے لوگوں کو دعوت طعام پر مدعو کیا گیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو آپ ﷺ ان سے یوں مخاطب ہوئے:

"حاضرین! میں آپ سب کے لیے وہ چیز لایا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے لیے بھلائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ پورے عرب میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے (احسن وافضل) کوئی چیز لایا ہو مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سب کو اس کی دعوت دوں اور اللہ کا پیغام کھول کر تمہیں سناؤں، بتاؤ، یہ بارگراں اٹھانے میں کون میری مدد کرے گا؟ اور کون میرا ساتھ دے گا؟"

آپ ﷺ کے یہ الفاظ سن کر محفل سکتے میں آ گئی اور کسی شخص نے آپ ﷺ کے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ آخر اس سکوت کو بنو ہاشم کے سب سے کم عمر فرد، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توڑا اگرچہ وہ ابھی کم سن تھے مگر جرأت و ہمت میں کسی سے کم نہ تھے۔ وہ اٹھے اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ مجھے آشوب چشم ہے، اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں سب سے کم سن ہوں، پھر بھی میں آپ کا ساتھ دوں گا"۔

دین نو کی دعوت دینے والے کے پاس نہ تو حکومت، قوت، دولت، منصب و مرتبہ تھا، نہ ہی وہ کسی قبیلے کا سردار تھا۔ نہ ہی اس کی اولاد نرینہ تھی اور نہ ہی اس کے خاندان، قبیلے میں سے اس کا کوئی معاون و مددگار تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے خاندان کے اکابرین میں سے کسی نے اس کی تائید وحمایت نہیں کی تھی۔ لہٰذا جب اس محفل کے ایک کم سن لڑکے نے اٹھ کر آپ ﷺ کی تائید وحمایت کرنے کا اعلان کیا تو اکابر محفل اس لڑکے کی باتوں پر ہنسنے لگے اور بھری محفل میں خود آپ ﷺ کی ذات گرامی کو بھی طنز و استہزا کے تیروں سے نشانہ بنایا گیا۔ خود اپنے ہی خاندان کے اکابرین نے آپ کی جن الفاظ میں مذمت کی اگر آپ ﷺ کا دل مہبط وحی اور خود شناس اور خدا آگاہ نہ ہوتا تو کبھی ان چبھتے ہوئے الفاظ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید قریبی عزیزوں کا ایسا سلوک دیکھ دیکھ کر ہی عربوں میں یہ مقولہ "الاقارب کالعقارب"، یعنی قریبی رشتے دار بچھو کی طرح ہوتے ہیں مشہور ہوا ہے۔ اقربا کو دعوت اسلام دینے کی بظاہر یہ کوشش ناکام رہی تھی لیکن ایسی ہی ناکامیاں کامیابیوں کے راستے کھولتی ہیں اور ایسی انقلابی تحریکوں کے لوازمات میں شامل ہوتی ہیں مگر ان ناکامیوں سے ہی

شوق تیز تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس ناکامی کے بعد بھی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقائے خاص (صحابہ کرامؓ) اپنی انقلابی سرگرمیوں میں بدستور مشغول رہے۔ جس کے بعد ایک دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو اعلانیہ دعوت اسلام دینے کا حکم ملا کہ جو آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے اسے "واشگاف الفاظ میں کہہ دو اور مشرکوں کی کوئی پرواہ نہ کرو"، یہ حکم اس آیت قرآنی میں دیا گیا۔ "فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین (15 الحجر: 94) یعنی آپ ﷺ کو جو حکم دیا جاتا ہے وہ برملا بیان کر دیجیے اور مشرکوں سے کنارہ کش رہیے۔"

اس حکم ربی کی تعمیل میں آپ ﷺ کوہ صفا کے اوپر تشریف لے گئے اور قریش کے قبیلوں کا نام لے کر بلانے لگے۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کی دوسری جانب سے ایک لشکر جرار تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری اس بات کو سچ مانو گے؟ سب نے تصدیق کی اور کہا "نعم ماجربنا علیک الا صدقا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں نذیر یعنی تمہیں متنبہ کرنے والا ہوں۔ کہ تمہارے آگے سخت عذاب موجود ہے۔ یہ سن کر ابولہب نے بدزبانی کی اور کہا کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔ اس پر یہ مجمع منتشر ہو گیا۔ ادھر ابولہب کی اس بدزبانی کا جواب قرآن مجید میں (111 ابی لہب) میں دیا گیا۔

آپ ﷺ ان عارضی ناکامیوں سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ اس اعلان عام کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ طریقہ تبلیغ اختیار کیا کہ جہاں بھی کچھ لوگ نظر آتے آپ ﷺ ان کو مخاطب کر کے کچھ آیات قرآنی تلاوت فرماتے اور ہر طرح سے انہیں دعوت اسلام دیتے تھے۔ ایک دن پھر آپ ﷺ نے اپنے کنبے کے افراد کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔ "اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنے آپ کو النار (آگ) سے بچاؤ۔" خاص افراد کا نام لے کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری کفایت نہیں کر سکتا البتہ تمہیں آگاہ کرنے کا حق قرابت داری ادا کر سکتا ہوں۔ آپ ﷺ کی یہ دعوت بڑی بصیرت افروز تھی۔ قریش میں شفاعت کا عقیدہ ان کے دین کی اساس بن چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اس عقیدے کی بنیاد پر ضرب کاری لگائی اور اس کی جگہ قدرت کے قانون مکافات عمل کو پیش کیا اور ان پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ اگرچہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں مگر آپ ﷺ بھی انہیں مکافات عمل کے قانون سے نہیں بچا سکتے۔

آپ ﷺ کی اس تبلیغی کوششوں کے بعد ہر نیا مسلمان اپنی جگہ ایک مبلغ بن کر ابھرا اور اس نے اپنے حلقے میں تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ خواتین و حضرات دونوں اس کام میں جوش و خروش کے ساتھ شریک تھے۔

ابتلا وایذا رسانی

3 نبوت میں جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی اشاعت عام ہونے لگی اور لوگ خصوصاً نوجوانان مکہ اسلام لانے لگے تو ان کے بڑوں کو شدید دکھ پہنچا کہ ہماری اجازت کے بغیر اور مرضی کے خلاف یہ کیوں پرانے قومی دین سے برگشتہ ہونے لگے ہیں ان بڑوں نے اپنے نوعمر عزیزوں کو طرح طرح سے ایذائیں دینا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا' بیڑیاں پہنا کر محبوس کر دیا۔ بلا چھت کے کمروں میں قید کر دیا۔ حضرت بلال حبشی ؓ جیسے پروانوں کو تپتی ہوئی ریت پر برہنے گھسیٹا۔ مگر یہ تمام اذیتیں بے اثر رہیں۔ ان لوگوں میں اکثر آزاد مرد وخواتین اور لونڈی غلام شامل تھے۔ اسی طرح موالی' یعنی غیر قبیلوں کے عرب بھی تھے' جو اہل مکہ میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی معاہدے کے ذریعے حلیف بن گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عمار ؓ بن یاسر کا خاندان بھی شامل تھا جس نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنا رکھی تھی جو اسلام کی اولین مسجد کہلاتی ہے۔ اس خاندان یعنی آل یاسر ؓ کو خاص طور پر ظلم وزیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ حضرت یاسر پر اتنا تشدد کیا گیا کہ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت سمیہ ؓ کو ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ وہ اسلام کے اولین شہیدوں میں سے ایک تھیں۔ مکہ کے باہر سے آنے والے سیاحوں اور زائرین میں سے بھی کچھ لوگ مسلمان ہوئے۔ ان میں سے بعض مسیحی بھی تھے۔

مہر ووفا کو امتحانوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے کیونکہ جور وجفا سے بغیر وہ معتبر نہیں بنتی۔ جس شخص نے بھی اسلام قبول کیا اور اس وادی عشق میں قدم رکھا اسے پرخار راہوں سے برہنہ پا گذرنا پڑا۔ حضرت خباب بن الارت تمیمی ؓ' زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے تھے یہ سابقون اولون میں سے ساتویں یا آٹھویں مسلمان تھے۔ ان پر بڑے بڑے مظالم توڑے گئے مگر ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ ایک روز ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر چت لٹا کر ان کے سینے پر ایک آدمی کھڑا کر دیا گیا تا کہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں' اس عاشق کے صبر کی انتہا تھی کہ کوئلے بھی بجھ کر ٹھنڈے پڑ گئے۔

حضرت بلال ؓ حبشی جو موذن اول تھے' امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ وہ ظالم ان کی مشکیں کس کر گرم ریت پر لٹا دیتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا اور اسلام چھوڑنے کی تلقین کرتا مگر اس پروانہ رسالت کی زبان سے "احد" "احد" ہی نکلتا۔ ایک دن تنگ آ کر امیہ نے ان کے گلے میں رسی ڈال کر شہر کے بچوں کے حوالے کر دیا جو انہیں شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھسیٹتے پھرتے رہے۔ مشرکین مکہ ان کا مذاق اڑاتے مگر وہ اپنی زبان سے صرف "احد" کا نعرہ لگاتے تھے۔ مکہ میں طبقہ غلاماں پر جور وجفا کی انتہا کر دی گئی۔ ایسے میں حضرت ابوبکر ؓ جو اہل صدق وصفا بھی تھے اور صاحب دل اور اہل درد بھی انہوں نے طبقہ غلاماں کے کئی افراد کو مشرکین مکہ کے مظالم سے رہائی دلائی اور اس مقصد کے لیے بھاری معاوضہ ادا کیا۔ حضرت بلال ؓ' حضرت عامر بن فہیرہ ؓ' حضرت زنیرہ ؓ' حضرت نہدیہ ؓ' ام عبیس ؓ' وغیرہ

کو آپ ؓ ہی نے آزاد کروایا تھا۔ تاہم صرف غلام طبقہ ہی نہیں بلکہ آزاد مسلمان بھی قریش کے مظالم کا تختہ مشق بنے تھے۔ ان میں حضرت عثمان ؓ اور حضرت زبیر بن عوام ؓ بھی شامل تھے جو اپنے چچاؤں کے مظالم کا نشانہ بنے تھے۔

614ء / سنہ 4 نبوت / 8 ق ھ راہ حق کا شہید اول

کوہ صفا پر دعوت عام کے آغاز کے بعد آپ ﷺ نے دعوت عام کو بیت اللہ سے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ حرم کعبہ اگرچہ خدا کا گھر تھا۔ مگر ان دنوں ایک بت خانہ بنا ہوا تھا۔ بیت اللہ کے متولی جو قریشی تھے آل اللہ کہلانے میں فخر کرتے تھے۔ قریش کی معاشی خوشحالی' سیاسی قوت اور سیادت اور عزوشرف بھی بیت اللہ کے مرہون تھے۔ بیت اللہ اس وقت تک ان کے لیے وسیلہ دولت رہ سکتا تھا جب تک اس میں بت پرستی جاری تھی اور دور دراز سے آنے والے زائرین کعبہ میں رکھے گئے بتوں کے چڑھاوے چڑھاتے اور نذرانے پیش کرتے تھے۔ اس لیے متولیان کعبہ بھلا بت پرستی کے سوا کوئی اور بات کیسے سن سکتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جب آپؐ نے تن تنہا حرم کعبہ میں لا الہ الا اللہ کا نعرہ توحید بلند کیا تو کعبے کے متولیوں اور پجاریوں میں تہلکہ مچ گیا۔ وہ بھلا اس کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے ہر طرف سے ایک غلغلہ بلند ہوا اور وہ زخمی درندوں کی طرح آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے۔ اس حملے کی خبر جب ایک فدائی رسول ﷺ حضرت حارث بن ابی ہالہ ؓ کو ملی تو وہ دوڑتے ہوئے صحن کعبہ میں آئے اور آپ ﷺ کو بچانے کے لیے پجاریوں کے سامنے دیوار بن گئے۔ غصے میں بھرے ہوئے پجاریوں نے اپنی تلواروں سے اس پاکباز شخص کا خون صحن کعبہ میں بہا دیا اور وہ حرم جہاں خون بہانا ممنوع تھا آج ایک مقتل گاہ بن گیا اور اسلام کے شہید اول کے خون سے رنگین ہو گیا۔ اس خون ناحق کا مقصد اگرچہ یہ تھا کہ مبلغین اسلام جان کے خوف سے اب کلمہ توحید بلند کرنے کی جرأت نہ کریں گے مگر کفر وشرک کے اندھیرے میں بھٹکنے والے ان ظالموں کو خبر نہیں تھی کہ چراغ عشق کو فروزاں رکھنے والوں کو اپنی جانوں کا خوف نہیں ہوتا پھر فلسفہ اسلام تو سبق ہی یہ دیتا ہے کہ شہید کو اس کے لہو کے بدلے میں حیات ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے مشرکین مکہ کی ان کوششوں کے باوجود تحریک اسلام کے قائد اول ﷺ اور دیگر مبلغین بے خوف مکہ کی گلیوں' کوچوں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے اور لوگوں کو مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ آپ ﷺ کسی عوامی رابطے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ کوئی اجتماع ہو یا میلہ آپ ﷺ وہاں پہنچ کر لوگوں سے انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح ہی ملتے اور اسلام کا پیغام ان تک پہنچا دیتے تھے۔ ایک طرف تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقائے خاص کی انقلابی سرگرمیاں تیز تر ہوتی چلی گئیں دوسری طرف مشرکین مکہ کے مظالم اور اندیشے بڑھتے چلے گئے۔ اسی وجہ سے سنہ 4 نبوت ﷺ میں مشرکین مکہ کا ایک وفد' حصار نبوت ﷺ جناب ابوطالب کے پاس آیا اور اس وفد نے حضرت ابوطالب کو کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے

دین کو باطل کہتا اور ہمارے دین پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ ہمارے لوگوں کو ہمارے معبودوں کی پرستش سے منع کرتا ہے' اس سے کہیے کہ وہ ان اقدامات سے باز آجائے اور ہمارے دین کی تائید کرے۔ اگر وہ آپ کی بات نہ مانے تو آپ اس کی تائید وحمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ یہ سن کر حضرت ابوطالب نے مشرکین مکہ کے اس وفد کو جواب دیا کہ میں نہ تو اپنے بھتیجے کو ان کوششوں سے باز رکھ سکتا ہوں اور نہ ہی اس کی حمایت سے دست کش ہوسکتا ہوں۔'' حضرت ابوطالب کا یہ جواب سنا تو مشرکین مکہ اپنا سامنہ لے کر واپس لوٹ گئے۔

سنہ 4 نبوت ﷺ کے دیگر اہم واقعات میں حضرت ورقہ بن نوفل ؓ کا انتقال شامل ہے۔ بعض مؤرخین ان کا انتقال سنہ 3 نبوت کا واقعہ مانتے ہیں۔ بہر حال صحیح قول کے مطابق وہ مسلمان کی حیثیت سے فوت ہوئے اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ لاولد فوت ہوئے۔

اسی سال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ بنت ابوبکر ؓ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ کاتب وحی حضرت زید ؓ بن ثابت بن الاضحاک کی ولادت بعض مؤرخین کے نزدیک سنہ 3 نبوت میں ہوئی تھی۔ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ گیارہ برس کے تھے۔ غزوہ بدر میں کم سنی کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔[1]

اپریل 615ء/سنہ 5 نبوت/7 ق ھ ہجرت حبشہ

تحریک اسلام جب پانچویں سال میں پہنچی تو مشرکین مکہ کی مخالفت اور مظالم بھی عروج پر پہنچ چکے تھے۔ ادھر ایمان کا نشہ جور و جفا سے بڑھتا چلا گیا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقائے خاص عوامی رابطے قائم کیے ہوئے تھے تاہم قریش کی تشدد پسندانہ حکمت عملی کے باوجود آپ ﷺ عدم تشدد پر ایمان رکھتے تھے اور تشدد کا جواب عدم تشدد سے دیتے تھے۔ تحریک اسلام سے قریش کے طبقہ امراء کو جتنی نفرت اور بغض تھا اتنا ہی طبقہ غلاماں اور مفلوک الحال لوگوں کے لیے اس میں کشش اور جاذبیت تھی اور وہ بتدریج اس تحریک میں شمولیت اختیار کررہے تھے۔ تاہم اس کڑی حقیقت کو قریش کی سیاسی بصیرت کسی طور برداشت نہیں کرسکتی تھی اسی لیے وہ حیلے بہانوں اور تشدد سے اس تحریک کے شرکاء کے حوصلہ پست کرنا چاہتے تھے۔ کفار مکہ گوناگوں سیاسی اور قبائلی مصلحتوں کی وجہ سے مسلمانوں پر تلوار نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن عرصہ حیات تنگ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ ظلم جب حد سے بڑھا تو مشیت ایزدی کے ایما پر بصیرت نبوت نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو قریش کے مظالم سے بچانے کے لیے مکہ سے ہجرت کی اجازت دی جائے۔ سیرت ابن ہشام میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ درج ہیں۔ ''اگر تم سرزمین حبشہ کو نکل جاؤ تو بہتر ہے کہ وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا

1 پیغمبر اعظم و آخر، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، الرحیق المختوم، صفی الرحمن، سیرت ابن ہشام

جاتا اور وہ سرزمین صدق ہے' یہاں تک کہ جس تنگی حیات میں تم (گرفتار) ہو اس میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے فراخی پیدا کردے۔''

آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے بعد مسلمانوں نے بڑی رازداری سے ہجرت کی تیاریاں کیں اور شعیبہ (موجودہ جدہ) پہنچ کر دو تجارتی جہازوں کے ذریعے حبشہ روانہ ہوگئے۔ قریش کو جب اس معاملے کی خبر ہوئی تو وہ تعاقب میں نکلے' لیکن جب وہ بندرگاہ پر پہنچے تو اس وقت تک بحری جہاز کھلے سمندر میں پہنچ چکے تھے۔

مؤرخین نے اولین مہاجرین حبشہ کی تعداد گیارہ مرد چار خواتین بتائی ہے۔ ان میں حضرت عثمان ؓ بن عفان' آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ ؓ بنت رسول ﷺ (3) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ (4) حضرت مصعب بن عمیر ؓ (5) حضرت ابوحذیفہ ؓ بن عتبہ (6) ان کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل ؓ (7) حضرت زبیر بن عوام ؓ (8) حضرت عثمان ؓ بن مظعون جمحی (9) حضرت ابوسلمہ ؓ بن عبدالاسد مخزومی (10) ان کی زوجہ حضرت ام سلمہ ؓ بنت ابی امیہ (11) حضرت عامر بن ربیعہ ؓ (12) ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلی بنت ابی حشمہ ؓ (13) حضرت ابوسبرۃ بن ابی اہم یا حضرت ابوحاطب ؓ بن عمر (14) حضرت سہیل ؓ بن بیضا اور (15) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ۔

قریش کی سیاسی بصیرت انہیں اس بات سے خوفزدہ کررہی تھی کہ تحریک اسلام وسعت پذیر ہو کر رہے گی نیز وہ مسلمانوں کو خطرناک قسم کے انقلابی سمجھتے تھے اور ان کی انقلابی سرگرمیوں سے خائف تھے۔ اس لیے وہ اس انقلابی تحریک کو مکہ ہی میں محصور و مقید کر کے ختم کردینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہیں ان انقلابیوں کے سمندر پار چلے جانے کا بڑا غم وغصہ تھا۔ ابھی وہ ان کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کے متعلق سوچ ہی رہے تھے کہ 83 مردوں اور 18 خواتین پر مشتمل مسلمانوں کی ایک اور جماعت قریش کی عقابی نظروں سے بچ کر کشتیوں کے ذریعے حبشہ پہنچ گئی۔ اس دوسری جماعت مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار ؓ بھی شامل تھے۔

دوہری ہجرت حبشہ قریش کی دوہری ناکامی تھی جس سے اسلام کے کسی آزاد فضا میں پھلنے اور پھولنے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس نئی صورتحال سے نمٹنے کے لیے قریش کی مجلس شوریٰ کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں فیصلہ ہوا کہ مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانے کے لیے شاہ نجاشی کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) شاہ نجاشی اور اس کے درباریوں کے لیے بیش قیمت تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور انہوں نے شاہ کے درباریوں کے توسط سے شاہ نجاشی کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمان مکہ کے خطرناک انقلابی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے ایک ایسا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور مکہ کے آبائی دین (بت پرستی) دونوں کے یکساں خلاف ہے۔

چونکہ یہ مسلمان ان کے ہم قوم اور دین کی برگشتگی کے ملزم ہیں اس لیے انہیں ان کے حوالے کر کے مکہ واپس بھیجا جائے۔

نجاشی ایک انصاف پرور بادشاہ تھا اس نے قریش کے ان الزامات کا جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور انہیں اپنے دین و موقف کی وضاحت کرنے کا موقع فراہم کیا۔ دربار نجاشی میں مسلمانوں کی نمائندگی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ انہوں نے نہایت فصیح زبان میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> اے بادشاہ! ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ ہم سب جاہل تھے' بتوں کی پرستش کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' برے کام کرتے تھے' جھوٹ بولتے تھے اور یتیموں کا مال کھاتے تھے' حرام کاری اور خونریزی میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کیا اور ایک شخص کو اپنا پیغمبر بنا کر ہماری طرف بھیجا۔ اس نے' ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی اور اسے احد ماننے اور اس کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔ ہمسایوں سے حسن سلوک اور صلواۃ و زکواۃ کی ادائیگی کا حکم دیا...... اس پر ایمان لانے پر ہماری قوم نے ہمارا عرصہ حیات تنگ کر دیا تو ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی۔ امید ہے آپ ہم پر مزید ظلم وستم نہیں ہونے دیں گے۔"

اس پر شاہ نجاشی نے کہا کہ تمہارے رسول پر اللہ کا جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ سناؤ اس پر انہوں نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات سنائی جن کی تلاوت سے نجاشی پر رقت طاری ہو گئی۔ نجاشی نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو ہرگز قریش کے حوالے نہیں کرے گا۔

اس پر حضرت عمر بن العاص نے نجاشی کے کان بھرے کہ مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ کے متعلق عقیدہ معلوم کیجیے۔ جب نجاشی نے مسلمانوں سے ان کا عقیدہ معلوم کیا تو حضرت جعفر ﷺ نے پھر سورہ مریم کی وہ آیات تلاوت کیں جن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی روح ہیں۔ نجاشی نے اس پر ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ حضرت عیسیٰ بخدا! اس سے زیادہ نہیں۔ اس طرح خارجی محاذ سیاست پر قریش کو اس پہلی ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی سال رمضان المبارک میں پہلی ہجرت حبشہ کے بعد اور دوسری ہجرت حبشہ سے پہلے آنحضرت ﷺ پر سورہ النجم نازل ہوئی' آنحضرت ﷺ نے حرم کعبہ میں اس کی تلاوت فرمائی۔ اس وقت حرم شریف میں قریش کے لوگ موجود تھے اور جن وانس کا مجمع تھا۔ جب آپ ﷺ آیات سجدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا۔ آپ ﷺ کی تقلید میں جن وانس بھی جھک گئے مگر ایک شقی القلب قریشی بڈھے امیہ بن خلف نے از راہ تکبر سجدہ نہ کیا بلکہ تھوڑی سی کنکریاں اٹھا کر پیشانی سے لگا لیں اور کہا کہ میرے لیے یہی کافی ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ہے کہ امیہ بن خلف کے علاوہ

جتنے مشرکین وہاں موجود تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی جبکہ امیہ بن خلف بحالت کفر جنگ بدر میں جہنم رسید ہوا۔

اسی سال پہلی ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادر اکبر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اسلام قبول کیا جبکہ بعض مؤرخین کے نزدیک وہ سنہ 1 نبوت میں اسلام لائے تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے ان کا سن ولادت 20 میلاد نبوی تھا۔

اسی سال خالد بن حزام بن خویلد کا انتقال ہوا وہ حضرت حکیم بن حزام کے بھائی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور قدیم الاسلام تھے۔ ان کی وفات حبشہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے راستے میں ہوئی تھی۔ ان کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

> "ومن يخرج من بيته مهاجرا الى الله و رسوله ثم يدركه الموت فقدوقع اجره علی الله (النساء:100) ترجمہ: جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پکڑے اسے موت تو یقیناً مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں۔" (از شیخ الہند)

سنہ 5 نبوت کا ایک اور اہم واقعہ مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ دشمنان اسلام ابوجہل' شیبہ' عتبہ' ولید بن عتبہ' عمان بن ولید' عقبہ بن ابی معیط' امیہ بن خلف وغیرہ نے مسجد الحرام میں ایک اجلاس منعقد کیا' اس وقت آنحضرت ﷺ کعبہ شریف کی دیوار کے سائے میں نماز ادا فرما رہے تھے اور صحن کعبہ میں ہی کسی کافر نے اونٹ ذبح کیا ہوا تھا۔ ایسے میں ان مشرکین نے باہمی مشاورت کی کہ کوئی شخص اس ذبح شدہ اونٹ کی اوجھ کو اٹھا کر لائے اور جب پیغمبر اول و آخر ﷺ سجدہ ریز ہوں تو اس اوجھ کو ان کی پشت مبارکہ پر رکھ دے۔ بدبخت ازلی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اس نے نجاست سے بھری ہوئی اوجھ کو عین اس وقت آنحضور کی پشت مبارکہ پر رکھ دیا جب آپ ﷺ رب العزت کی بارگاہ میں سر بسجود تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو ابھی کم سن تھیں' انہیں جب کسی نے بتایا تو آپ ﷺ صحن کعبہ میں آئیں اور وہ اوجھ آپ ﷺ کے شانہ مبارک سے ہٹائی۔ اتنی دیر میں سیدنا ابوبکر صدیق بھی صحن کعبہ میں تشریف لے آئے انہوں نے جب یہ واقعہ دیکھا تو مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ تاریخی جملہ کہا جو مومن آل فرعون نے کہا تھا۔

یعنی "کیا تم ایک آدمی کو محض اس لیے قتل کرتے ہو کہ اس کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ ہے" حالانکہ وہ تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے۔"

اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان بدبختوں کے نام لے کر بددعا فرمائی کہ جنہوں نے اونٹ کی اوجھ آپ ﷺ

کے شانہ مبارک پر رکھوائی تھی چنانچہ یہ سب مشرکین مکہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب مشرکین بدر کے دن بدر کے گڑھے میں مقتول پڑے تھے۔

5 نبوت کے اہم واقعات ہی میں مؤرخین نے حضرت سمعیہ بنت خباطؓ کی شہادت کا واقعہ شامل کیا ہے وہ ابوحذیفہ بن مغیرہ کی باندی اور حضرت عمارؓ بن یاسر کی والدہ تھیں۔ایک دن ابوجہل لعین نے نیزے کی انی اس بے کس و مظلوم عورت کی نازک جگہ مار کر اسے شہید کرڈالا اور وہ خواتین میں سب سے پہلی شہید اسلام قرار پائیں۔

615ء/سنہ 6 نبوت/7 ق ھ حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا

دشمنان اسلام میں ابوجہل انتہائی بدزبان اور آپ ﷺ کی مخالفت ودشنام طرازی میں سب سے آگے تھا۔ایک دن کوہ صفا کے قریب سے گذرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا ابوجہل سے آمنا سامنا ہوگیا۔دشمن رسول ﷺ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آپ ﷺ کی تضحیک کی اور دشنام طرازی پر اتر آیا اور آپ ﷺ کو سخت اذیت پہنچائی۔اتفاق سے عین اسی وقت حضرت حمزہؓ کا گذر بھی کوہ صفا کے قریب سے ہوا۔انہوں نے جب یہ منظر دیکھا کہ ابوجہل بے وجہ آپ ﷺ سے الجھ رہا ہے تو آپ ﷺ نے اپنے بھتیجے اور رضاعی بھائی (حضرت ثویبہؓ کا دودھ حضرت حمزہؓ اور آنحضرت ﷺ دونوں نے پیا تھا) کو ابوجہل کے تشدد سے بچانے کے لیے ابوجہل کے سر پر اپنی کمان سے ضرب لگائی اور اسے زخمی کردیا اور ساتھ ہی للکارا کہ اے ابوجہل! میں مسلمان ہوتا ہوں' کسی میں ہمت وجرات ہے تو مجھے روک دکھائے۔پھر حضرت حمزہؓ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "اے بھتیجے میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔"عظیم انسانوں کے طور طریقے بھی عظیم ہوتے ہیں۔ایسے بھی آپ ﷺ قریش کے دستور بدلہ سے دور تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا مجھے بدلے سے کوئی خوشی نہیں ہاں البتہ خوشی تب ہوگی جب آپ مسلمان ہوجائیں۔حضرت حمزہؓ کا دل تو پہلے ہی اسلام سے متاثر تھا۔آپ ﷺ کی اس بات نے انہیں اسلام لانے پر مجبور کردیا۔آپؓ کلمہ طیبہ پڑھ کر اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔حضرت حمزہؓ بنوہاشم کے بہادر ترین افراد میں سے ایک تھے اور بڑے جواں مرد اور بارعب انسان تھے۔آپؓ کے اسلام لانے سے تحریک اسلام کو بڑی تقویت ملی۔یہ اتفاق تھا کہ اس واقعہ کے صرف تین بعد ہی تاریخ اسلام کا ایک اور اہم واقعہ رونما ہوا اور ایک اور جری اور بہادر انسان حلقہ بگوش اسلام ہوگیا اس سے تحریک اسلام مضبوط ہوگئی۔

حضرت عمرؓ، دعائے رسول ﷺ کا اسلام قبول کرنا:

سنہ 6 نبوت کا دوسرا بڑا اہم واقعہ مؤرخین کے نزدیک حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا ہے۔حضرت عمرؓ بن خطاب اور ابوجہل قریش مکہ کی دو نامور شخصیات تھیں جن کے متعلق دانائے راز وحکمت، ختمی المرتبت ﷺ کی بصیرت کا فیصلہ تھا ان دونوں شخصیتوں میں سے جو بھی مسلمان ہوجائے تحریک اسلام کو اس سے غیر معمولی فائدہ پہنچے گا۔چنانچہ آپ ﷺ کثر دعا فرمایا کرتے تھے "یا اللہ! عمرؓ بن خطاب یا عمر بن ہشام سے اسلام کو تقویت پہنچا۔آپ ﷺ کی یہ دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی اور رب کریم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو توفیق عطا فرمائی کہ وہ اسلام کو قبول فرمائیں۔حضرت عمرؓ ان چند زعمائے قریش میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔قریش مکہ کی شہری مملکت کی طرف سے بیرونی ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کرنے کا منصب انہیں حاصل تھا جو ایک بڑا اعزاز تھا۔علاوہ ازیں وہ قریش کے بہادر انسان تھے اور اپنی طاقت وشجاعت کی وجہ سے بھی مشہور تھے۔تحریک اسلام کے آغاز ہی میں حضرت عمرؓ کی بہن حضرت فاطمہؓ بنت خطاب اور ان کے شوہر حضرت سعیدؓ بن زید اسلام لے آئے تھے مگر حضرت عمرؓ کے ڈر سے انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا۔ان کو تعلیم قرآن دینے کے لیے حضرت خباب بن الارتؓ ان کے گھر جانے پر مامور کردیے گئے تھے۔سرداران قریش آپؐ کی انقلابی سرگرمیوں سے اتنے تنگ آچکے تھے کہ وہ چاہتے تھے آپؐ کے وجود مبارک کو ختم کردیا جائے مگر ایسا اقدام کرنے سے بنوہاشم کی طرف سے انتقاماً خانہ جنگی شروع کرنے کا خطرہ موجود تھا' لیکن اس کے باوجود وہ چاہتے تھے کہ کوئی شخص ایسا میسر آجائے جو آپ ﷺ کا کام تمام کردے اس کے لیے انہوں نے باقاعدہ طور پر انعام بھی مقرر کررکھا تھا۔نجانے حضرت عمرؓ نے اس انعام کے لالچ میں آکر یا اپنی عزت وبہادری کے لیے چیلنج سمجھ کر آپ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا اور اس ارادے سے مسلح ہوکر دارارقم کی طرف چلے جہاں آپ ﷺ قیام فرماتے تھے۔انہیں اس کی خبر نہ تھی کہ جس عظیم ہستی کو قتل کرنے جارہے ہیں اسی ہستی کے دام محبت میں ہمیشہ کے لیے اسیر ہوکر رہ جائیں گے اور خود شہیدان وفا میں شامل ہوجائیں گے۔جب ارادہ قتل کرکے گھر سے نکلے تو آپؓ کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اور تیور بدلے ہوئے تھے۔اتفاقاً راستے میں نعیمؓ بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی جب انہوں نے حضرت عمرؓ کے تیور دیکھے تو پوچھا اے عمر! کس ارادے سے نکلے ہو؟ جب انہیں حضرت عمرؓ کا ارادہ معلوم ہوا تو انہوں نے طنزاً کہا میاں! دارارقم جانے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی خبر تو تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہوچکے ہیں کیا تمہیں اس کی بھی خبر ہے؟ یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ کو بڑی غیرت وشرم محسوس ہوئی کہ خود ان کے گھر میں اسلام داخل ہوچکا تھا مگر ان کو اس کی خبر تک نہ تھی۔جب غیظ وغضب کی حالت میں اپنی بہن کے گھر پہنچے تو اس وقت انہیں حضرت

خباب ؓ قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔کلام الٰہی سن کر حضرت عمر ؓ کے دل میں برق سی لہرائی' شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے فوراً ہی محسوس ہوا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ایسے میں حضرت عمر ؓ نے اپنی بہن کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ان کے دستک دینے کے انداز سے ان کی بہن واقف تھی وہ سہم کر رہ گئی اور اس نے حضرت خباب ؓ کو ایک کوٹھڑی میں چھپا دیا اور اوراق قرآن بھی ایک طرف کر دیے اور خود دم سادھ کر بیٹھ رہیں۔حضرت عمر ؓ نے گھر کے تیور دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ان حالات میں حضرت عمر ؓ نے اپنے بہنوئی کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ان کی بہن اپنے شوہر کے آڑے آئیں تو حضرت عمر ؓ نے طیش میں ان کو بھی زخمی کر دیا۔حضرت فاطمہ ؓ بھی بنت خطاب تھیں اس لیے جرأت کر کے بولیں کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اب جو کچھ تمہارے جی میں آئے کر لو۔بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمر ؓ کا دل پسیج گیا اور رقت طاری ہو گئی۔بولے جو کچھ تم ابھی پڑھ رہے تھے ذرا مجھے بھی دکھاؤ۔بہن نے کہا کہ کلام الٰہی پاک وطیب ہے اگر اس کو چھونا ہے تو پہلے غسل کر لو۔حضرت عمر ؓ کے دل کی دنیا بدل چکی تھی اور سعادت ازلی نصیب میں لکھی جا چکی تھی اس لیے آپ ؓ نے بہن کے الفاظ پر عمل کیا اور پھر جب تلاوت قرآن فرمائی تو خشیت الٰہی سے دل کانپنے لگا۔ان کی زندگی کا وہ حسین لمحہ آ گیا جب ان کی کایا پلٹ گئی اور اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور حضرت خباب ؓ کو لے کر دارارقم کی طرف چلے۔

دارارقم پہنچنے پر دروازے پر دستک دی' اندر محفل ذکر الٰہی سے معمور اور فکر اسلام سے گرم تھی۔کسی نے جھانک کر باہر دیکھا تو حضرت عمر ؓ کھڑے تھے جس کی وجہ سے محفل پر ایک خوف سا طاری ہو گیا مگر بصیرت نبوی ﷺ کو معلوم تھا کہ اب شکاری خود شکار ہونے کے لیے آیا ہے۔آنحضور ﷺ نے حکم دیا کہ دروازہ کھول دو! حضرت عمر ؓ چونکہ شمشیر بکف تشریف لے آئے تھے اس لیے حضرت حمزہ ؓ نے انہیں تنبیہہ کی اور پوچھا کہ کس ارادے سے آئے ہو! مگر رحمت عالم ﷺ نے اٹھ کر بے خوف وخطر اٹھ کر ان کے دامن کو تھام لیا اور پوچھا "اے عمر ؓ! کس ارادے سے آئے ہو حضرت عمر ؓ نے بے ساختہ فرمایا کہ "ایمان لانے کے لیے۔" جس پر آنحضرت ﷺ کی زبان سے نعرہ تکبیر بلند ہوا اور آپ ﷺ نے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا۔حضرت عمر ؓ کے ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کے حوصلے اتنے بلند ہوئے کہ ان کی معیت میں نکلے اور جا کر حرم کعبہ میں باجماعت نماز ادا کی' کعبہ کے پجاریوں کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کو روک سکیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ؓ کے قبول اسلام نے حالات کا رخ بدل دیا اور اب مسلمانان مکہ نے کعبہ میں اعلانیہ نماز باجماعت ادا کرنے کا اعلان کیا۔اب مسلمان ایک مظلوم اور حقیر گروہ انسانی کی بجائے ایک باوقار اور طاقتور جماعت بن گئے۔خود آنحضرت ﷺ جو دارارقم میں فروکش تھے دارارقم چھوڑ دیا اور واپس اپنے گھر لوٹ آئے۔

اسی سال حضرت عمر ؓ کے بعد آپ ؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر ؓ اسلام لائے۔بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ؓ اپنے والد کے ساتھ ہی اسلام لائے تھے۔

سنہ 6 نبوت ہی میں جب آنحضرت ﷺ دارارقم میں قیام فرما تھے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی والدہ ماجدہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر القرشیہ التمیمہ اسلام لائی تھیں۔

دارارقم میں قیام نبوی ﷺ کے دوران ہی ایاس ؓ بن بکیر بن عبد یالیل بن ناشب الکنانی اللیثی اسلام لائے تھے۔یہ غزوہ بدر' احد اور خندق اور تمام دیگر غزوات میں شریک ہوئے تھے۔

عفراء ؓ بنت عبید بن ثعلبہ جو ایاس کی والدہ تھیں ان کا پہلا نکاح حارث بن رفاعہ سے ہوا تھا ان سے تین بیٹے تولد ہوئے تھے بعد ازاں حارث کی وفات کے بعد بکیر بن عبد لیل اللیثی کے نکاح میں آئیں تو چار بیٹے مزید تولد ہوئے یہ ساتوں بنو عفراء کے نام سے مشہور تھے اور انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔

6 نبوت ہی میں حضرت عمر ؓ کے اسلام لانے کے بعد اسلام کو نئی آب وتاب ملی اور مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔حضرت عمر ؓ اس شان سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ کے بازار میں نکلے کہ تلوار ہاتھ میں تھی اور کلمہ توحید زبان پر۔آپ نے مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم میں سے آج جس نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی میری تلوار اس کا سارا تکبر وغرور خاک میں ملا کر رکھ دے گی۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ عازم حبشہ:

دوسری ہجرت حبشہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اور ترک وطن کر کے عازم حبشہ ہو گئے۔اثنائے راہ میں برک الغماد کے مقام پر قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ جو آپ کا رشتہ دار بھی تھا جب معلوم ہوا کہ آپ ؓ بھی حبشہ جا رہے ہیں تو اسے بڑا افسوس ہوا۔وہ قریش کا عسکری حلیف اور ایک بااثر شخص تھا۔وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو واپس اپنے ساتھ مکہ لایا اور مکہ میں اس نے اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر ؓ اب اس کی پناہ میں ہیں لہٰذا کوئی انہیں تکلیف نہ پہنچائے۔اسی واقعے کے بعد حضرت ابوبکر ؓ نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنالی۔جب اس کی شکایت قریش نے ابن الدغنہ سے کی اور اس نے آپ ؓ کو روکنا چاہا تو حضرت ابوبکر ؓ نے اس سے صاف کہہ دیا کہ مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں میرے لیے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی کافی ہے۔

616ء/سنہ 7 نبوت/6 ق م شعب ابی طالب میں محصوری، انتہائے دور ابتلاء

مسلمانوں کی ہجرت حبشہ ثانی کے بعد مشرکین قریش بہت تلملائے اور تلملائے کہ مسلمان ان کی دسترس سے دور ہوتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی چیرہ دستیاں تیز تر کر دیں مگر وہ تحریک اسلام کو دبانے میں اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکے تھے' انہوں نے مکہ کے بقایا بے کس مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اور اضافہ کر دیا اور نئی صورتحال سے نمٹنے کے لیے دارالندوہ میں مشورہ عام کیا گیا جس کے بعد نبوت کے ساتویں سال میں یکم محرم الحرام کو ایک قرارداد احاطہ تحریر میں لائی گئی جس کا مقصد قائد تحریک اسلام ﷺ کی آواز کو دبانا اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے ہی خاندان بنوہاشم کی حمائت سے محروم کرنا تھا۔ اس سفاکانہ منصوبے کے تحت آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے خانوادے بنی ہاشم کو مکہ سے شہر بدر کرنا اور محصور کر کے ان کا معاشرتی مقاطعہ یا بائیکاٹ کرنا تھا تاکہ بنوہاشم آپ ﷺ کی حمایت سے باز آ جائیں۔ اس سلسلے میں ایک معاہدہ طے پایا جسے منصور بن عکرمہ نے لکھا اور اسے کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔ اس معاہدے میں مشرکین مکہ کے ساتھ بنوہاشم میں سے صرف ابولہب' عبدالعزی بن عبدالمطلب شریک تھا۔ اس معاہدے کی اہم شقیں مؤرخین نے یہ دی ہیں۔

(1) اگر بنوہاشم (حضرت) محمد کو قتل کے لیے مشرکین مکہ کے حوالے نہ کریں تو ان کا مکمل طور پر معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے۔

(2) ان کے ساتھ رشتے ناتے اور شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر دیے جائیں۔

(3) ان سے خرید و فروخت یا اور کسی قسم کا لین دین روا نہ رکھا جائے۔

(4) انہیں کھانے پینے کی اشیا بھی فراہم نہ ہونے دی جائیں۔

(5) ان سے روابط و ضوابط منسوخ کر کے میل جول نہ رکھا جائے۔

(6) ان کے گلی بازاروں میں گھومنے پھرنے کی ممانعت کر دی جائے۔

داعی اسلام کے ساتھ آپ کا خانوادہ بنی ہاشم سوائے ابولہب کے اس معاشرتی بائیکاٹ کی زد میں آ گیا اور ایک کٹھن' صبر آزما' شکیب ربا آزمائش اور ابتلا کا شکار ہو گیا۔ خود تحریک اسلام ایک نئے موڑ پر آ گئی۔ بنوہاشم مکہ چھوڑ کر ایک پہاڑی گھاٹی' شعب ابی طالب میں سکونت پذیر ہونے پر مجبور کر دیے گئے' اگرچہ بنوہاشم کے تمام افراد نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر وہ اس اعتبار سے اس ابتلا کے مستحق قرار دیے گئے کہ وہ داعی اسلام کے معاونین و مددگار تھے' اسی وجہ سے انہوں نے محض بانی اسلام ﷺ کی خاطر تین طویل برس' جن کا ایک ایک دن ان کے لیے قیامت کا دن تھا' اس شہر بدری' محصوری اور معاشرتی بائیکاٹ کی حالت میں بسر کیے' اس دوران صدمات جھیلے' مصائب کا سامنا کیا یہاں تک کے درختوں

کے پتے اور چھال کھانے پر مجبور ہو گئے مگر بنی ہاشم کی عظمتوں کو سلام کہ ان کے پائے عزم و ثبات میں ایک لمحہ کے لیے بھی لغزش نہیں آئی (صرف زمانہ حج میں انہیں کچھ رعائتیں حاصل ہو جاتی تھیں) وہ شہر مکہ جس کی گلیوں میں بنوہاشم کی عظمتوں کے جھنڈے گڑے تھے' جس کی زیب و زینت ان کے دم سے تھی' جس کے معاملات میں ان کی آواز ایک اہمیت رکھتی تھی' آج اس بلدالامین کی گلیوں میں ان صاحب عزت لوگوں کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی جو لوگ ان کی دوستی کو سرمایہ افتخار سمجھتے تھے وہ آج ان کے دشمن بن چکے تھے۔ اس عظیم خانوادہ کا جرم بس یہ تھا کہ وہ محسن انسانیت رحمت عالم رسول اللہ ﷺ کی حمائت سے دستکش نہیں ہوتے تھے اور ہر حال میں ان کے ساتھ تھے۔ اس جرم کی پاداش میں ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا' بھوکوں مرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان کے بچے بھوک سے بلبلاتے رہے اور وہ اپنے دشمنوں کو اپنی اس حالت زار پر قہقہے لگاتے دیکھتے رہے' لیکن ان تمام مظالم کو سہنے کے باوجود پورے تین سال تک داعی اسلام ﷺ کو قریش کے حوالے کرنے کا سوچا تک نہیں۔ ان جور و جفا کے ساتھ ساتھ قریش کے کچھ لوگوں میں انسانیت کا درد بھی تھا' ہشام عامری جو بنوہاشم کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک تھا' معاشرتی بائیکاٹ کے دوران بنوہاشم کو چوری چھپے غلہ بھجواتا رہا' پھر آہستہ آہستہ زبیر' مطعم بن عدی' ابوالبختری' زمعۃ بن الاسود جیسے لوگ اس ظالمانہ معاہدہ کو کالعدم کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ابوجہل کی مخالفت کے باوجود مطعم بن عدی نے معاہدے کی دیمک زدہ دستاویز پھاڑ ڈالی' پھر یہ لوگ مسلح ہو کر شعب ابی طالب میں بنوہاشم کے پاس گئے اور انہیں باعزت طور پر اس محصوری سے نکال لائے۔

یہ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس سے قدرتی طور پر تحریک اسلام کی رفتار میں تیزی آئی اور اسلام کی شمع فروزاں تر ہو گئی دوسری طرف بانی اسلام تین سالہ معاشرتی بائیکاٹ کے دوران بھی آرام سے نہیں بیٹھے تھے اگرچہ ان ﷺ پر مکہ کی گلیاں بند کر دی گئیں تھیں مگر وہ ﷺ حدود مکہ میں داخل ہونے کی بجائے اطراف و جوانب کی بستیوں میں نکل جاتے اور صحرا نشینوں' خانہ بدوشوں اور کاروانوں میں فریضہ تبلیغ ادا فرماتے تھے۔ اس دوران آپ ﷺ کا رابطہ اپنے رفقاء کے ساتھ بھی برابر قائم رہا تھا اور آپ ﷺ باقاعدہ طور پر انہیں ہدایات دیتے رہے تھے۔ رفقائے نبی ﷺ بھی روز و شب تبلیغی سرگرمیوں میں منہمک رہے اور اس دوران قرآن مجید کی جو آئتیں پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہوئیں ان کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری و ساری رہا۔

مقاطعہ کی دستاویز کو ان تین سالوں میں دیمک نے چاٹ لیا تھا اور سوائے اللہ تعالی کے نام کے اس دستاویز کا کوئی حرف بھی باقی نہ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کی اطلاع حضرت ابوطالب کو دی اور انہوں نے اس سے قریش کو مطلع کیا مگر وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے تھے۔ اس پر جب حضرت ابوطالب نے انہیں اس

دستاویز کو کھولنے کا کہا تو اسے ویسے ہی پایا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا۔ معاہدہ تحریر کرنے والے منصور بن عکرمہ کا وہ ہاتھ بھی مستقل طور پر شل ہوگیا جس سے اس نے یہ معاہدہ تحریر کیا تھا۔ یہ ایک کھلا معجزہ تھا۔

617ء/سنہ 8 نبوت/ 5 ق ھ اہل فارس اہل روم پر غالب

اس سال یا اس سے ایک سال پہلے کسریٰ ایران' قیصران روم پر غالب آ گئے' اس کی خبر جب کفار مکہ کو ملی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کو کہا کہ اہل روم تمہاری طرف اہل کتاب ہیں اور اہل فارس ہماری طرح ''بے کتاب''، جس طرح ہمارے وہ بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آئے ہیں اسی طرح ہم تم پر غالب آئیں گے۔ مسلمانوں کو اس بات کا بے حد رنج ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ روم کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ جن کا مفہوم یہ تھا کہ دس سال کے اندر اندر اہل روم دوبارہ اہل ایران پر غلبہ حاصل کرلیں گے جب اسی سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سورہ روم کی یہ آیات مشرکین مکہ کو سنائیں تو انہوں نے ان آیات میں بیان کردہ پیشین گوئی کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور ابی بن خلف نے حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی کہ اگر تمہارے بقول 9 سال میں اہل روم اہل فارس پر غالب آ گئے تو میں تمہیں ایک سو اونٹ دوں گا بصورت دیگر تم سے اتنے ہی اونٹ وصول کرلوں گا۔ دونوں طرف سے اس معاہدے کے ضامن بھی مقرر کردیے گئے۔ پھر جس دن مسلمانوں نے جنگ بدر میں کفار مکہ پر فتح پائی اسی دن یہ اطلاع بھی موصول ہوئی تھی کہ اہل روم اہل فارس پر غالب آ گئے ہیں۔ یہ اطلاع پاکر مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ''و یومئذ یفرح المومنون '' اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف کے ضامنوں سے 100 اونٹ وصول کر لیے اگرچہ اسلام میں دو طرفہ شرط لگانا جوئے کے برابر ہے مگر یہ واقعہ حرمت جواء کے آنے سے پہلے کا ہے۔

سنہ 8 نبوت میں ہی یثرب کے دونوں بڑے قبائل اوس وخزرج کے درمیان جنگ بعاث لڑی گئی تھی۔

617ء/8 نبوت معجزہ شق قمر:

اسی سال محققین کے مطابق معجزہ شق القمر رونما ہوا تھا۔ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ کوئی ایسی نشانی دکھایئے جس کا تصرف آسمان پر ہو' اس پر آنحضرت ﷺ نے چودھویں شب کے قمر کو دولخت کر کے ''شق قمر'' کا معجزہ دکھایا تھا۔ آپ ﷺ نے چاند کی طرف اپنی انگلی مبارکہ سے اشارہ کیا تھا جس سے وہ دو ٹکڑوں میں منقسم ہوگیا ایک ٹکڑا غار حرا کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب زمین کی طرف جھک گیا' جبل حرا ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں نظر آ رہا تھا۔ مگر مشرکین مکہ نے اس کھلے معجزہ کو جادو کہنے میں ذرا دیر نہیں لگائی اور کہا کہ یہ کوئی بڑا جادو ہے۔'' سورہ قمر کی ابتدائی

آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس معجزے کی شہادت دی ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ علامہ ابن حجر مکی نے قصیدہ ''ہمزیہ'' کی شرح میں ثابت کیا ہے کہ معجزہ شق القمر نبوت کے آٹھویں سال میں رونما ہوا تھا۔

سنہ 9 نبوت/ 618ء/ 4 ق ھ:

اس سال چونکہ آپ ﷺ اپنے خانوادہ بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور تھے اس لیے اس کے سوا کوئی اور اہم واقعہ نہیں ملتا۔

سنہ 9 نبوت میں عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر العذری کی ولادت ہوئی۔ وہ بنی زہرہ کے حلیف تھے' تاہم بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان کی ولادت سنہ 7 نبوت میں ہوئی تھی یا بعض کہتے ہیں کہ وہ بعد از ہجرت پیدا ہوئے تھے۔

619ء/ 10 نبوت/ 3 ق ھ ''عام الحزن'' وہ سال جب آپ ﷺ دو رفیقوں سے محروم ہوگئے 7 رمضان وفات جناب ابوطالب:

تحریک اسلام جب اپنی دسویں منزل پر گامزن ہوئی تو جہاں بنی ہاشم اور خود بانی تحریک ﷺ کو معاشرتی بائیکاٹ کی اذیت سے نجات ملی۔ وہیں اسی سال نبی کریم ﷺ دو عظیم ہستیوں کی شفقت' محبت اور ہمدردی و غمگساری' رفاقت وحمایت سے بھی محروم ہوگئے۔ یہ عظیم ہستیاں' آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب اور رفیقہ حیات نبوی ﷺ سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی تھی۔ ان میں سے جس عظیم ہستی نے پہلے وفات پائی وہ حضرت ابوطالب' حصار نبوت ﷺ تھے۔ انہیں آپ ﷺ سے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت تھی۔ آپ ﷺ ہی کی خاطر اس عظیم ہستی نے پورے قبیلہ قریش کی مخالفت مول لی تھی اور اپنے خانوادے سمیت معاشرتی بائیکاٹ کی کٹھنائیاں جھیلی تھیں' جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو قریش کے چند سر برآوردہ سرداران کے پاس پہنچے' ان میں عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوجہل بن ہشام' امیہ بن خلف اور ابوسفیان بن حرب شامل تھے۔ انہوں نے حضرت ابوطالب کو کہا کہ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان یہ معاہدہ کرادیں کہ وہ ہم سے تعرض نہ کرے اور نہ ہم اس سے۔ حضرت ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو ایسا معاہدہ کرنے کے لیے کہا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''اچھا اے سرداران قریش! تم مجھے ایک بات کا قول دو' جس کے عوض تم پورے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور اس کی بدولت اہل عجم بھی تمہاری اطاعت اختیار کریں گے۔''

ابوجہل نے کہا ''بہت اچھا! تمہارے والد کی قسم! ایک نہیں پھر تم دس باتوں کا قول لو۔''

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' (اقرار کرو کہ) تم اللہ کے سوا کسی کو الہ یا معبود نہیں کہو گے اور اس کے سوا کسی کی بھی تم پرستش کرتے ہو تو اسے چھوڑ دو گے۔''

آپ ﷺ کی یہ بات سن کر اکابرین قریش تالیاں بجانے لگے اور کہنے لگے: اے محمد ﷺ کیا تم چاہتے ہو کہ سب معبودوں کو ایک الہ بنادو؟ تمہاری بات تو عجیب ہے۔'' اکابر قریش کے دل جن پر اللہ نے تالے ڈال رکھے تھے وہ کبھی بھی نور توحید سے منور نہیں ہو سکتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے آبائی مذہب (بت پرستی) پر قائم رہنے میں اپنی بہتری سمجھی۔ ادھر آپ ﷺ جانتے تھے کہ چچا کی وفات کے بعد قریش بے باک ہو جائیں گے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ ان سے کسی قسم کا معاہدہ کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اسی محفل کے برخاست ہوتے ہی حضرت ابوطالب کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کی وفات کے ساتھ ہی آپ ﷺ اپنے خانوادے یعنی بنو ہاشم کی حمایت و اعانت سے بھی محروم ہو گئے کیونکہ بنو ہاشم کا سردار حضرت ابوطالب کے بعد ابولہب بن عبدالمطلب تھا جو ذاتی طور پر نبی کریم ﷺ کا دشمن اور آپ سے اعلان نبوت کے بعد سے باقاعدہ عداوت رکھتا تھا۔

رحلت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

جناب ابوطالب کی وفات کے دو ماہ بعد یا صرف 3 دن بعد ابھی آپ ﷺ کا دل اپنے چچا کی وفات کے غم سے دکھا ہوا تھا کہ غمگسار نبوت ﷺ اور آپ ﷺ کی وفا شعار شریک حیات' ام المومنین' حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کو داغ مفارقت دے گئیں۔ فروری 619ء رمضان شریف 10 نبوت / 3 قبل از ہجرت' وفات کے وقت سیدہ کی عمر 65 برس تھی اور آپ رضی اللہ عنہا مکہ میں حجون کے مقام پر دفن کی گئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارنے کے لیے آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اس طرح سیدہ رضی اللہ عنہا کو مرنے کے بعد بھی آپ ﷺ کے ہاتھوں قبر میں اتارے جانے کی سعادت حاصل ہوگئی۔ یوں حصار نبوت ﷺ کے بعد آپ ﷺ غمگسار نبوت ﷺ کی رفاقتوں سے بھی محروم ہو گئے۔

فروری 619/10 نبوت / حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں اور انکی عمر اس وقت 50 برس کے لگ بھگ تھی۔ یوں غیر معمولی نوعیت کے تخلیقی اور تعمیری کام سرانجام دینے کے لیے آنحضرت ﷺ نے گھریلو سکون کے لیے اپنی زندگی کا دوسرا نکاح کیا۔

مارچ 619ء / 3 ق ھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احسانات کبھی نہیں چکا سکا۔ عرب روایات کے مطابق خانوادوں کی معاونت اور حمایت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ نکاح کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے مخلص دوست اور دست راست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خانوادے سے رشتہ صہر قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور مارچ 619ء / 10 نبوت / 3 ق ھ میں 500 دراہم کے عوض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سے نکاح فرمایا جبکہ ان کی رخصتی شوال 1ھ / بمطابق اپریل 622ء میں ہوئی تھی۔ یہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہراتؓ میں پہلی اور آخری ناکتخدا (کنواری) زوجہ محترمہ تھیں۔

مغربی مستشرقین کے تعدد ازواج کے متعلق اعتراضات کا خود ایک مغربی محقق والٹیر نے ہی تسلی بخش جواب یہ دیا ہے کہ جہاں عرب معاشرے میں لاتعداد ازواج کی اجازت تھی وہاں آنحضرت ﷺ نے اس لاتعدادی کو 4 کی تعداد تک محدود کر دیا۔ خود آپ ﷺ کے تعدد ازدواج کے سلسلے میں محققین نے لکھا ہے کہ اس کے سیاسی و معاشرتی عوامل بھی تھے ان کے علاوہ یہ اصل بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ آپ ﷺ ایک عبقری GENIUS انسان تھے۔ عبقریت کی کیت وکیفیت کی نسبت ہی سے انسان میں جنسی قوت بھی پائی جاتی ہے۔ ویسے بھی محققین نے لکھا ہے کہ رسالت مآب ﷺ میں بحیثیت نبی کے چالیس بہشتی مردوں کے برابر جنسی قوت تھی اور اس تشفی کا بہترین و جائز طریقہ نکاح ہی تھا (جو آج بھی ہے) جو اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ اسلام نے تعدد ازواج کی بشرط عدل اجازت کیوں دی ہے۔

حضرت ابوطالب کے لیے مغفرت کی دعا:

619ء / 10 نبوت ہی میں جب آپ ﷺ نے حضرت ابوطالب کے لیے استغفار فرمائی تو سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 نازل ہوئی ''ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانو اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحب الجحیم (۱) ترجمہ:۔ پیغمبر اور دوسرے مسلمانوں کو یہ مباح نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں چاہے (اگرچہ) وہ قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔'' نیز حضرت ابوطالب کے حق میں بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

(۲) القرآن ترجمہ:۔ از بیان القرآن ''آپ ﷺ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے خود اس سال کو ''عام الحزن'' کہا اور آپ ﷺ نہایت رنج و غم کے باعث اپنے گھر سے جو بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مدارج نبوت جلد دوم) بیت الحزن بن گیا تھا' بہت کم باہر تشریف لاتے۔ دوسری طرف آپ ﷺ کے غمگساروں کی وفات کے بعد مشرکین مکہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے زیادہ سے زیادہ ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیا تھا۔

۱ التوبہ: 113' القرآن

۲ القصص: 56

حوالہ جات وکتابیات

کتاب الشفا از قاضی عیاض

سیرت محمدیہ از قسطلانی

سیرت النبی، ابن ہشام

اٹلس سیرت از ڈاکٹر شوقی الخلیل

طبقات ابن سعد از ابن سعد

اٹلس القرآن محمد مصطفیٰ ﷺ احمد مجتبیٰ ﷺ از انجینئر عبدالحکیم

سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی سلمان ندوی

رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان

نقوش رسول ﷺ نمبر

زادالمعاد از علامہ ابن القیم

محسن انسانیت از نعیم صدیقی

روض الانف از علامہ السہیلی

الخصائص الکبری از جلال الدین السیوطی

مستدرک، حاکم

LIF OF MAHOMET BY MUIR,SIR WILLIAM

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

شواہد نبوت از مولانا عبدالرحمٰن جامی

سنن ابوداؤد، کتاب الادب

سیرت کبری از مولانا ابوالقاسم دلاوری

ادارہ دائرہ معارف اسلامیہ

جلد 19، مقالہ محمد ﷺ

سیرت المصطفی ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی

تاریخ الامم والملوک از طبری

معارج النبوت از مولانا ملا معین واعظ الکاشفی الہروی

تاریخ یعقوبی از احمد بن ابی یعقوب

رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی

تاریخ ارض القرآن از مولانا سلیمان ندوی

جوامع السیرۃ از ابن حزم

انساب الاشراف از علامہ البلاذری

سیرت النبی ﷺ از ابن کثیر جلد اول

پیغمبر اعظم وآخر ﷺ از ڈاکٹر نصیر احمد

مدارج النبوت از الشیخ عبدالحق محدث دہلوی

ضیاالنبی از پیر محمد کرم شاہ الازہری

رسول اکرم ﷺ از ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی صدیقی

رحمت کائنات از قاضی محمد زاھد الحسینی

انسان کامل از ڈاکٹر خالد علوی

سیدالوری از قاضی عبدالدائم دائم

نبی رحمت ﷺ از مولانا سید ابوالحسن ندوی

تاریخ ابن خلدون، علامہ ابن خلدون

سیرۃ الحلبیہ از مولانا برہان الدین حلبی

سفرطائف ــــــــ آپ ﷺ کے صبرواستقلال کی علامت

فروری، مارچ 619ء/ 27 شوال 11 نبوت

حضرت ابوطالب کے بعد ابولہب خاندان بنوہاشم کا امیر بنا تو اس نے رسالت مآب سے عناد رکھنے کی وجہ سے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ ﷺ کو کنبہ بدر کر دیا جس کے ساتھ ہی آپ ﷺ اپنے ہی خاندان کی حمایت و اعانت سے محروم ہو گئے۔ حضرت ابوطالب نے پچھلے 9 برس تک قریش کی طرف سے ملنے والی مسلسل دھمکیوں، مخالفتوں اور معاشرتی بائیکاٹ کے باوجود آنحضرت ﷺ کو کنبہ بدر کرنے کا سوچا تک نہیں تھا مگر ابولہب جیسے ظالم چچا نے یہ کام سب سے پہلے انجام دیا۔ عرب معاشرے میں قبیلوں اور کنبوں کا جو نظام رائج تھا اس کے مطابق کنبہ بدری کے بعد کسی فرد کا اس معاشرے میں موجود رہنا انتہائی مشکل کام تھا۔ عربوں کے قبائلی نظام کے مطابق کسی فرد کا کنبہ بدر ہو جانا قبائلی، شہری اور انسانی حقوق سے محروم ہو جانے کے مترادف تھا۔ ایسے شخص کے مال و جان اور عزت و آبرو کے لیے کوئی قصاص مقرر نہیں تھا۔ اس لیے ایسے شخص کو قتل کر دینا، غلام بنا لینا یا اس کی عزت و آبرو کو چھین لینا عرب و معاشرے میں انتہائی آسان کام تھا۔ ابولہب کے رئیس بنوہاشم بن جانے کے بعد آنحضرت بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہو گئے تو آپ ﷺ نے مکہ سے 40 میل دور ایک پہاڑی مقام طائف کو تبلیغ کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ مکہ میں حالات اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ کچھ لوگ ہر وقت آپ ﷺ کے تعاقب میں رہتے جہاں آپؐ وعظ و تبلیغ کرنا چاہتے تو آپ کو جبراً روک دیا جاتا یا شور و غل مچا کر آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں کو متاثر کر دیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں بیت اللہ میں نماز کی ادائیگی کے دوران غلیظ اوجھ آپ ﷺ کے شانوں پر رکھ دینے یا آپ ﷺ کے گلے میں چادر ڈال دینے جیسے واقعات نے آپ ﷺ کا مکہ میں رہنا مشکل بنا دیا تھا۔ انہیں پریشانیوں میں گھر کر آپ 27 شوال، 10 نبوی کو اپنے خادم زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ کی والدہ کے کچھ رشتہ دار رہتے تھے۔ ان دنوں طائف میں عمرو بن عوف کے بیٹے عبدیالیل،

مسعود اور حبیب رئیس یا امیر تھے۔ آپ ﷺ ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں آغوش اسلام میں آنے کی دعوت دی مگر انہوں نے دعوت اسلام کو ٹھکرایا۔ ان کا رویہ اتنا ہی حوصلہ شکن تھا جتنا مشرکین مکہ کا۔ ان تینوں بھائیوں نے آپ ﷺ کی بات نہ سنی اور شہر کے اوباش لونڈوں کو بھی آپ ﷺ کو شہر بدر کرنے کے لیے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ ان بے حیاؤں نے دنیا کے عظیم ترین انسان ﷺ پر آوازے کسے، مذاق اڑایا اور دشنام طرازی کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاؤں مبارک پر پتھر اور روڑے مارے جس سے آپ ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے بلکہ کثرت سے خون بہنے کی وجہ سے جوتے پاؤں سے چپک گئے۔ آپ ﷺ درد جراحت سے مجبور ہو کر بیٹھتے تو وہ ظالم زبردستی آپ ﷺ کو کھڑا ہونے پر مجبور کر دیتے اور پھر سنگباری شروع کر دیتے۔ ان ظالموں کے ہاتھوں اور زبان سے لگائی گئی ضربوں سے نہ صرف جسم اطہر بلکہ آپ ﷺ کا قلب مبارک بھی زخمی ہو گیا۔ آپ ﷺ کے ہمراہ صرف زید بن حارثہؓ تھے۔ آپ ﷺ کو بڑی مشکل سے اس وقت ان جاہل وظالم لوگوں سے نجات ملی جب آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ اس باغ کے مالک کا نام عتبہ بن ربیعہ تھا۔ اسے آپ ﷺ کی حالت پر ترس آیا اور اس نے ازراہ مہمان نوازی آپ ﷺ کو کچھ انگور بھجوائے جو ان کا ایک مسیحی غلام عداس آپ ﷺ کی خدمت میں لایا۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر وہ انگور تناول فرمائے۔ وہ مسیحی غلام آپ ﷺ کی ذات گرامی قدر سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بے ساختہ آپ ﷺ کے سر، ہاتھ اور قدم چوم لیے۔ اس عالم بے بسی میں آپ ﷺ کی زبان مبارک پر شکوہ بھی ایک دعا کی شکل میں آیا۔ آپ ﷺ نے دعا کی:

''اے اللہ! میں تیرے پاس اپنے ضعف، اپنے وسائل کی کمی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! کمزوروں اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہے تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے؟ کسی ایسے بیگانے کے جو مجھ سے درشتی سے پیش آئے اور مجھے میرا کام بھی نہ کرنے دے۔'' ''اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں، تیری عنایت و مہربانی میرے لیے مقابلۃً زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشنی میں بدل جاتیں ہیں اور دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں۔ میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر پڑے یا تیری ناراضگی مجھ پر نازل ہو۔ پھر طائف سے واپسی کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان لوگوں کی تباہی کی دعا کیوں مانگوں؟ (اگر یہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں ان کی اولاد تو ایمان لائے گی)۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ اہل طائف کی سرد مہری اور سنگدلی سے ملول اور غمگین واپس لوٹے تو ایک مقام پر جبرائیل علیہ السلام امین ملک الجبال کے ہمراہ نازل ہوئے۔ ملک الجبال نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت ہو تو مکے کے دو پہاڑوں کو باہم ملا کر ان لوگوں کو کچل دوں، تاکہ یہ سب ہلاک ہو جائیں۔ ملک الجبال کی اسی درخواست پر آپ نے مندرجہ بالا جملہ فرمایا کہ میں ان لوگوں کی تباہی کی دعا کیوں مانگوں؟'' آپ ﷺ کی اس دعا سے مترشح تھا کہ طائف کی سرزمین مکہ کی طرح ہی سنگلاخ نکلی تھی۔

619ء مقام نخلہ میں جنوں کے وفد سے ملاقات:

جب آپ ﷺ طائف سے چل کر نخلہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں رات کو قیام فرمایا۔ ملک شام کے مشہور شہر نصیبین سے جنوں کا ایک سات رکنی وفد دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ پھر جب آپ ﷺ نے نماز فجر ادا کی اور اس کی رکعتوں میں قرآن مجید کی تلاوت فرمائی تو جنوں کے وفد نے ہمہ تن گوش ہو کر وہ تلاوت سنی۔ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورہ الرحمٰن اور دوسری رکعت میں سورہ جن تلاوت فرمائی جس سے وہ جن بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور پھر واپس شام جا کر اپنی قوم میں تبلیغ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ احقاف کی آیات 29 تا 32 میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

مارچ 619ء مطعم بن عدی کی حمایت میں:

چونکہ آپ ﷺ کے خانوادے بنو ہاشم نے آپ ﷺ کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا تھا، اس لیے آپ ﷺ مکہ المکرمہ کے قریب پہنچ کر رک گئے اور ایک خزرعی کے ذریعے حضرت خدیجہؓ کے ایک رشتہ دار اور ممتاز سردار مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ مجھے اپنی حمایت میں لو۔ اس نے آپ کی یہ درخواست فوراً قبول کر لی اور اپنے بیٹوں کو لے کر مسلح حالت میں جبل حرا کے پاس پہنچا اور وہاں سے آپ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ لایا۔ مطعم بن عدی نے اپنی حفاظت میں لے کر آپ ﷺ کو بیت اللہ کا طواف کرایا اور صحن کعبہ میں آپ ﷺ کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر لوٹ گئے۔ مطعم بن عدی کے اعلان حمایت کے بڑے دور رس نتائج ظاہر ہوئے اور اسی وجہ سے آپ ﷺ مکہ میں رہ کر گرد و نواح کے قبائل میں تسلی سے اسلام پھیلا سکے۔

دعوت اسلام مکہ کے گرد و نواح میں:

اسی سال یعنی 619ء/10 نبوت میں آپ ﷺ نے مکہ کے گرد و نواح میں آباد قبائل میں جا کر انہیں دعوت

اسلام دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بعد آپ ﷺ نے جن قبائل عرب کو بالمشافہ دعوت اسلام دی سیرت نگاروں نے ان کے یہ نام دیے ہیں۔ بنوعامر' محارب' فزارہ' غسان' مرۃ' حنیفہ' بنونضر' کندۃ' کلب' حارث بن کعب' عذرۃ اور حضارمہ یادر ہے کہ ابن سعد نے اپنی تصنیف ''طبقات'' میں یہ سب نام دیے ہیں۔

ابولہب کو چونکہ آپ ﷺ سے ذاتی عناد تھا اس لیے وہ دشمنِ اسلام سائے کی طرح آپ ﷺ کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ آپ ﷺ جہاں بھی تشریف لے جاتے وہ وہاں پہنچ جاتا تھا۔ آپ ﷺ تلاوت قرآن فرماتے تو وہ رخنے ڈالتا اور شوروغل مچا کر لوگوں کو سننے نہ دیتا' یا آپ ﷺ کی ذات گرامی کے متعلق نازیبا ہرزہ سرائی کرتا۔ اس دوران وہ ملعون کبھی آپ ﷺ کو مجنوں اور کبھی ملحد کہتا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ لوگ آپ ﷺ کے حسن خطابت اور کلام الٰہی کی بلاغت سے متاثر نہ ہو جائیں۔ اس طرح وہ آپ ﷺ کے تعمیری کام اور مثبت انداز کے مقابلے میں منفی وتخریبی کارروائیوں میں ملوث رہتا تھا۔

بظاہر نامساعد حالات کے باوجود آپ ﷺ اپنا تبلیغی مشن سرانجام دیتے رہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ میلوں اور موسمی بازاروں جیسے سوق عکاظ اور سوق ذوالمجاز ومجنہ میں تشریف لے جاتے اور لوگوں میں فریضہ تبلیغ انجام دیتے تھے۔ وہ لوگ آپ کی ذات سے متاثر بھی ہوتے لیکن شرک وبت پرستی کی دیرینہ روایات کو چھوڑنا بھی ان کے لیے مشکل تھا جس کی بنیادی وجہ مؤرخین نے یہ بتائی ہے کہ عرب بڑے شدید قسم کے روایات وبزرگ پرست لوگ تھے۔ ان کے قبائلی نظام میں رئیس قبیلہ کا فیصلہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا اور اس فیصلے سے انحراف کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ زمانہ جنگ وامن دونوں ہی میں ''اطاعت امیر'' ان کی زندگی کا اہم پہلو تھا۔ اسی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کے مواعظ حسنہ کو سنتے اور ذاتی طور پر متاثر بھی ہوتے مگر دیرینہ معتقدات وروایات کو توڑنے اور چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتے اس پر قبائلی وفاداریاں بھی آڑے آتیں مگر اس کے باوجود اکادکا افراد آہستگی سے تحریک اسلام میں شامل ہوتے چلے گئے آپ ﷺ کی دوررس نگاہ نے یہ بات جان لی تھی کہ اہل مکہ اور اس کے گردونواح کے قبائل کو ابھی مکمل طور پر اسلام قبول کرنے میں وقت درکار ہے لہٰذا یثرب کے مشرک قبائل میں تبلیغی سرگرمیاں کامیاب رہیں گی اور یہ کہ یثرب کو ہی اسلام کا ملجا و مستقر بنالینا چاہیے۔ تاریخ نے بعدازاں آپ کا یہ فیصلہ انتہائی درست ثابت کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یثرب سے حج وعمرہ کے لیے آنے والوں کی طرف توجہ فرمائی جو جلد ہی بارآور ثابت ہوئی۔

اس سلسلے کی پہلی کامیابی بھی 619ء/10 نبوت میں ہوئی۔ حضرت سوید بن صامت ؓ جو اس بات کے مدعی تھے کہ ان کے پاس حضرت لقمانؑ کا صحیفہ حکمت ہے جسے وہ ''مجلّہ لقمان'' کا نام دیتے تھے' اس کے علاوہ انہیں شاعری و

شجاعت میں بھی کمال حاصل تھا۔ اسی بنا پر انہیں لوگ ''کامل'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہیں اپنی حکمت وشاعری پر بڑا ناز تھا۔ جب انہوں نے قرآن مجید کی حکمت وبلاغت کا شہرہ سنا تو وہ مقابلہ ومناظرہ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ خود دعوت اسلام دینے کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ حضرت سویدؓ نے مجلّہ لقمان پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اسے سراہا اور پھر انہیں قرآن حکیم سنایا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت ایمان لے آئے۔ واپس مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے تحریک اسلام کے لیے کام کیا مگر زندگی نے انہیں زیادہ مہلت نہ دی اور وہ جنگ بعاث میں جان کی بازی ہار گئے۔ لیکن پھر بھی تحریک اسلام کو اہل مدینہ میں روشناس کرانے میں ان کا کردار کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ساحر خود مسحود ہو گیا:

یمن کے ضمار بن ثعلبہ ؓ ازدی عرب کے ایک مشہور ساحر تھے اور علاج معالجہ بذریعہ سحر انجام دیتے تھے۔ علم وحکمت سے انہیں خاص شغف تھا۔ وہ کسی کام سے مکہ آئے تو انہیں پتہ چلا کہ قریش کے غلط پروپیگنڈا کی وجہ سے آپ ﷺ پر جنات کا اثر ہے۔ ضماد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ اپنے منتر سے آپ کا علاج کریں مگر جب آپ ﷺ سے کلام الٰہی سنا تو بے حد متاثر ہوا اور مسحور ہو کر آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔

اہل یثرب سے رابطہ

جولائی 619ء/11 نبوی ﷺ/2 ق ھ

جن ایام میں آنخضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کو تحریک اسلام کا مستقر بنانے کا فیصلہ کیا تھا آپ ﷺ مدینہ کے لوگوں کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔ یثرب میں دو قومیں آباد تھیں۔ اوس وخزرج۔ یہ دونوں یہود یثرب کی شاطرانہ چالوں کی وجہ سے خانہ جنگی کا شکار رہتے تھے۔ ان دنوں یہودیوں کی سازش کی وجہ سے ان دونوں قبائل پر پھر ایک بڑی اور خونریز جنگ کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ قبیلہ اوس جو خزرج سے شکست خوردہ تھے وہ طاقت کا توازن قائم رکھنے کے لیے وہ قریش مکہ کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے اس سلسلہ میں بات چیت کرنے کے لیے انہوں نے ایک سفارت انس بن رافع کی سرکردگی میں مکہ معظمہ بھیجی۔

جب یہ سفارت مکہ پہنچی تو آنخضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور چند آیات قرآنی تلاوت فرمائیں۔ اوس کی اس سفارت کے ارکان میں سے حضرت یاس بن معاذ ؓ جو اس وفد کے رکن

تھے ان کے دل کو اللہ تعالی نے قبولیت کی توفیق بخشی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا مگر سفارت کے قائد انس بن رافع نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔

620ء/ جنگ بعاث

اوس اور خزرج کے درمیان لڑی گئی اس جنگ میں دونوں قبائل کے نامور جنگجو جنگ میں کام آئے؛ تاہم اس جنگ کی ہلاکت و بربادی میں یہود کو بہت کم نقصان پہنچا۔ یہ جنگ اس قدر تباہ کن تھی کہ دونوں قبائل اس قدر کمزور ہو گئے کہ یہود کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے اہل نہ رہے۔ آخر دونوں میں صلح ہو گئی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ کسی شخص کو یثرب کا بادشاہ منتخب کیا جائے۔ دونوں فریقین عبداللہ بن ابی سلول کے انتخاب پر رضا مند ہو گئے۔ ابھی اس کی تاجپوشی کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ مدینہ منورہ میں تحریکِ اسلام کا آغاز ہو گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ جس سے دونوں قبائل میں یگانگت پیدا ہو گئی اور ان میں ایک مذہبی' معاشرتی اور معاشی انقلاب آ گیا اور ساتھ ہی ریاست مدینہ کی داغ بیل پڑ گئی جس کے بعد عبداللہ بن ابی کے بادشاہ بننے کا امکان ختم ہو گیا۔ یہ وہ صدمہ تھا جسے ابن ابی کبھی نہ بھلا سکا اور اس کی یہ حسرت اسے منافق بنا گئی۔

جولائی 620ء میں جب حج کا موسم آیا تو تحریک اسلام کی کامیابی کے آثار پیدا ہو گئے۔ مکہ میں اطراف' جوانب سے لوگ حج کے لیے آئے۔ آپ ﷺ حسب معمول اپنے تبلیغی مشن پر نکلے۔ دن بھر مکہ کی پہاڑی گھاٹیوں میں مختلف قبائل کے خیموں میں جا کر دعوت اسلام دیتے رہے۔ بظاہر اس دن آپ ﷺ کو کہیں کامیابی نہ ہوئی تاہم دن ڈھلے جب آپ مکہ سے چند میل کے فاصلے پر عقبہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی ملاقات قبیلہ خزرج کے لوگوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں توحید و تحریک اسلام سے آگاہ کیا اور پھر کلام الہی سنایا۔ کلام الہی کی ہر آیت ان کے دلوں پر بجلی بن کر گری اور ان کے قلب کو منور کر گئی۔ یہ تاثیر آیات قرآنی ہی تھی کہ وہ ایمان لے آئے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور آپ ﷺ ہی کا تذکرہ یہود مدینہ کرتے تھے۔ خزرج کے جن لوگوں نے اس موقع پر اسلام قبول کیا ان کے نام سیرت نگاروں نے یہ دیے ہیں۔

(1) حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ بن عدس ؓ (2) حضرت عوف بن الحرث بن رفاعہ ؓ (3) حضرت رافع بن مالک ؓ (4) حضرت قطبہ بن عامر ؓ (5) حضرت عقبہ بن عامر ؓ (6) حضرت جابر بن عبداللہ ؓ۔

یہ چھ انسان چھ انقلابی جماعتوں کے برابر تھے۔ ان کی کوششوں سے یثرب میں انقلاب آ گیا اور اسلام اور بانی اسلام کا چرچا یثرب کے ہر گھر میں عام ہو گیا جس سے تحریک اسلام کے یثرب میں آنے کی راہ ہموار ہو گئی۔

معراج سماوی کا عدیم المثال واقعہ

مارچ 620ء/ 12 نبوت/:

تمام پیغمبران کرام کا دنیا میں مشن خاص علم و حکمت اور تزکیہ نفس کے ذریعے انسان کو اس کے حقیقی مقام عبدیت پر متمکن کرنا اور اس کے الہ و رب سے ملانا تھا۔ آپ ﷺ تو رحمۃ اللعالمین ﷺ تھے آپ ﷺ تو نوع انسان کی گردن سے سیاسی' معاشی' ثقافتی اور معاشرتی غلامی و محکومی کے طبق کو اتارنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ انسان چاہے کتنا ہی بزرگ و برتر کیوں نہ ہو وہ پھر بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہی طبعی تقاضوں۔ نیند اور تکان وغیرہ کی تشفی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ آپ ﷺ چونکہ سارا سارا دن اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہتے اور اس کے لیے طویل سفر بھی کرتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کے جسم اطہر کو بھی رات کے وقت نیند و راحت و آرام کی ضرورت ہوتی تھی۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد آرام فرماتے اور سو جاتے تھے' لیکن اس عالم خواب میں بھی آپ ﷺ کا قلب مبارک بیدار رہتا تھا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب بیدار کی نوعیت ایک عام انسان کے قلب بیدار کی نوعیت سے مختلف ہوتی تھی پھر آپ ﷺ آدھی رات کے بعد اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے بیدار ہو جاتے تھے۔ چونکہ آپ ﷺ ایک مثالی انسانی معاشرے کی تشکیل جیسے صبر آزما کام میں مصروف تھے اور اس کام کے لیے آپ ﷺ بھی انتہائی نامساعد اور شکیب ربا حالات سے گذر رہے تھے جس کے دوران انسانی دل کی تشفی کے لیے اللہ تعالی نے آپ ﷺ بعض اہم حقائق زندگی اور خاص کر اسلامی معاشرے کے مستقبل کی جھلک دکھلانے کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ کو اس عالم کی سیر کرائی تھی جس کے زمان و مکاں کی نوعیت کچھ اور تھی۔ محققین نے لکھا ہے کہ دہر سے مراد زمان محض ہے جو وقت' عصر اور زمان سے وراء ہے اسے زمان رحمٰن کہتے ہیں اور ''الحیوان'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ عالم حیات موت سے نا آشنا ہے اور حیات ابدی سے متصف ہے۔ ظاہر ہے ایسے عالم کی سیر و مشاہدہ کرنے کے لیے حواس و قلب انسانی کی ماہیت میں تبدیلی ضروری تھی۔ چنانچہ 27 رجب المرجب 21 ق ھ/ بمطابق 8 مارچ 620

عیسوی کو اس غرض کے لیے دو فرشتے کاشانہ نبوی ﷺ میں بھیجے۔انہوں نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا اور قلب کو سماوی آب مطہر سے دھویا اور پھر واپس اس کے مقام پر رکھ دیا۔پھر بقول قرآن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بیت اللہ سے بیت المقدس تک کی سیر کرائی اور اس کے بعد عالم سماوی کی کہ جہاں ماضی و مستقبل ایک لمحہ جاودانی کی طرح اور ان کے وقائع ایک متحرک تصویر کی طرح موجود ہیں۔حضور ﷺ کی حیات طیبہ کا یہ واقعہ ''معراج'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔قرآن مجید میں اس واقعہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ
بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل 1:17)

وہ منزہ و پاک ذات ہے جو اپنے بندے کو رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک، جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے، لے گیا، تاکہ اسے اپنی آیات یا نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سمیع و بصیر ہے۔

یہ نشانیاں کیا تھیں؟ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ہے یہ سفر سیرت نگاروں کے مطابق ایک جنتی سواری براق پر کیا گیا اس کا نام جاردو ہے۔مکہ سے القدس تک کا سفر اس برق رفتاری سے طے ہوا کہ اس کا ایک ایک قدم منتہائے نظر تک اٹھتا تھا۔القدس پہنچ کر آپ ﷺ نے دوگانہ نماز کی امامت فرمائی اس میں تمام انبیاء کرام آپ ﷺ کے مقتدی تھے۔

اسی رات آپ ﷺ بیت المقدس سے پہلے آسمان پر پہنچے پھر دوسرے پر اسی طرح درجہ بدرجہ آپ ﷺ ساتوں آسمانوں سے اوپر تک تشریف لے گئے۔اسی رات آسمانوں میں آپ کی ملاقات انبیاء کرامؑ سے ہوئی جو آپ ﷺ کے استقبال کے لیے بیت القدس سے وہاں تشریف لا چکے تھے۔پہلے آسمان پر آدم علیہ السلام، دوسرے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام علیہ السلام تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام پانچوں پر حضرت ہارون علیہ السلام چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔اسی رات آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ دیکھا اسی رات آپ ﷺ نے چار نہریں ملاحظہ فرمائیں جو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکل رہی تھیں۔دو نہریں ظاہری اور دو باطنی جن کا نام تسنیم اور سلسبیل ہے جنت سے گزرتی ہیں جب کہ ظاہری نہریں جو نیل اور فرات ہیں زمین پر ہیں۔اسی رات سفر معراج ہی میں آپ ﷺ نے بیت المعمور کا مشاہدہ کیا یہ فرشتوں کا کعبہ شریف ہے۔ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں اور قیامت تک کسی فرشتے کو دوبارہ اس بیت کے طواف کی نوبت نہیں آئے گی۔

اسی شب آپ ﷺ نے جنت اور اس کی رحمتوں کا نیز دوزخ اور اس کے عذاب کا معائنہ فرمایا اور وہاں کے

معین فرشتوں کو دیکھا اسی رات آپؐ کی خدمت میں شراب، دودھ، اور شہد کے جام پیش کیے گئے، آپ ﷺ نے دودھ کو قبول فرمایا اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی رہنمائی اس فطرت کی طرف ہوئی جو آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کی امت کا طرۂ امتیاز ہے۔

اسی رات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر یومیہ پانچ نمازیں فرض کیں، اولاً دن اور رات میں ۵۰ نمازیں فرض ہوئی تھیں مگر آنحضرت ﷺ نے تخفیف کی درخواست کی اور اس کے لیے نو بار، بارگاہِ خداوندی سے رجوع کیا، ہر بار پانچ نمازوں کی تخفیف ہوتی رہی اور جب پانچ رہ گئیں تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ ادا کرنے میں تو پانچ ہیں مگر ثواب کے اعتبار سے پچاس کے برابر۔

اسی رات آنحضرت ﷺ کو عرش سے اوپر رفعت حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی بارگاہ کے قرب سے نوازا اور کلام قدیم ازلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے ہم کلام ہوئے۔ارشاد خداوندی ہوا کہ قریب آیئے؛ پس انتہائی قرب حاصل ہوا فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (سورۃ النجم آیت ۹) آپ ﷺ نے ظاہری آنکھوں سے جمال خداوندی کی زیارت کی۔قال النبی ﷺ رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ

اسی رات آپ ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں سلام عرض کرنے کے لیے یہ الفاظ القا ہوئے:

"التحیات للہ والصلوات۔۔۔"

شب معراج کی صبح کو جب قریش کو آپ ﷺ کے بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے حسب معمول آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ سے بیت القدس کی تفصیلات طلب کیں۔اس پر بحکم خداوندی بیت القدس کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا۔اور آپ ﷺ ایک ایک چیز کی تفصیل با آسانی دیکھ کر قریش کو بتاتے رہے یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ بیت القدس کو اُٹھا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔

شب معراج کی صبح کو یہ معجزہ بھی رونما ہوا کہ کفار قریش نے نشانی کے طور پر اس قافلے کے بارے میں پوچھا جو تجارت کے لیے مکہ سے شام جا رہا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قافلہ فلاں مقام پر جا رہا تھا، اس میں اتنے آدمی اور اتنے اونٹ تھے، کفار نے پوچھا کہ یہ قافلہ کب واپس آئے گا، آپ ﷺ نے اس قافلے کی واپسی کی صحیح تاریخ بتائی اور بتایا کہ قافلے میں سب سے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہوگا جس کا پالان سیاہ ہوگا اور اس پر دو بوریاں لدی ہوں گی۔

620ء کے مزید واقعات

تصدیق صدیق ؓ

جس طرح حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو مردوں میں ایمان سب سے پہلے لانے کی سعادت حاصل تھی اسی طرح انہوں نے سب سے پہلے واقعہ معراج کی ایسے یقین کامل سے بلا تامل تصدیق کی جو کہ صدق کا خاصہ تھا، الہٰذا آپ ﷺ نے اسی موقع پر حضرت ابو بکر ؓ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صدیق کے لقب کے ساتھ زندہ جاوید کر دیا۔

☆ اسی سال حبشہ میں حضرت جعفر ؓ بن ابی طالب کے ہاں ان کے فرزند حضرت عبداللہ ؓ بن جعفرؓ کی ولادت ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ کی عمر وصال نبوی کے وقت 16 سال تھی۔ وہ بڑے سخی تھے اور شرف سخاوت کی وجہ سے بحر الجود کہلاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دامن اسلام میں اس کم سن صحابی ؓ سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں تھا۔

☆ اسی سال یعنی 620 عیسوی۔12 نبوت میں ابو بشر غفار ؓ بن بشر بن وقش انصاری الاشہلی نے حضرت مصعب ؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول فرمایا یہ ان دو حضرات میں سے ایک تھے جن کی یہ کرامت ظاہر ہوئی تھی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں نماز عشاء ادا کی۔ جب یہ اپنے گھروں کو لوٹے تو رات اندھیری تھی۔ دونوں اصحاب کے ہاتھوں میں عصا تھا، جب یہ آنحضرت ﷺ کے قریب سے گذرے تو عصا روشن ہو گیا، اس کی روشنی میں چلتے ہوئے جب دونوں کے راستے جدا ہوئے تو دونوں کے عصا روشن ہو گئے یہاں تک کہ یہ اپنے گھروں کو پہنچ گئے، یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا اور ان کی کرامت، ان کے ساتھ اس رات دوسرے صحابی اسید بن جعفر ؓ تھے۔

☆ اسی سال ابو سلمہ عبداللہ بن الاسد المخزومی ؓ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ یہ پہلے شخص تھے جو آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر عازم مدینہ ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی پھر واپس مکہ آگئے تھے پھر سب مشرکین مکہ نے ان پر دوبارہ عرصۂ حیات تنگ کیا اور ادھر مدینہ میں اسلام پھیلنے کی خبر آگئی تو انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

620ء/12 نبوت حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ کا قبول اسلام

سفر معراج سے واپسی پر آپ ﷺ نے تبلیغ و دعوت کی مہم کو تیز تر کر دیا۔ انہیں دنوں مکہ معظمہ میں یمن کے قبیلہ دوس کے سردار حضرت طفیل بن عمرو دوسی کسی کام سے آئے۔ ان کا عمائدین قریش نے شاہانہ استقبال کیا اور ان کی بہت

خاطر و مدارات کی گئی، ساتھ ہی سرداران قریش نے ان کو آنحضرت ﷺ سے راہ رسم پیدا کرنے سے منع کر دیا۔ حضرت طفیل ؓ دوسی سے روایت ہے کہ قریش نے انہیں اس خطرے سے خبردار کیا جو آنحضرت ﷺ سے ملنے سے پیدا ہونا تھا۔ قریش نے انہیں بتایا کہ نعوذ باللہ یہ شخص ساحر ہے اور زن و شوہر اور بھائی بھائی میں جدائی ڈال دیتا ہے لہٰذا یہ نصیحت قبول کرو کہ اس کے قریب تک نہ جانا، نہ ہی اس کی کوئی بات قابلِ اعتبار سمجھنا۔

مگر کہتے ہیں کہ ہونی اپنے بل چلتی ہے۔ ایک دن حسن اتفاق سے حضرت طفیلؓ دوسی نے صحنِ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے تلاوت قرآن کرنے کی آواز سُنی جو اُن کے دل پر اثر کر گئی۔ وہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے آستانہ نبوت ﷺ پر حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے قرآن مجید کی تلاوت بارِ دیگر کرنے کی درخواست کی۔ جب آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی تو یہ سردار یمن بلا تامل ایمان لے آئے۔

☆ اسی سال حضرت ابوذر غفاری ؓ تلاش حق میں مکہ آئے۔ جب انہوں نے سُنا کہ مکہ میں ایک قریشی نے دعویٰ نبوت کیا ہے تو پہلے انہوں نے دریافت احوال کے لیے اپنا بھائی مکہ بھیجا مگر اطمینان نہ ہوا تو خود مکہ پہنچے۔ آپ ﷺ کا حسن پیغمبرانہ دیکھا اور آپ ﷺ سے اسلام کے سچے عقائد کی تبلیغ سُن کر اتنے متاثر ہوئے کہ فوراً اسلام لے آئے۔

☆ سیرت کبریٰ، مولانا قاسم، معارج النبوۃ، ملا معین کاشفی الہروی، ضیاء النبی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، نبی رحمت ﷺ مولانا سید ابوالحسن ندوی، عہد نبوت کے ماہ و سال، مولانا ہاشم ٹھٹھوی، سیرت ابن ہشام

621ء/ذوالحجہ 12 نبوت 1 ق ھ

بیعت عقبہ اولیٰ

یثرب میں جب اسلام کے عقائد جلیلہ کا ذکر پھیلا تو اہل یثرب کے دل جو خدا نے پہلے ہی پاکیزہ بنائے تھے، اسلام کی طرف راغب ہوگئے، اہل یثرب کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی آرزو بھی روز افزوں ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ 621ء/12 نبوت میں جب موسم حج آیا تو بارہ کے قریب اہل اشتیاق کو مکہ آنے کا موقع ملا۔ یہ پروانے جب فرط اشتیاق سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کے فیضان نظر سے ان کی دنیا بدل گئی اور ان کے قلب ونگاہ کی تطہیر ہوگئی۔ ان کے دلوں سے کفر وشرک کا اندھیرا دور ہوگیا اور ان کے قلب اسلام کے نور سے منور ہوگئے۔ ان اہل شوق کے نام سیرت نگاروں نے یہ دیے ہیں: (۱) حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ (۳) حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (۴) حضرت ابوالہیثم مالک رضی اللہ عنہ بن تیہان (۵) حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ (۶) حضرت قطبہ بن عامر بن حدید رضی اللہ عنہ (۷) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۸) حضرت معاذ بن حرث رضی اللہ عنہ (۹) حضرت ذکوان بن قیس رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت خالد بن مخلد رضی اللہ عنہ (۱۱) حضرت عبادہ بن صابت رضی اللہ عنہ (۱۲) حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے پانچ اشخاص وہ تھے جو گذشتہ برس مکہ میں موسم حج میں ایمان لا چکے تھے۔

طبقات ابن سعد کے مطابق مدینہ کی ان شخصیات نے مندرجہ ذیل باتوں پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی:

(۱) ہم اس اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔
(۲) ہم نہ تو چوری کریں گے اور نہ ہی زنا اور نہ اولاد (بیٹیوں) کو قتل کریں گے
(۳) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی لگائیں گے۔
(۴) ہم اچھی بات (امر بالمعروف) میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے۔

اس بیعت کو سیرت نگاروں نے بیعت النساء کا نام دیا ہے۔اس بیعت میں جہاد کا کوئی ذکر نہ ہونے کی وجہ سے اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جہاد ابھی فرض نہیں ہوا تھا اس بیعت کو مؤرخین نے بیعت عقبہ اولیٰ یعنی عقبہ کی پہلی بیعت اس لیے کہا ہے کہ یہ بیعت عقبہ کے مقام پر ہوئی تھی۔

کفر وشرک کے اندھیروں سے نکلنے کے بعد یثرب کے ان خوش قسمت اولین مسلمانوں کے دل میں جو پہلی خواہش پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ ان کے ہم وطن بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور ان کا دامن بھی اسلام کی نعمتوں سے بھر جائے،اس مقصد کے لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ یثرب میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے کوئی مبلغ ومعلم ان کے ساتھ بھیجا جائے۔آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور فرمائی اور حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔مشہور مسلم مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن ام کلثوم ؓ کو بھی ساتھ بھیجا تھا۔

حضرت مصعب بن عمیر ؓ حضرت اسعد بن زرارہ ؓ کے ہاں مہمان ہوئے۔یاد رہے کہ آپ ؓ ہجرت حبشہ کرنے والے اولین مسلمانوں میں سے ایک تھے۔اسلام لانے سے پہلے آپ کے انداز انتہائی امیرانہ تھے اور اچھی پوشاک زیب تن کرنا ان کی ترجیحات میں شامل تھا مگر تحریک اسلام میں شمولیت کے بعد آپ ﷺ کے فیضان نظر سے معلم علم وحکمت بن گئے۔پھر آپ ﷺ کی صحبت کا اثر تھا کہ انہوں نے سادگی کو اپنا لیا تھا۔ان کی ذات میں ہجرت حبشہ اور دیگر تجربات زندگی سے حلم وبردباری اور صبر واستقامت بدرجہ اتم پیدا ہو گیا تھا۔اس کے علاوہ انہیں گفتگو کرنے کا سلیقہ آتا تھا اور جو کچھ کہتے وہ دوسروں کے دلوں میں اترتا تھا۔انہیں خوبیوں کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنا سفیر منتخب کیا تھا۔مدینہ پہنچ کر اس پیکر فقر وغنا کا انداز مکہ کے امیر زادے سے بالکل بدل گیا تھا اب یہ گھر سے نکلتے تو لباس پھٹا ہوا ہوتا اور کندھوں پر ایک بوسیدہ سی کمبلی ڈالی ہوتی۔مدینہ کی گلیوں میں اسلام کی دعوت دینے کی اولین سعادت انہیں کو حاصل ہوئی،وہ لوگوں کو قرآنی آیات سنا کر وعظ ونصیحت کرتے اور بڑے دلنشیں انداز میں اسلام کی دعوت دیتے۔ان کی باتیں لوگوں کے دلوں میں اُتر جاتی تھیں۔اس کے علاوہ حضرت مصعب بن عمیر ؓ مسلمانوں کو قرآن پڑھانے اور نماز سکھانے کے لیے اولین معلم کے طور پر فرائض انجام دیتے۔کبھی وہ اسعد انصاری ؓ کے ہاں لوگوں کو وعظ کرتے اور کبھی بنو ظفر کے گھروں میں۔یہ گھر ان دنوں مدینہ منورہ کے پُر رونق گھروں سے تھے اور ان میں عبدالاشہل اور بنو ظفر کے خانوادے اکٹھے ہوتے تھے۔عبدالاشہل کا قبیلہ مدینہ منورہ کے صاحب اثر ورسوخ اور طاقتور لوگوں میں سے ایک تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیر ان کے سردار تھے۔ان کو مدینے کے مشرکین اسلام سے بدظن کرنے کی کوشش

کرتے تھے اور مکہ کی طرح سرداری نظام بھی اسلام کے راستے کی رکاوٹ تھا۔

ایک دن جب حضرت مصعب بن عمیر ؓ بنو ظفر کے گھر میں تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور حضرت اسعد ؓ بھی ان کے ساتھ موجود تھے اتنے میں کسی نے حضرت سعد بن معاذ ؓ کو اس کی اطلاع دی تو وہ طیش میں آ گئے اور حضرت اُسید بن حضیر ؓ کو وہاں بھیجا۔آپ ہاتھ میں نیزے لیے بنو ظفر کے گھر پہنچے اور حضرت اسعد ؓ اور حضرت مصعب ؓ کو للکار کر پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو،کیا تم ہمارے لوگوں کو بہکا رہے ہو؟ حضرت مصعب ؓ نے انتہائی متانت سے اس کا جواب یہ دیا کہ آپ تشریف رکھ کر ہماری بات سنیں اگر کوئی بات پسند آ جائے تو اپنا لیجیے ورنہ بلا تامل چھوڑ دیجیے اس بات کو منصفانہ تسلیم کر کے حضرت اسید بن حضیر ؓ بیٹھ گئے اور حضرت مصعب ؓ نے اسلام کے بنیادی عقائد اور فضائل بیان کرنے کے بعد انہیں آیات قرآنی سنائیں،بے ساختہ حضرت اسید ؓ کی زبان سے نکلا یہ کلام کتنا اعلیٰ ہے ؟ کلام الٰہی ان کے دل میں اُتر گیا،انہوں نے اسلام قبول کر کے حضرت سعد بن معاذ ؓ کو بھی قائل کر لیا اور وہ بھی حضرت مصعب ؓ کی باتیں سننے پر رضامند ہو گئے،بعد ازاں ایمان لا کر جب وہ اپنے قبیلے میں لوٹے اور اپنے قبیلے بنو عبدالاشہل کو کہا کہ تمہاری نظروں میں میری کیا حیثیت ہے انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں اس پر آپ ؓ نے کہا کہ اس وقت تک میں تم سے بات چیت نہیں کروں گا،جب تک تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاؤ گے۔یوں ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور یوں مدینہ منورہ کی فضا نور اسلام سے معمور ہو گئی۔

سیرت ابن ہشام،پیغمبر اعظم وآخر،ڈاکٹر نصیر احمد ناصر،رحمۃ للعالمین،قاضی سلیمان،Encyclopedia Seerah,Afzallrrahman،مدارج نبوت،مولانا عبدالحق محدث دہلوی،عہد نبوت کے ماہ وسال،مولانا ہاشم ٹھٹھوی،جوامع السیرۃ،ابن حزم،محسن انسانیت ﷺ نعیم صدیقی۔

جون 622ء بیعت عقبہ ثانیہ

سن نبوت کا تیرھواں سال اپنے جلو میں کامیابیاں اور کامرانیاں لایا، حج کے دن آئے تو مدینہ سے بنو اوس اور بنوخزرج کی ایک مشرکہ بڑی جماعت، جس میں 73 مرد اور دو خواتین شامل تھیں۔ مکہ میں حاضر ہوئی، یہ جماعت نہ صرف آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے اسلامی توحید اور اخلاقی حدود کے تحفظ کی ذمہ داری اپنے سر لینے آئی تھی بلکہ اس جماعت کی آمد کا مقصد نبی ﷺ کو مدینہ تشریف لے جانے کی دعوت دینا تھا ملاقات کا وقت بوقت رات بمقام عقبیٰ (منیٰ) طے پایا۔ چونکہ اس بیعت و معاہدہ کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ تھی اس لیے مسلمانان مکہ اور مدینہ کے مشرکوں سے اسے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ وقت مقررہ پر آنحضرت ﷺ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعینہ مقام پر تشریف لے آئے۔ گفتگو کا آغاز ہوا اور پروانے رسالت ﷺ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اس دوران حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اُس وقت تک اسلام نہ لائے تھے، ایک بصیرت افروز بات کہی، انہوں نے بنوخزرج کے افراد سے جو تعداد میں زیادہ تھے مخاطب ہو کر کہا تمہیں معلوم ہے کہ قریش مکہ (حضرت) محمد ﷺ سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں، اگر تم آج ان سے کوئی عہد و پیمان کرنے لگے ہو تو یہ یاد رکھو کہ یہ بڑا نازک اور مشکل کام ہے۔ ان سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ وہ تمہارے شہر میں جانا چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ بنو ہاشم ان کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں اور ہم نے ان کے لیے بڑی بڑی کٹھنائیاں برداشت کی ہیں۔ اگر تم بھی ان کے لیے مصائب و سختیاں جھیل سکو اور مرتے دم تک ان سے وفادار رہ سکو تو بہتر ہے ورنہ بصورت دیگر ابھی جواب دے دو اور دونوں میں سے جو بھی قدم اُٹھاؤ سوچ سمجھ کر اُٹھاؤ ورنہ بہتر ہے کہ کچھ نہ کرو۔ اس موقع پر اہل مدینہ کی طرف سے ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! ہم یہود مدینہ کے حلیف ہیں، اس بیعت کے بعد ان سے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ ہاں آپ ﷺ یہ فرمائیں کہ کل جب آپ ﷺ کو قوت و اقتدار حاصل ہوگا تو کہیں آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر مکہ واپس تو نہیں لوٹ آئیں گے۔

ابوالہیثمؓ کی یہ بات سُن کر آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: نہیں۔ تمہارا خون اب میرا خون ہے، تم میرے اور میں تمہارا ہوں ایک اور روایت کے مطابق حضرت عباسؓ کے اہل مدینہ سے خطاب کے بعد اہل مدینہ نے آپ ﷺ سے کچھ فرمانے کی درخواست کی جس پر آپ ﷺ نے کچھ آیات قرآنی تلاوت فرمائیں جوان کے دلوں میں گہرائی تک اترتی چلی گئیں اوران پر رقت طاری ہوگئی وہ یک زبان ہوکر بولے ''آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئیں''۔ اس پر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیاتم دین حق کی تبلیغ واشاعت میں مجھ سے تعاون کروگے؟ اور جب میں تمہارے شہر میں رہائش اختیار کرلوں تو کیاتم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی طرح کروگے؟

سب نے ان سوالوں کا جواب ہاں میں دیااور پھر آپ ﷺ سے جوابی سوال کیا ''لیکن ان تمام خدمات کا صلہ ہمیں کیا ملے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جنت''۔ آپ ﷺ کے اس جواب نے سب کو مسرور کردیا اور وہ جوق در جوق آپ ﷺ سے بیعت کرنے لگے۔ بیعت کا سلسلہ چل رہا تھا کہ اہل مدینہ میں سے حضرت اسعد بن زرارہؓ نے کھڑے ہوکر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرکے کہا بھائیو! کیاتمہیں خبر ہے کہ تم کس چیز پر بیعت کررہے ہو؟ یہ عرب وعجم کے ہر ذی روح سے اعلان جنگ کی بیعت ہے۔ اس پر سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہاں ہم اس پر دل وجاں سے بیعت کررہے ہیں۔

جب یہ بیعت ہوچکی اور بانی اسلام ﷺ نے مدینہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرمادیا تو آپ ﷺ نے کچھ نقیب انقلاب مقرر کرنے کا فیصلہ کیا اور انصار مدینہ سے مشاورت کے بعد بارہ اشخاص کا انتخاب فرمایا جس میں سے نو کا تعلق بنوخزرج سے تھا اور تین قبیلہ اوس سے تھے۔ ان نقیبان انقلاب کے نام سیرت نگاروں نے یہ دیے ہیں:

قبیلہ خزرج سے :۔ اسد بن زرارہؓ، سعد بن الربیعؓ، عبداللہ بن الرواحہؓ، سعد بن عبادہؓ نذر بن عمرؓ، براء بن مصرورؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عبادہ بن صامتؓ، رافع بن مالکؓ۔

قبیلہ اوس سے :۔ اُسید بن حضیرؓ، ابوالہیثم بن تیہانؓ، سعد بن خثیمہؓ۔ قریش کے مخبروں نے انہیں اس بیعت ومعاہدے کی سرسری سی خبر دی تو وہ حیران تو ہوئے مگر بروقت اس کی تحقیق نہ کرسکے جب انہوں نے اس سلسلہ میں تحقیق کے لیے اہل مدینہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو انصار مدینہ کا قافلہ دور جاچکا تھا، البتہ حضرت سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ پیچھے رہ گئے تھے، قریش نے غصے میں آکر ان دونوں پر حملہ کردیا، حضرت سعد بن عبادہؓ گرفتار ہوگئے، قریش انہیں قیدی بناکر مکہ لے آئے اور بُری طرح مارنے پیٹنے لگے تاہم جبیرؓ بن مطعم اور حارث بن امیہ کی مداخلت سے ان کی گلوخلاصی ہوئی اور وہ واپس مدینہ لوٹ گئے۔ بعض محققین کے نزدیک سنہ نبوت کے تیرہ سال پورے ہوئے تو

چودھواں سال مکہ ہی میں شروع ہوا یہی سنہ ہجری کا پہلا سال کہلاتا ہے۔ اس سال میں بیعت عقبہ ثانی کے تین ماہ بعد آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منوہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ کچھ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جن میں کازرونی شامل ہیں کہ ہجرت 14 نبوت میں ہوئی جبکہ حافظ ابن کثیر اور کئی دیگر سیرت نگاروں نے ہجرت کو تینوں عقبات کے بعد سنہ 12 نبوت کا واقعہ بتایا ہے۔ کئی محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ حافظ ابن کثیر نے سنہ نبوت کو یکم محرم کی بجائے آغاز وحی سے شروع کیا ہے جو محققین کے نزدیک 12 ربیع الاول کو ہوا تھا اور اس کے ٹھیک تیرہ سال بعد آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ تاہم اگر سنہ نبوت کو محرم الحرام سے شروع کیا جائے تو پھر ہجرت قرار واقعی سنہ 14 نبوت میں ہوئی تھی۔

عہد نبوت ﷺ کے ماہ وسال، مولانا ہاشم ٹھٹھوی، تاریخ طبری، سیرت النبی، ابن کثیر، تاریخ ابن خلدون، طبقات ابن سعد، نبی رحمت ﷺ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ہجرت عظمیٰ۔۔۔تاریخ کا ایک اہم سنگ میل

ستمبر 622ء۔1۔ھ

ہجرت نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ پوری تاریخ انسانی کا ایک اہم سنگ میل ہے۔اسی اہم سنگ میل سے گذرنے کے بعد تحریک اسلام کو مدینہ منورہ جیسی سازگار فضا میسر آئی اور اسلام کو آزاد دنیا میں مضبوطی سے پاؤں جمانے کا موقع ملا ۔محققین نے لکھا ہے کہ اگر سیرت نبوی ﷺ میں ہجرت کا اہم موڑ نہ آتا تو تحریک اسلام کو قریش کے زندان سے کبھی نکلنے کا موقع نہ ملتا جس کے نتیجے میں بنی نوع انسان اسلام کے فیض و رحمت سے کبھی سیراب نہ ہوتی۔

ہجرت کا اذن عام:

بیت عقبہ ثانیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانان مکہ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عام عطا فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے لیے انصار (بھائی مددگار) پیدا کردیے ہیں اور ایک ایسا شہر امن فراہم کردیا ہے جہاں اب تم تعلیمات اسلام پر امن سے عمل پیرا رہ سکتے ہو۔ہجرت کا حکم ملتے ہی سب سے پہلے حضرت عامر بن ربیعہ الفزری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی لیلیٰ رضی اللہ عنہا بنت ابی حشمہ کے ساتھ ہجرت کی ان کے بعد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نکلے۔پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ حضرت رقیہ بن رسول ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔پھر ہجرت کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا اور لوگوں کے کنبے کے کنبے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر راہ ہجرت اختیار کرنے لگے۔مشہور سیرت نگار ابن ہشام نے ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے کہ مکہ کے تین خاندان بنی مظعون، بنی البکیر اور بنی جحش بن بنی رباب کے تمام افراد ہجرت کر گئے اور ان کے گھر مکہ میں خالی پڑے رہے، سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک دن ابوجہل کا گھر مکہ کے ان ویران گھروں کے قریب سے ہوا تو ابوجہل پکار اُٹھا: یہ ہمارے برادران نے کیا کیا کہ ہمارے اجتماع کو پارہ پارہ کردیا، ہماری وحدت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا اور ہمیں ایک دوسرے سے جدا کردیا

اپنے رفقاء کو ہجرت کے اجازت عام دینے کے باوجود رحمت عالم ﷺ خود مکہ میں ہی اذن الٰہی کے منتظر رہے۔ پھر ایسا وقت آیا کہ کوئی مسلمان بھی مکہ میں نہ رہا سوائے ان چند لوگوں کے کہ جنہیں قریش نے محصور کر رکھا تھا۔ تاہم رفقائے نبویؐ میں سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت علی ؓ خصوصی طور پر مکہ میں رہے۔ جب قریش نے یہ صورتحال دیکھی کہ مسلمانوں کو بالآخر ایک ایسا شہر مل گیا جہاں ایک ایک کر کے سب منتقل ہو چکے ہیں اور قریب ہے کہ خود (حضرت) محمد ﷺ بھی ہاتھ سے نکل جائیں تو انہوں نے تمام سرداران قریش کا دارالندوہ میں اجلاس طلب کر لیا تا کہ نئی صورتحال سے نمٹا جا سکے۔ سرداران قریش نے سر جوڑ لیے کہ اب (حضرت) محمد ﷺ کے خلاف کیا لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ ایک تجویز یہ سامنے آئی کہ آپ کو کسی آہنی قید خانے میں منتقل کر دیا جائے مگر اس تجویز پر یہ اعتراض سامنے آیا کہ اس شخص کی بات تو آہنی دروازں سے بھی باہر نکل جائے گی اور اس کے ساتھی زور پکڑ گئے تو کیا امید ہے کہ اس کو بزور طاقت اس قید خانے سے نکال لے جائیں۔ ایک رکن مجلس نے دوسری یہ تجویز پیش کی کہ آپ ﷺ کو حدود مکہ سے باہر جلاوطن کر دیا جائے، اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ وہ اپنی حسن گفتاری کو نہیں جانتے بلاشبہ وہ جلد ہی پورے عرب کو اپنی مٹھی میں لے لیں گے۔ اس کے بعد ابوجہل نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ تمام قبیلوں کے مضبوط اور معزز نوجوان مل کر یکبارگی (حضرت) محمد ﷺ پر حملہ کر کے ان کا قصہ پاک کر دیں اور ہمیں ان سے نجات مل جائے دوسری طرف ان کا خون بھی تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اس طرح بنو ہاشم اتنے قبائل سے بدلہ لینے کی جرأت بھی نہیں کر سکیں گے۔ اس مجرمانہ تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ سازشی اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اس سازشی اجلاس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۳۰ میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ○ (القرآن 30-8)

ترجمہ "اور یاد کرو اس گھڑی کو جب کہ کفار تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کو قید میں ڈالیں یا قتل کر دیں یا باہر نکال دیں وہ اپنی سی تدبیریں لڑاتے ہیں اور اللہ جواباً دوسری تدبیر کرتا ہے اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔"

12 نومبر 622 ہجرت عظمیٰ کی پراسرار رات کی روئیداد:

ہجرت کی رات انتہائی پراسرار رات تھی۔ اس دن دوپہر کے وقت آنحضرت ﷺ اپنے رفیق خاص، حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں رازدارانہ لہجے میں بتایا کہ رب کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے

اس پر جناب صدیق ؓ نے رفاقت سفر کی درخواست کی جو آپ ﷺ کو پہلے سے ہی قبول تھی۔ اس قبولیت پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے، انہوں نے ہجرت کے سفر کے درپیش ہونے کی وجہ سے دو اونٹیاں پہلے ہی تیار کر رکھی تھیں، اب آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں اور کہا کہ آپ ﷺ ان میں سے ایک کو ہدیتاً قبول فرمایا۔ حضرت ابوبکر ؓ کو منصوبۂ ہجرت سے آگاہ کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ گھر تشریف لے گئے اور حضرت علی ؓ کو ہمراز ہجرت بنایا اور انہیں تلقین فرمائی کہ بعد از ہجرت لوگوں کی امانتیں ان کو واپس کر دیں اور خود بھی مدینہ چلے آئیں، یہاں غور کریں کہ قریش جو آپ ﷺ کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے مگر آپ ﷺ پر ان کے اعتماد کی یہ حالت تھی کہ اپنی بیش قیمت اشیاء ابھی تک حضور ﷺ کی تحویل میں ہی رکھتے تھے۔ شام ہوئی تو آپ ﷺ نے ہجرت کی رات اپنے بستر پر حضرت علی ؓ کو رات بسر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ بفضل تعالیٰ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ یہاں آپ ﷺ کے اولوالعزم انسان ہونے کی یہ شہادت ملتی ہے کہ آپ ﷺ خطرناک سے خطرناک صورتحال میں بھی نہ تو گھبراتے اور نہ ہی مضطرب ہوتے تھے بلکہ پرسکون رہتے ہوئے صحیح فیصلے فرماتے تھے اور یوں نامساعد ترین حالات پر قابو پا لیتے تھے۔

جب رات ہوئی تو مکہ خاموشی اور تاریکی میں ڈوب گیا، کاروبار زندگی معطل ہو گیا، لوگ اپنے شبستانوں میں آرام کرنے لگے۔ مگر جو دشمن آنحضرت ﷺ کو ابدی نیند سلانے کے خواہاں تھے وہ جاگ رہے تھے۔ اور زیرو ہاور Zero Hour یا صفر ساعت کا انتظار کر رہے تھے کہ اپنے خطرناک منصوبے پر عمل پیرا ہو جائیں۔ جرائم ہمیشہ تاریکی میں ہی انجام پائے جاتے ہیں رات ذرا تاریک ہوئی تو قریش کا حملہ آور دستہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ رات کا پچھلا پہر تھا محاصرہ کرنے والے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آنحضرت ﷺ ان کے محاصرے میں گھر سے نکلیں گے، لہٰذا اس سوچ کی وجہ سے اور حکم ربی سے وہ غافل ہو گئے۔ اور مکہ کی خنک ہواؤں نے جلد ہی انہیں نیند سے مدہوش کر دیا۔ آپ ﷺ منتظر تھے کہ وہ غافل ہوں، جیسے ہی ان کو آپ ﷺ نے غافل پایا تو آپ ﷺ سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت فرماتے ہوئے کاشانہ نبوت ﷺ سے نکلے، جب آپ ﷺ کافی دور جا چکے تو کسی نے آپ ﷺ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا اور جا کر محاصرین کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے تصدیق کے لیے کاشانہ نبوت ﷺ کی دیوار پر سے جھانکا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے بستر پر کوئی آپ ﷺ کی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہا ہے۔ وہ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ کے بچ نکلنے کی اطلاع غلط ہے اور آپ ﷺ خود اپنے بستر پر محو استراحت ہیں۔ وہ پھر مطمئن ہو کر وقت حملہ کا انتظار کرنے لگے۔ طبقات ابن سعد میں ابن سعد نے ان محاصرین کے نام یہ دیے ہیں:

(۱) ابوجہل، (۲) عقبہ بن معیط (۳) نضر بن الحارث (۴) امیہ بن خلف (۵) زمعہ بن الاسود (۶) بنیہ بن

الحجاج (۷) منبہ بن الحجاج (۸) طیعمہ بن عدی (۹) حکم بن ابی العاص (۱۰) ابولہب اور (۱۱) ابن الفیطلہ ، غرض قریش کے تمام شقی القلب انسان اس حملہ آور دستے میں شامل تھے۔

آپ ﷺ منصوبہ ہجرت کے مطابق اپنے گھر سے نکل کر کاشانہ صدیق ؓ پر پہنچے اور انہیں چلنے کا اشارہ کیا، حضرت ابوبکر ؓ تو اس سفر کے لیے سرِ شام سے ہی تیار تھے۔ حکمِ سفر ملتے ہی آپ ؓ نے زادِ راہ اُٹھایا جو تین تھیلوں پر مشتمل تھا ان میں سے ایک تھیلے میں چھ یا سات ہزار درہم تھے جو حضرت صدیق ؓ کی عمر بھر کی کمائی تھی۔ دوسرے میں زادراہ کے لیے کھانا تھا اور تیسرے میں پانی کا مشکیزہ تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء ؓ نے ایک تھیلے کا منہ بند کرنا چاہا مگر اس کے لیے انہیں کوئی رسی نہ ملی تو انہوں نے اپنے کمر بند (نطاق) سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس تھیلے کا منہ بند کر دیا۔ اس وجہ سے حضرت صدیق ؓ کی یہ صاحبزادی ''ذات النطاقین'' کے نام سے مشہور ہوئیں

ایک اونٹنی پر آنحضرت ﷺ اور دوسری پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ سوار ہوئے اور سفر ہجرت کی ابتداء ہوگئی۔ اس سفر کی پہلے سے کی گئی منصوبہ بندی کی وجہ سے ان کی پہلی منزل غار ثور تھی۔ طلوع سحر سے کچھ پہلے دونوں عظیم انسان کوہ ثور پر پہنچ گئے جو مکہ کے جنوب میں پانچ میل کی دوری پر واقع تھا۔ اس پہاڑ کی ایک سمت میں ایک مہیب غار ہے مگر اس تک رسائی بہت مشکل ہے کیونکہ راستہ انتہائی سنگلاخ اور دشوار گذار ہے۔ یہ بات بھی عجیب تھی کہ پیغمبر اعظم ﷺ اور ان کے رفیق خاص سیدنا صدیق اکبر ؓ جن لوگوں کی رشد و ہدایت چاہتے تھے وہی ان کے خون کے پیاسے تھے اور ان کی خون آشام نظروں سے بچنے کے لیے مصائب جھیلنے پڑے اور اپنی جانیں جوکھوں میں ڈالنا پڑی تھیں۔ ایسے ویران غاروں میں اکثر درندے اور زہریلے حشرات الارض ڈیرہ ڈالے ہوتے ہیں اس لیے غار کا اندرونی جائزہ لینے کے لیے پہلے حضرت ابوبکر ؓ غار میں داخل ہوئے۔ اسے صاف کیا اور جہاں جہاں سوراخ نظر آئے انہیں بند کیا اور پھر آپ ﷺ کو لے کر اس غار میں مقیم ہوگئے۔ یہی غار کی رفاقت حضرت صدیق اکبر ؓ کو ''یارِ غار'' بنا کر زندہ وجاوید ہو جانے کی سعادت نصیب کر گئی۔

ادھر مکہ میں کاشانۂ نبوت کے باہر محاصرین گھات لگائے بیٹھے تھے جیسے ہی پو پھٹی تو گھبرا کر کاشانۂ نبوت میں گھس گئے پھر جب بستر نبوت ﷺ پر حضرت علی ؓ کو محوِ استراحت پایا تو انتہائی مایوس اور پریشان ہوگئے۔ حضرت علی ؓ سے پوچھ گچھ کی گئی کہ حضرت محمد کہاں ہیں، انہوں نے جواباً کہا کہ مجھے کیا خبر؟ باہر پہرہ تو تم دے رہے تھے، تمھیں لوگوں نے اُن کو جاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ قریش کے یہ بد اندیش اپنی اس غفلت پر انتہائی پشیمان ہوئے اور اُن سے کچھ نہ بن پڑا تو حضرت علی ؓ پر پل پڑے اور انہیں پکڑ کر صحن کعبہ میں لے آئے اور ہر طرح کوشش کی کہ حضرت علی ؓ کچھ بتا

دیں لیکن آپ ﷺ کی پراسرار گمشدگی کا اسرار ان سے معلوم کرنے میں ناکام ہی رہے۔ اب قریش حضرت علی ؓ کو چھوڑ کر کاشانہ صدیق ؓ پر پہنچے کہ یہی تو رازدارِ نبوت کا گھر ہے بالضرور یہاں سے کچھ معلوم ہو سکے گا، دروازہ کھٹکھٹایا تو حضرت ابوبکر ؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء ؓ باہر نکلیں تو ابوجہل نے پوچھا ابوبکر ؓ کہاں ہیں؟ انہوں نے جب لاعلمی کا اظہار کیا تو ابوجہل نے نہ صرف انہیں ڈرایا دھمکایا بلکہ ان کے گال پر ایک زوردار طمانچہ بھی رسید کر دیا جس سے ان کے کان کی بالی دور جا گری اور وہ روتی ہوئی واپس اندر چلی گئیں۔ قریش اس دروازے سے بھی بے نیل و مرام واپس لوٹ گئے مگر وہ آرام سے بیٹھنے والے کب تھے؟ انھوں نے آپ ﷺ کو گرفتار کرنے والے کے لیے ۱۰۰ اونٹوں کا انعام رکھ دیا اور مسلح نوجوانوں کو کھوج لگانے والوں کے ساتھ آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ کیا وہ کھوج لگاتے لگاتے غار ثور کے قریب میں جا پہنچے یہاں تک کہ غار کے مقیموں کو ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بھی صاف سنائی دینے لگی اور لحہ بہ لحہ خطرہ اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ حضرت ابوبکر ؓ کو اپنی بجائے آنحضرت ﷺ کے دشمنوں کے ہاتھ میں پڑنے کی فکر تھی آپ ؓ خوفزدہ ہو گئے تاہم آپ ﷺ بے خوف و خطر رہے اور آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کو ان قرآنی الفاظ میں تشفی دی ''لاتحزن ان اللہ معنا''(۱) یعنی آپ ﷺ نے اپنے رفیق غار ؓ سے فرمایا: غم نہ کریں؛ اللہ ہمارے ساتھ ہے بقول شاعر ''ہم سلامت ہیں تو پھر آپ پریشان کیوں ہیں؟'' آپ ﷺ کے ان قرآنی الفاظ نے حضرت صدیق اکبر ؓ کے دل سے خوف و غم دور کر دیا اور آپ ؓ ہر طرح سے پرسکون اور مطمئن ہو گئے۔

دشمن ثور کے پہاڑ کا گوشہ گوشہ چھانتے رہے تاہم انہوں نے اس مہیب غار کے اندر جانے کی زحمت گوارہ نہ کی جس کے داخلی راستہ پر مکڑی نے جالا بن رکھا تھا کیونکہ ان حالات میں ایسے مہیب مقامات پر کسی انسان کی موجودگی کا تو ان کے نزدیک سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ اس حزم و احتیاط کے منافی سوچ کی وجہ سے بے نیل و مرام واپس لوٹ گئے اور خدا نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔

آپ ﷺ دنیا کے بہترین منصوبہ ساز بھی تھے آپ ﷺ نے سفر ہجرت کی منصوبہ بندی اس انداز میں کی تھی کہ کہیں کوئی جھول نہیں رہ گیا تھا، راستے کا تعین، قیام و طعام کا بندوبست اور راستہ دکھانے کے لیے ایک گائیڈ تک کا انتظام انتہائی رازداری سے کیا گیا تھا اور ہر طرح کی حزم و احتیاط برتی تھی۔ حضرت صدیق اکبر ؓ کے گھرانے کے دو تین افراد کے سوا کسی کو علم نہیں تھا، ایک غلام کو ضرورت کے تحت عین وقت پر ہمراز بنایا گیا تھا، ان تمام اشخاص نے بھی اپنے فرائض انتہائی رازداری اور بہتر طریقے سے انجام دیے اور قریش کو اس منصوبہ کی بھنک تک نہ پڑ سکی۔

---

۱ التوبہ ۹:۴۰

حالت جنگ میں دشمن کے ارادوں اور کاروائیوں سے خبردار رہنا ایک اچھے ماہر حرب کی بہترین حکمت عملی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ پوری زندگی اس حکمت عملی پر کاربند رہے، چاہے وہ مکہ کی سرد جنگ کا زمانہ ہو یا مدینہ کی دفاعی اور مسلح جنگوں کا آپ ﷺ دشمنوں کی چالوں پر ہمیشہ نظر رکھتے تھے۔ سفر ہجرت کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جواں سال فرزند عبداللہ کو دشمن کے ارادوں سے باخبر رکھنے کے کام پر مامور کیا گیا تھا۔ وہ پورا دن مکہ میں قریش کے درمیان رہتے پھر رات ہوتے ہی کھانا لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جاتے اور مکہ اور قریش کے حالات سے آپ کو مطلع کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک وفادار غلام ریوڑ لے کر غار ثور کی طرف جاتا اور یاران غار کو تازہ دودھ فراہم کرتا تھا، اس کے علاوہ حضرت اسماء بھی کھانا پکا کر غار ثور تک پہنچا آتی تھیں۔ 12 تا 15 ستمبر 622ء تک غار ثور کی تاریکی میں آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ نے تین شب و روز گذارے اور رب کی حفاظت میں اہل دنیا کی نظروں سے اوجھل رہے اللہ تعالیٰ اس عالم تنہائی میں ان دونوں عظیم شخصیات کا مددگار و رفیق تھا۔ ہجرت کے منصوبہ کے مطابق چوتھی شب یعنی 16 ستمبر 622ء یکم ربیع الاول 1 ہجری کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں سے سفر ہجرت کے لیے خصوصی طور پر لی گئیں دونوں اونٹنیاں غار ثور تک پہنچا دی گئیں۔ اب آپ دونوں عازم مدینہ ہوئے ساتھ میں عامر بن فہیرہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام اور عبداللہ بن اریقط گائیڈ تھے۔ اس گائیڈ نے آپ ﷺ کی ہدایات کے مطابق مدینہ منورہ جانے والی تمام شاہراہوں کو چھوڑ کر ایک غیر مانوس ساحلی راستہ اختیار کیا۔ اثنائے سفر میں آپ ﷺ رابغ کے موجودہ قلعہ کے پاس سے گزر رہے تھے کہ قریش کے ایک مہم جو سراقہ بن جعشم نے جو انعام کے لالچ میں آپ ﷺ کو تلاش کرنے کی مہم پر نکلا تھا آپ ﷺ کو دیکھ لیا، سراقہ بہادران قریش میں سے ایک تھا۔ سو اونٹوں کے لالچ نے اسے اور بھی دلیر بنا دیا تھا، بس اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو انعام پانے کی خوشی میں اپنی عوز نامی گھوڑی کو ایڑ لگائی وہ سرپٹ دوڑ کر آپ ﷺ کی طرف بڑھی لیکن اچانک اس نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑی۔ سراقہ گر کر اُٹھا اور پھر سوار ہو کر اس نے اپنی گھوڑی کو دوڑایا، جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچی تو اس کے پاؤں ریتلی زمین میں اس قدر دھنس گئے کہ سراقہ حیران رہ گیا پھر اچانک اس کے دل پر ایک اجنبی ہیبت چھا گئی وہ اس قدر حیران و خوفزدہ ہوا کہ بہادری کا زعم کافور ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ خدا آپ ﷺ کا حامی و ناصر ہے اور آپ ﷺ ہمارے عرب پر غلبہ پا لیں گے۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ سے تحریری امان کی درخواست کی جو بارگاہ نبوی ﷺ میں قبول ہوئی۔ آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امان لکھ دے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں سراقہ نے وعدہ کیا کہ وہ قریش کو آپ ﷺ کے متعلق کچھ نہیں بتائے گا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے سراقہ کو کسریٰ کے کنگنوں کے ملنے کی خوشخبری دی جو خلافت حضرت عمرؓ میں فتح ایران کے موقع پر حرف

بہ حرف پوری ہوئی اور حضرت عمرؓ نے سراقہ کو کسریٰ کے کنگن عطا کیے تھے۔ ہجرت کے سفر میں اس کے بعد ایک اور تعاقب کرنے والے کا سامنا ہو گیا یہ بریدہ رضی اللہ عنہ بن الحصیب اسلمی تھا۔ وہ ایک قبیلہ کا سردار تھا اور قریش کی طرف سے مقرر کردہ انعام کے لالچ میں نکلا تھا۔ مگر اس کے نصیب میں دولت ایمان لکھی تھی۔ جب آپ ﷺ کے روبرو آیا تو آپ ﷺ کی شخصیت کے جلال اور آپ ﷺ کے حسن سے گرفتار ہو کر اتنا مرعوب ہوا کہ اپنے ستر ساتھیوں سمیت اسی وقت ایمان لے آیا۔ دوران سفر اتنے لوگوں کے تحریک اسلام شامل ہونے سے آپ ﷺ انتہائی شادماں ہوئے، اثنائے راہ میں حسن اتفاق سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جو شام سے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ واپس لوٹ رہے تھے، آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کے یار غار رضی اللہ عنہ کے لیے دو سفید لباس ہدیتاً پیش کیے۔

23 ستمبر 622ء قبا میں آمد:

یثرب میں انتہائی بے تابی سے آپ ﷺ کی آمد کا انتظار ہو رہا تھا۔ مسلماں پیر و جواں اور بچے فرط شوق سے آپ ﷺ کے لیے چشم براہ تھے۔ لوگ صبح سویرے اپنے گھروں سے نکلتے اور یثرب کے باہر دور تک آ کر آپ ﷺ کی راہ دیکھتے، دوپہر تک جب آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے پھر مایوس ہو کر واپس لوٹ آتے تھے، آخر انصار کے انتظار کی یہ گھڑیاں ختم ہوئیں۔ 23 ستمبر 622ء بروز شنبہ، 8 ربیع الاول 1ھ آپ ﷺ قبا پہنچ گئے۔ قبا مدینہ منورہ کے مضافات میں 3 میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ابھی اہل شوق دوپہر تک آپ ﷺ کا انتظار کر کے لوٹے ہی تھے کہ غلغلہ بلند ہوا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ لوگ فرط اشتیاق میں دیوانہ وار اپنے گھروں سے نکل کر قبا کی طرف دوڑے، پھر فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی، لوگوں کی خوشی کا یہ عالم چشم فلک نے شاید پھر کبھی دیکھا ہو؟

قبا میں قیام:

قبا میں آپ ﷺ نے چودہ دن قیام فرمایا اور آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ آپ ﷺ کی آمد کے تین دن بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی قبا پہنچ گئے۔ دیگر مہاجرین جو پہلے سے مدینہ میں تھے وہ جوق در جوق آ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ 14 دن کے مختصر سے قیام میں آپ ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قبا میں اپنے ہاتھوں سے ایک مسجد کی بناء رکھی، مہاجر و انصار سب ہی اس تعمیر کے کام میں شریک تھے، اور خود دنیا کی سب سے عظیم تر تاریخ ساز شخصیت بھی بحیثیت مزدور کے بھاری بھاری پتھر مقام تعمیر پر پہنچا رہی تھی۔ جب بھاری

بھر کم پتھروں کے اُٹھاتے اُٹھاتے آپ ﷺ کا جسم مبارک خم ہو جاتا تو جاں نثاروں کے دلوں پر بجلیاں ٹوٹنے لگیں وہ آپ ﷺ سے التجائیں کرتے کہ حضور ﷺ آپ یہ کام نہ کریں، لیکن اخوت ومساوات کے عالمی علمبردار کو بھلا یہ کیسے منظور ہوسکتا تھا کہ وہ خود مساوات کی مثال قائم نہ کریں، لہٰذا آپ ﷺ تعمیر مسجد میں برابر مزدوروں کی طرح حصہ لیتے رہے، اس طرز عمل سے آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں میں بالعموم اس حقیقت کا عرفان وایقان پیدا ہو جائے کہ تمام انسان برابر ہیں اور محنت ومشقت سب کا مقصد ہے۔ اور کبھی محنت کو باعث ننگ نہ سمجھا جائے کہ یہ توجہ عزت وافتخار ہے۔ ''مظفر وارثی صاحب نے اپنی ایک نعت میں کیا خوب شعر کہا ہے''۔ ''میرا پیغمبر عظیم تر ہے''۔

اہل قبا کے لیے اسلام کی پہلی باقاعدہ مسجد تعمیر کرنے کے بعد آپؐ نے جمعہ 12 ربیع الاول 1 ھ کو آپ ﷺ نے قبا کی مضافاتی بستی سے شہر مدینہ میں منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ ابھی آپ کی سواری محلہ بنو سالم بن عوف پہنچی تھی کہ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا اور سرکار دو عالم ﷺ نے 100 مسلمانوں کے ساتھ تاریخ اسلام کی پہلی نماز جمعہ باقاعدہ جماعت کے ساتھ ادا فرمائی اور خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ کے شہر مدینہ میں آپ ﷺ کا یہ پہلا خطبہ تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''حمد وستائش صرف اللہ کے لیے ہے میں اس کی حمد وستائش کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں اور اسی سے بخشش وہدایت کی طلب وآرزو رکھتا ہوں۔ اسی ذات پر میرا ایمان ہے۔ میں اس کی نافرمانی کا تصور نہیں کرتا اور جو اس کی نافرمانی کرے میں اس کا دشمن ہوں، میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی الٰہ نہیں ماسوائے اللہ تعالیٰ کے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسول ہے، اسی نے محمد ﷺ کو ہدایت، نور اور موعظت ونصیحت دے کر بھیجا۔

(اس زمانے میں کہ) جب کسی رسول کو آئے ایک زمانہ بیت چکا تھا، علم کم ہو گیا تھا اور لوگ گمراہ ہو چکے تھے۔ اسے آخری زمانے میں قیامت کے نزدیک اور اختتام زندگی کے قریب بھیجا گیا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے، اور جو کوئی نافرمانی کرتا ہے وہ بھٹک گیا ہے اور مقام انسانیت سے گر گیا ہے اور ضلالت اور گمراہی کے اندھیرے میں بھٹک گیا ہے۔ (۱) مدینہ شریف میں یہ آپ ﷺ کا پہلا اور یادگار خطبہ تھا اس خطبہ میں آپ ﷺ نے بدرجہ احسن اسلام کی تمام تعلیمات کو سمو دیا تھا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ جنوب کی سمت سے شہر میں داخل ہوئے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اسی دن سے یثرب کا نام مدینۃ النبی ہو گیا۔

مدینۃ النبی میں اہل وفا ہر سمت دیدہ ودل فرش راہ کیے ہوئے ہر ایک کے دل میں آرزو تھی کہ وہ ''پیکر رحمت''

۱- پیغمبر اعظم وآخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

اسی کو شرف میزبانی بخشیں، ہر دل میں جان ومال نذر کرنے کی تمنا تھی، مدینۃ النبی کا ہر باسی آج پیکر شوق ودعا بنا ہوا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ آج اس کے گھر کو رونق بخشیں، آپ ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کے لیے مدینہ کی خواتین بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں اور چھتوں پر چڑھ کر یہ اشعار پڑھنے لگیں:

''طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

ہم پر چودھویں شب کا مہتاب طلوع ہوا — کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہوا — جب دعا مانگنے والے دعا مانگیں

مدینہ کے گھروں کے باہر چھوٹی بچیاں دف بجا کر خوشی کے ترانے گا رہی تھیں

نحن جوار من بنی النجار — یا حبذا محمدؐ من جار

آپ ﷺ کی سواری مدینۃ النبی کی گلیوں میں آہستگی سے بڑھتی جا رہی تھی اہل مہر وفا منت کش تھے اور التجائیں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ ﷺ کو سب کے دل کی خاطر داری منظور تھی، آپ ﷺ سب کو دعائیں دیتے ہوئے، تبسم وامتنان فرماتے ہوئے گذر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ آج جہاں قصویٰ رب کی مرضی سے ٹھہرے گی اسی کے ہاں قیام ہوگا۔ پھر خدا کی مرضی سے قصویٰ ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ اس شخص کا گھر تھا جو کئی روز و شب سے آمد رسول ﷺ کی خبر سن کر دربار الٰہی میں شرف میزبانی کے لیے التجائیں کر رہا تھا۔ یہ شخص حضرت ابو ایوب ؓ انصاری تھے جو فرط شوق سے قصویٰ کی طرف لپکے اور آپ ﷺ کا سفری سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے، ان کا گھر اب آپ ﷺ کی برکتوں سے مدینۃ النبی کے گھروں میں حسن المآب بن گیا۔ میزبانی رسول ﷺ کی تمنا کرنے والوں کو حضرت ابو ایوب کی قسمت پر رشک تو آیا مگر وہ جانتے تھے کہ وہ ایں سعادت بزور بازو نیست مدینۃ النبی ﷺ میں آمد کے اسی لمحے سے سنہ ہجری کی ابتداء ہوئی، حضرت ابو ایوب انصاری ؓ وہ خوش قسمت مدنی تھے جنہیں میزبانی رسول ﷺ کا شرف سات ماہ تک حاصل رہا۔

رسول اللہ ﷺ زیرین منزل میں:

حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کی روایت کے مطابق ان کا مکان دو منزلہ تھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میں اسے خلاف ادب سمجھتا ہوں کہ میں بالائی منزل میں رہوں اور آپ ﷺ زیریں منزل میں، براہ کرم ''آپ ﷺ بالائی منزل میں قیام فرمائیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابو ایوب

ؓ ہمیں لوگوں سے ملنا جلنا ہے اس لیے بہتر ہے کہ لوگوں کی آسانی کے لیے ہم زیریں منزل میں قیام کریں، ہاں ادب چھت کے پردے کی حائل ہونے کی وجہ سے ساقط ہے اس لیے تم بے فکر بالائی منزل میں رہو، ایک روز بالائی منزل میں پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا، حضرت ابوایوب ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اور ام ایوبؓ نے لحاف (کہ گھر میں صرف وہی لحاف تھا) سے اس پانی کو جذب کرنے لگے کہ مبادا رسول اللہ کو تکلیف پہنچے۔

پیغمبر اعظم و آخر، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، رحیق المختوم، صفی الرحمٰن، عہد نبوت کے ماہ و سال، مولانا ہاشم ٹھٹھوی، محسن انسانیت، نعیم صدیقی، اصح السیر "مقالہ محمد ﷺ" دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی،، رسول عربی، علامہ نود بخش توکل

اسلامی معاشرے کی تکمیل کے لیے تعمیری اقدامات

ستمبر 622ء۔ ربیع الاول 1ھ

ہجرت عظمیٰ نے جہاں مسلمانوں کو مکہ کے ظالموں سے نجات دی وہیں اس نے تاریخ اسلام کو ایک نیا موڑ اور ایک نئی جہت بخشی اور ایک نئے اور حسین و منور دور کا آغاز ہوا۔ ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کا آغاز ہوا یہی تو بعثت نبوی کا بنیادی مقصد تھا۔ جیسے ہی مسافرت کی کیفیت ختم ہوئی آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے تعمیری اقدامات کی طرف توجہ فرمائی۔ اولین تعمیری اقدام تعمیر مسجد تھی، جو اسلامی معاشرے کے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ مدینہ کے دو یتیم بچوں کی ایک افتادہ زمین اس مقصد کے لیے خریدی گئی اور اس کی قیمت حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے ادا کی۔ اس زمین پر مسجد نبویؐ شریف کی تاسیس ہوئی۔ مسجد میں صرف عبادت الٰہی کی ادائیگی نہیں ہونا تھی بلکہ اس کو اسلامی نظام تمدن و ریاست کا مستقر و سرچشمہ بننا تھا۔ یہی مدینہ کی ریاست کی حکومت کا دربار، یہی ایوان مشاورت، سرکاری مہمان خانہ، جمہوری دارالعوام اور مرکز تبلیغ کی حیثیت بھی رکھتی تھی۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر و تاسیس کے موقع پر چشم فلک نے ایک بار پھر وہ نظارہ دیکھا کہ کون مسلمان ہوگا کہ جس نے اس کی تعمیر میں جان و دل سے حصہ نہ لیا ہو۔ خود سرکارِ کائنات ﷺ اس بار پھر پتھر اور گارا اُٹھا اُٹھا کر لاتے رہے۔ اس اقدام نبوی ﷺ سے مسلمانوں میں وہ تعمیری روح پیدا ہوئی کہ اگر خدا کا نبی ﷺ اس کام میں یوں مصروف ہیں اور ہم بیٹھے دیکھتے رہیں تو ہمارا سب کچھ غارت ہو۔

ایک معجزہ۔ ایک پیشین گوئی:

حضرت عمار بن یاسر ؓ بھی تعمیر مسجد نبوی ﷺ کے کام میں شریک تھے۔ اس دوران حاضرین نے ان پر ان کی بساط سے زیادہ وزنی اینٹیں لاد دیں۔ اس پر انہوں نے آنحضور ﷺ کو گلہ کیا کہ لوگوں نے مجھے مار ڈالا آپ ﷺ نے حضرت سلمہ ؓ کی روایت کے مطابق ان کا سر سہلاتے ہوئے فرمایا افسوس؛ اے ابن سعید، وہ تیرے قاتل نہیں بلکہ تیرا قاتل تو ایک باغی گروہ ہوگا۔ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ یہ حدیث رسول ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ حضرت عمار ؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمار

بن یاسر ؓ کو جنگ صفین میں اہل شام نے قتل کیا تھا۔ جب کہ حضرت عمار ؓ حضرت علیؓ کے ہمراہ عراقیوں میں شامل تھے۔ یہاں یاد رہے کہ محققین نے لکھا ہے کہ حضرت علی ؓ کا حق خلافت حضرت امیر معاویہ ؓ سے فائق تھا اس لیے باغی حضرت علی ؓ کے ساتھی نہیں ہو سکتے۔

صفہ کی تعمیر:

اسی سال مسجد نبوی ﷺ سے متصل ایک سایہ دار جگہ (چھپر یا عریش موسیٰ) تعمیر کی گئی اور مخصوص کر دی گئی کہ مساکین یہاں قیام کریں۔ یہ جگہ صفہ کہلائی اور یہاں قیام کرنے والے اصحاب صفہ کہلائے۔ اصحاب صفہ میں وہ لوگ واصحاب شامل تھے جو حصول تعلیم کے لیے گھر بار چھوڑ کر دربار نبوی ﷺ میں حاضر رہتے تھے۔

622ء۔ سنہ ۱ھ کے دیگر اہم واقعات

اذان واقامت کی ابتداء:

ہجرت کے پہلے سال ہی اذان واقامت کی ابتدا ہوئی۔ شروع میں اذان واقامت کا طریقہ خواب میں ایک صحابی، عبداللہ بن زید ؓ بن عبدربہ انصاریؓ کو دکھایا گیا تھا۔ بعد ازاں اس کے مطابق وحی نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے بذریعہ وحی اذان واقامت کی تصویب فرمائی۔ سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ عبداللہ ؓ بن زید نے جب خواب میں اذان واقامت دیکھی تو رات ہی کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی پس آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ یہ الفاظ حضرت بلالؓ کو سکھائیں اور وہ ان کلمات کو بطور اذان کہیں۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت بلال ؓ نے سب سے پہلے اذان فجر کہی تھی۔ محققین جن میں قسطلانی شامل ہیں شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اذان و اقامت کی ابتداء وسنہ 1ھ میں ہوئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی ولادت:

سنہ 1ھ میں چھ ماہ گذرنے کے بعد شوال کے مہینے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی مؤرخین کے مطابق یہ پہلا بچہ تھا جو کسی مہاجر کے ہاں بعد از ہجرت مدینۃ النبی ﷺ میں پیدا ہوا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ ؓ اور ابورافع ؓ کو مکہ بھیجا تھا تاکہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے خاندان کو مدینہ لائیں۔ چنانچہ وہ گئے اور دونوں خاندانوں کو مکہ سے لے آئے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء ؓ ان دنوں پورے دنوں کی حاملہ تھیں اور قریب الولادت تھیں۔ جب وہ دیگر اہل وعیال کے ساتھ قبا پہنچیں تو ان کے بطن سے حضرت عبداللہ بن

زبیر ؓ پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں اس پہلے بچہ کی پیدائش پر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ مدینہ کے یہودیوں نے یہ افواہ اڑا رکھی تھی کہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ پر جادو کر رکھا ہے۔ لہٰذا مدینہ میں ان کے ہاں اولاد نرینہ پیدا نہیں ہوتی یوں یہودیوں کے منہ اور ارادوں پر خاک پڑ گئی، حضرت اسماءؓ نے حضرت عبداللہ ؓ کو لاکر آنحضرت ﷺ کی گود میں دے دیا، آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کے منہ میں ڈالا اور پھر کھجور منگوا کر خود چبا کر ان کی تحنیک فرمائی اور انہیں خیر وبرکت کی دعا دی۔

اہل بیت کی ہجرت:

آنحضرت ﷺ کی ہجرت عظمیٰ کے چند دن بعد سنہ 1ھ میں آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال جن میں حضرت فاطمۃ الزاہرا ؓ، حضرت ام کلثوم ؓ اور ام المومنین حضرت سودہ ؓ، اور آنحضرت ﷺ کی دایہ حضرت ام ایمن ؓ اور حضرت ابوبکر ؓ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت اسماء ؓ بنت ابوبکرؓ اور سیدنا حضرت عائشہ صدیقہ ؓ اور ان کی والدہ ام رومان ؓ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے۔

حضرت نعمان بن بشیر ؓ کی ولادت:

جمادی الاول سنہ 1ھ میں انصار مدینہ منورہ میں سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا یہ حضرت نعمان بن بشیر ؓ تھے جو حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کے بھانجے تھے۔ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے۔

حضرت انس ؓ خدمت نبوی ﷺ میں:

انصار مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مختلف تحائف پیش کیا کرتے تھے۔ ایک صحابی خاتون حضرت ام سلیم ؓ کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر سکتیں، اپنی اس حسرت کو انہوں نے اس طرح پورا کیا کہ وہ اپنے کم سن بیٹے حضرت انس ؓ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائیں اور بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا "یارسول اللہ یہ آپ ﷺ کا ننھا منا خادم ہے، اسے قبول فرمالیجیے اور آنحضرت ﷺ نے قبول فرمالیا اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

حضرت عائشہ ؓ کی رخصتی:

شوال سنہ 1ھ میں ہجرت کے تقریباً 6 ماہ بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی عمل میں آئی۔ سیرت نگاروں کے مطابق اسی وقت ان کی عمر 9 برس تھی۔ آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کے مکان پر بمقام سنخ، بروز بدھ حضرت عائشہ ؓ کے پاس تشریف لے گئے، سیدہ عائشہ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح 3 سال قبل سنہ 10 نبوت میں مکہ

میں ہوا تھا۔ اس وقت ان کی عمر 6 سال تھی۔ امام نووی نے شرح مسلم شریف میں لکھا ہے کہ شوال میں شادی کرنا ایک مسنون عمل ہے جو ہر مسلمان کے لیے مستحب ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال سمیت جن میں آپ کی پھوپھی حضرت خالدہ بنت حارث بھی شامل تھیں سنہ 1ھ ہجرت میں بارگاہ نبوی ﷺ میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں مقیم تھے اور آپ ﷺ کے قیام کا پہلا دن تھا۔ انہوں نے بمعہ اپنے اہل خانہ اسلام قبول کیا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اسی دن یا اس کے کچھ دن بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی شان میں قرآن مجید کی یہ آیت شریف نازل ہوئی۔

قل کفیٰ باللہ شھیدًا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب (القرآن) ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر) اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے کافی گواہ ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سلمان رضی اللہ عنہ بن اسلام بھی کہا جاتا ہے آپ اسلام لانے سے پہلے مجوسی المذہب تھے اور ایک یہودی عثمان نامی کے غلام تھے، جب آنحضرت ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اس یہودی سے بعوض 40 اوقیہ چاندی میں خرید لیا۔ اس یہودی کے کھجور کے باغ میں پھل نہیں آتا تھا۔ اس یہودی نے یہ شرط بھی رکھی کہ آنحضرت ﷺ اپنے دست مبارک سے اس یہودی کے باغ میں پودے لگائیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ شرط قبول فرمائی اور اپنے دست مبارک سے 300 پودے لگائے جو آنحضرت ﷺ کے معجزے کی وجہ سے اسی سال بارآور ہوگئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام سیرت نگاروں کے نزدیک مدینہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے پانچ دن بعد کا ہے۔ بعض اسے زیادہ مدت بعد کا واقعہ قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک نہیں ہوئے بلکہ پہلی مرتبہ جس غزوہ میں شریک ہوئے وہ غزوۂ خندق تھا۔

مدینہ منورہ سے وبا بخار کا ختم ہو جانا:

ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے یثرب پورے عرب میں ایک وبائی خطہ تھا اور یہاں وبائی امراض بکثرت پھیلتے

تھے۔ جب مکہ سے ہجرت کر کے مہاجرین مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تو سب مبتلائے بخار ہوگئے جس سے ان کے رنگ پیلے پڑ گئے اور انہیں جسمانی طور پر کمزوری لاحق ہوگئی اور انہیں مکہ کی آب وہوا یاد آئی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ:

اے اللہ: ہمارے لیے مدینہ کی آب وہوا کو بہتر بنادے اور اسے بھی اسی طرح محبوب بنادے جس طرح مکہ ہمیں محبوب ہے۔ بلکہ اسے اس سے بھی زیادہ صحت افزا مقام بنادے اور اس کے پیمانوں میں برکت عطا فرما اور یہاں کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی دعا قبول فرمائی اور مدینہ منورہ کے وبائی بخار کو جحفہ منتقل کر دیا۔

نماز کی رکعات میں اضافہ:

سیرت نگاروں کے مطابق سنہ 1ھ میں آنحضرت ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے ایک ماہ یا دو ماہ بعد رکعات نماز میں اضافہ ہوا اور ظہر، عصر، اور عشاء میں دو کی بجائے 4 رکعات فرض کر دیں گئیں۔ قبل ازیں ان نمازوں کی رکعات شب معراج میں ان کی فرضیت کے وقت سے دو دو تھیں تاہم مغرب کی نماز میں ابتداء ہی سے تین رکعات مقرر ہیں البتہ اس میں اختلاف بھی ہے کچھ مورخین کے مطابق جس میں "الروض الانف" کے مصنف حافظ السہیلی بھی شامل ہیں نماز کی رکعات میں اضافہ ہجرت کے ایک سال بعد ہوا تھا۔

عبدالرحمٰن بن حارث کی ولادت:

سنہ 1ھ میں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن حارث بن ہشام القرشی پیدا ہوئے، وصال نبوی ﷺ کے وقت ان کی عمر ابن اثیر نے دس سال بتائی ہے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے داماد تھے اور ان کی صاحبزادی حضرت مریم ان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جب قرآن کریم کی تدوین کرائی تو نقل مصاحف کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن حارث، رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ بھی شامل تھے[1]۔

---

[1] عہد نبوت کے ماہ وسال، مولانا ہاشم ٹھٹھوی، تاریخ طبری، سیرت النبی ابن کثیر

مہاجرین کی بحالیات اور مواخات مدینہ

جنوری 623ء۔1 سنہ 1ھ

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد سب سے بڑا مسئلہ پیش آیا کہ وہ مکہ سے آئے ہوئے سینکڑوں مہاجرین کی بحالی کا تھا۔مہاجرین اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے مدینہ آئے تھے جہاں ان کی نہ کوئی جائیداد تھی نہ کاروبار انہیں مقامی معیشت کا حصہ بنانا بھی اشد ضروری تھا۔خود آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی قدر کو بھی یہی مسئلہ درپیش تھا۔آپ ﷺ مکہ سے کچھ نقد رقم لائے تھے جس سے آپ ﷺ نے مزید اونٹنیاں اور بکریاں خریدیں جس سے آپ ﷺ کے اہل بیت اور آپ ﷺ کے ہاں آنے والے مہمانوں کی ضروریات بخوبی پوری ہونے لگیں۔کھانے کے وقت جو شخص بھی موجود ہوتا آپ ﷺ اُسے شریک طعام کر لیتے تھے۔انصار مدینہ نے انتہائی ایثار و محبت کے ساتھ اپنے کھجور کے باغات میں ایک ایک کھجور کا درخت کا پھل حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے وقف کر دیا تھا۔اس موقع پر ایثار و قربانی کی ایسی مثالیں ایسی سامنے آئیں جن کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

مواخاتِ مدینہ:

مکی مہاجرین کی فلاح و بہبود کے ضمن میں آنحضرت ﷺ نے ایک اجلاس عام طلب فرمایا جس میں آپ ﷺ نے تجویز کیا کہ مدینہ کے باوسیلہ اور متمول انصار ایک ایک مکی مہاجر کو اپنا بھائی بنالیں اور دونوں بھائیوں کے خاندان مل جل کر گذارہ کریں۔یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے ترکے میں بھی حصہ دار ہوں رسول اللہ ﷺ کی اس تجویز پر سب نے اتفاق کیا۔آپ ﷺ نے خود انفرادی خوبیوں کی بنا پر ایک ایک مکی اور ایک ایک مدنی کا انتخاب کر کے باہمی مواخات کا رشتہ قائم کر دیا۔یہ انتظام کئی سال تک جاری رہا۔تاہم مکی مسلمان طفیلی بن کر رہنے کے قائل نہ تھے جیسے ہی وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے انہوں نے اپنے مدنی بھائیوں کی املاک ان کو شکریے کے ساتھ واپس کر دیں اور آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

مواخات مدینہ میں جو خلوص و ایثار نظر آیا اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔حضرت عمرؓ نے اپنے مدنی بھائی سے کہا کہ ایک دن میں آپ کے باغ کو سینچنے کا کام کروں گا اور آپ ﷺ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری دیں گے اور جو قرآنی آیات نازل ہوں یا جو سیاسی اور معاشرتی فیصلے کیے جائیں اس سے مجھے مطلع فرمائیں۔اسی طرح جب آپ کی باغ سینچنے کی باری ہوگی تو میں آپ کو مطلع کروں گا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ان کے مدنی بھائی نے کہا: یہ میری جائیداد ہے،اس کا نصف اب آپ کی ملکیت ہے، یہ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جو آپ پسند فرمائیں میں اسے طلاق دے دوں گا اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔اس پر عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ آپ کی املاک اور اہل خانہ آپ کو مبارک میں تاجر آدمی ہوں مجھے صرف مقامی منڈی کا پتہ بتادیں پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف منڈی گئے اور شام تک ادھار و نقد پر کاروبار کر کے اتنا کچھ کمانے میں کامیاب ہو گئے جو ان کے رات کے کھانے کے لیے کافی تھا۔اس عمل کو کئی دن تک دہرانے کے بعد انہوں نے ایک نیا قیمتی لباس خرید کر زیب تن کیا اور بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپؓ نے نئی نئی شادی کی ہے،جلد ہی حضرت عبدالرحمٰنؓ کا شمار مدینہ منورہ کے متمول تاجروں میں ہونے لگا۔اسی طرح پیغمبر اعظم و آخرؐ کے نقش مسیحائی سے مہاجر و انصار زندہ و بیدار ہو گئے اور ان پر دین کی حقیقت منکشف ہو گئی۔جس کے بعد انہوں نے اسلام کے عقائد جلیلہ و محرکہ کو اپنی زندگی میں اس طرح شامل کر لیا کہ جس طرح جسم میں خون جذب ہو کر رواں دواں ہو جاتا ہے غرضکہ اسلام کے اصول مواخاۃ کو اس ذوق و شوق سے اپنایا گیا کہ تاریخ عالم اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔[1]

---

[1] الرحیق المختوم، صفی الرحمٰن، پیغمبر اعظم و آخر، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، نبی رحمت ﷺ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، محسنِ انسانیت ﷺ نعیم صدیقی، سیرت ابن ہشام

اسلامی ریاست کی تاسیس اور میثاق مدینہ

623ء۔1ھ سیاسی لحاظ سے سب سے بڑا تعمیری اقدام:

تاریخ اسلام میں سب سے بڑا تعمیری اقدام اسلامی ریاست مدینہ کی تاسیس تھا جو وقت کی ضرورت کے عین مطابق تھا۔ ہوا یہ کہ کفار مکہ کو آنحضرت ﷺ کا مکہ سے یوں بچ کر مدینہ نکل جانا بڑا شاق گزرا۔ ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے ایک خصوصی وفد مدینہ بھیجا اور مطالبہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے نکال دیا جائے یا ان کے سپرد کر دیا جائے ۔انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اہل مدینہ کو سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے مگر اس دھمکی کے باوجود مشرکین مکہ کا یہ وفد بے نیل و مرام واپس گیا مگر اب مدینہ کا ہر فرد یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا اور ہمیں اپنے دفاع اور قومی سلامتی کے لیے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس وفد کی آمد کے دو بڑے اور دور رس نتائج برآمد ہوئے: اول یہ کہ ریاست مدینہ کا آئین مرتب ہوا اور مدینہ کے اردگرد ایک بفر سٹیٹ کا قیام عمل میں آیا۔

ریاست مدینہ:

آنحضرت ﷺ نے قومی سلامتی کے پیش نظر مدینہ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک مشترکہ عام اجلاس طلب فرمایا۔ یہ اجلاس آنحضرت ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ کے والد کے گھر پر منعقد ہوا۔ امام بخاریؒ کے مطابق اس اجلاس میں خطاب فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے تجویز کیا کہ مدینہ کے لوگوں میں باہمی تنازعات کے خاتمہ کے بعد بیرونی دشمنوں سے نمٹنے کے لیے مدینہ کی ایک ریاست قائم کی جائے ۔یہ ریاست سیاسی اعتبار سے ایک کنفیڈریشن (Confideratioal) ہو جس کے تمام یونٹوں کو بڑی حد تک خودمختاری حاصل ہو کسی جرم کے بارے میں سزا کے خلاف ریاست کے سربراہ کو اپیل کی جاسکے گی۔ ڈاکٹر حمیداللہ لکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست مدینہ کے قیام کے لیے جو بھی تجاویز پیش کی گئیں انہیں ایک میثاق یا معاہدے کی دفعات کی شکل دے کر دائرہ تحریر میں لایا گیا۔ محققین کے مطابق یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور یا آئین تھا جو کسی سربراہِ مملکت نے جاری اور نافذ کیا تھا۔ تاریخ اسلام میں اسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

میثاق مدینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ میثاق مدینہ کے مندرجہ ذیل قبیلوں اور گروہوں کے درمیان طے پایا۔

(۱) محمد ﷺ نبی رسول اللہ

(۲) مسلمانان قریش از ساکنان مدینہ

(۳) مدینہ کے انصار مسلمان

(۴) مدینہ کے یہود

(۵) مدینہ کے غیر مسلم

اس میثاق کے چیدہ چیدہ نکات یہ تھے

(۱) سب مسلمان دوسرے لوگوں کے مقابل میں ایک امت (آئین سیاسی وحدت) ہیں قریش کے مہاجر قبل از اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ ایمان داری میں باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہو۔

(۲) بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ ادا کر کے رہا کرائے گا۔یہی شق بنی حارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف کے لیے تھی۔یعنی ان شقوں کی عبارت ایک جیسی ہے۔اسی میثاق کے تحت اہل ایمان کے لیے کچھ ذمہ داریاں مقرر کی گئیں اور اسی معاہدے کے تحت یہود مدینہ کے حقوق متعیّن کیے گئے۔اس طرح میثاق مدینہ سے مسلمانوں کو سیاسی اور عسکری نوعیت کے کئی اہم مفادات حاصل ہو گئے جن میں سے کچھ یہ تھے۔

اسلامی مملکت مدینہ کو ایک مضبوط اساس فراہم ہو گئی جسے داخلی اور خارجی دشمنوں کی سازشیں متزلزل نہ کر سکیں۔ اس میثاق کو نہ صرف یہود اور مشرکین مدینہ نے تسلیم کیا بلکہ وہ اس کے حلیف بھی بن گئے۔اس میثاق پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں کو دینی، قومی اور سیاسی تشخص حاصل ہو گیا۔اس کے علاوہ مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے مدینہ کی سیاست میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی اور یہ مسلمانوں کی عسکری کامیابیوں کا بھی باعث بنا۔علاوہ ازیں یہ میثاق تمام معاہد قوموں کے لیے شہری حقوق کے تحفظ کی ضمانت بنا۔

میثاق مدینہ قریش مکہ کے سعی و کوشش میں اس وقت حائل ہوا جب اس نے ابتدائی دور میں جو بہت خطرناک دور تھا، مدینہ میں کسی کو اپنا حلیف بنانے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اس وقت ان کی یہ ناکامی اور بڑھ گئی جب

انہوں نے مدینہ منورہ پر بھرپور حملہ کیا اور اپنے مذہبی و سیاسی اثر و رسوخ کے باوجود وہ یہود مدینہ یا اپنے کسی ہم مذہب عرب قبیلے کو وہ عقب سے مدینے پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ نہ کر سکے، جنگ بدر میں مسلمانوں کی فیصلہ کن فتح کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا۔علاوہ ازیں جنگ احد میں قریش کی ناکامی کے بڑے اسباب میں بھی اور ایک اہم سبب تھا

دراصل میثاق مدینہ ایک دفاعی معاہدہ تھا۔چنانچہ جب مسلمانوں نے قریش کے خلاف جوابی عسکری مہمات کا آغاز کیا جن کے ذریعے قریش کو زچ کرنا اور اقتصادی طور پر مرعوب کرنا مقصود تھا۔اس پر مدینہ کے کسی قبیلے یا گروہ نے اعتراض نہ کیا۔اسی طرح اس دفاعی معاہدے نے اسلامی مملکت مدینہ کے لیے ایک طرح کے دفاعی حصار کا کام کیا۔نیز اس معاہدے کی رو سے مسلمانوں کو حلیف قبائل میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے مواقع حاصل ہو گئے۔یہ بھی اعجاز رسولؐ کا تھا کہ اُسے یہودیوں جیسے پورے عرب کے شاطر گروہ نے بھی قبول کیا تھا۔دوسری طرف مدینہ جہاں کوئی شہری حکومت قائم نہیں تھی اور ہر طرح سے قبائلی تضادات اور انتشار کی سرزمین تھا۔اس زمین پر ایک منظم اور مستحکم حکومت کا قیام بھی اسی معاہدہ کا ممنون تھا جسے ایک عہد آفرین کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔اس دستاویز کی اہمیت کا اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ دستاویز آنحضرتؐ کی تلوار کی میان پر ہمیشہ بندھی رہتی تھی۔

623ء۔1۔2 سن ھ کے غزوات اور دیگر اہم وقائع

صوم عاشورا:

ہجرت عظمیٰ سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ یوم عاشورا کا روزہ مکہ المکرّمہ میں بھی رکھتے تھے چونکہ آپ ﷺ ہجرت فرما کر ربیع الاول سنہ 1 ھ میں مدینہ تشریف لائے تھے اس لیے مدینہ میں یہ آپ ﷺ کا پہلا یوم عاشورا تھا اس موقع پر عام مسلمانوں کو یوم عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔اسی طرح چونکہ اس سال 29 ذوالحجہ کو محرم الحرام کا چاند نظر نہیں آیا تھا پھر جب محرم کی 9 تاریخ ہوئی تو آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ ہم نے 29 ذوالحجہ کو چاند دیکھا تھا اور اس حساب سے آج یوم عاشورا ہے۔اس پر آپ ﷺ نے منادی کرائی اور اعلان عام کیا کہ ''جس شخص نے طلوع سحر کے بعد آج کچھ کھا پی لیا ہو وہ باقی دن کچھ نہ کھائے پیئے اور جس شخص نے طلوع سحر کے بعد کچھ نہ کھایا پیا ہو وہ روزہ رکھے۔آنحضرت ﷺ نے اس طرح یوم عاشورہ کے روزے کے واجب ہونے کا اعلان بھی کیا مگر 2 ھ ہی میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہو جانے کے بعد صوم عاشورا کا واجب ختم ہو گیا اور صوم عاشورا کا روزہ سنت و مستحب رہ گیا۔تاہم صوم عاشورا کی اہمیت کا آپ ﷺ کے اس فرمان عالیشان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا کہ اگر آئندہ سال تک زندگی رہی تو محرم کی دسویں تاریخ

کے ساتھ ساتھ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا، مگر آئندہ محرم الحرام آنے سے پہلے ہی سرکار دو عالم ﷺ اس دار فنا سے پردہ فرما گئے۔ مگر چونکہ آپ ﷺ نے اس عزم وارادے کا اعلان کیا تھا اس لیے صوم عاشورا کے ساتھ ساتھ 9 محرم کا روزہ رکھنا بھی مستحب قرار پایا۔

مارچ 623ء۔ رمضان المبارک سنہ 1ھ سریہ سیف البحر یا مہم حضرت حمزہؓ:

قریش مکہ کی مدینہ منورہ پر حملے کی دھمکی کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی تدبیر سے کام لیتے ہوئے دفاعی کاروائیوں کا آغاز کیا۔ تاریخ اسلام میں پہلی عسکری مہم جو حضرت حمزہؓ کی سرپرستی میں بھیجی گئی وہ سریہ سیف البحر کہلاتی ہے۔ اسی مہم کے لیے آپ ﷺ نے خصوصی طور پر ایک علم تیار کرایا جو سفید رنگ کا تھا۔ رمضان المبارک 1ھ بمطابق مارچ 623ء میں یہ مہم مقام عیص کی طرف بھیجی گئی اس مقام سے ایک قریش کے ایک تجارتی قافلے نے گزرنا تھا۔ یہ قافلہ 300 اونٹوں پر مشتمل تھا اور اس قافلے کا میر کارواں ابوجہل تھا۔ کل مسلمان مجاہد جو اس عسکری مہم پر بھیجے گئے ان کی تعداد صرف تیس تھی اور وہ کسی قسم کی جارحانہ کاروائی کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ انہیں فقط اپنی عسکری قوت اور جرأت کا مظاہرہ کرنا تھا جو انہوں نے بڑی کامیابی سے کیا، وہ اس کارواں کو روکنے میں کامیاب ہوگئے مگر ابوجہل جو ایک قریشی تاجر تھا وہ تصادم کی صورت میں اہل مکہ کی معیشت کو پہنچنے والے نقصانات سے آگاہ تھا اس لیے اس نے تصادم سے گریز کیا اور اس علاقے کے قبائلی سردار اور قریش کے حلیف مجدی بن عمرو کو درمیان میں ڈال کر معاملہ رفع دفع کرادیا دوسری طرف آنحضرت ﷺ کا مقصود بھی اس مہم سے قریش کو خوفزدہ اور مرعوب کرنا تھا اور انہیں مسلمانوں کی عسکری قوت کا مظاہرہ دکھانا تھا تاکہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔ قریش کو یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ اگر انہوں نے جارحیت سے کام لیا تو جوابی کاروائی کے طور پر ان کی تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی کر کے ان کی معیشت پر ضرب کاری لگائی جائے گی۔

اپریل 623ء۔ شوال 1ھ سریہ رابغ یا مہم حضرت عبیدہؓ بن حارث:

جیسا کہ پہلے ذکر آیا قریش کو مرعوب کرنا مقصود تھا اس کے لیے دوسری مہم حضرت عبیدہ بن حارثؓ کی سرکردگی میں ایک گشتی دستے کی شکل میں روانہ کی گئی اس دستے میں 60 یا 80 مجاہدین شامل تھے۔ آپ ﷺ نے یہ دوسری عسکری مہم اپریل 623ء شوال 1ھ میں رابغ نامی مقام کی طرف بھیجی۔ ابھی یہ دستہ راستے ہی میں تھا کہ اس کا سامنا قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہوگیا۔ یہ کارواں قریش دوسو افراد پر مشتمل تھا اور قافلے کے امیر ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابوجہل تھے۔ اس مہم میں بھی چونکہ مسلمانوں کا ارادہ جدال وقتال کا نہیں تھا لہٰذا صرف عسکری قوت کے مظاہرے کے بعد واپسی شروع ہوگئی۔ اسی مہم کے دوران جیسا کہ آگے ذکر آئے گا حضرت سعد بن ابی وقاص نے راہ خدا میں پہلا تیر چلایا تھا۔

مئی 623ء۔ ذیقعدہ۔ 1ھ سریہ خرار یا مہم حضرت سعد بن ابی وقاص:

ایک اور یا تیسری عسکری مہم حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرپرستی میں مئی 623 ذلقعدہ۔ 1ھ میں بھیجی گئی۔ یہ گشتی دستہ صرف 20 سواروں پر مشتمل تھا، یہ مہم مقام خرار کی طرف بھیجی گئی تھی کہ وہاں سے ایک کارواں قریش کے گزرنے کی اطلاع ملی تھی۔ تاہم اتفاق سے یہ کارواں اس مقام سے ایک دن پہلے ہی گزر چکا تھا، اس لیے یہ گشتی دستہ مطلوبہ معلومات حاصل کر کے واپس لوٹ آیا۔ ان تینوں عسکری مہمات سے قریش کو صرف یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ قریش کی شاہراہ تجارت مرکز اسلام کے انتہائی قریب واقع ہے اور کسی وقت بھی قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کی جاسکتی ہے۔ یہ مقصد برآیا اور قریش جو مدینہ پر فوری حملہ کرنا چاہتا تھا انہیں اپنی تجارتی ناکہ بندی کی فکر لاحق ہوگئی اور ان کی طرف سے مدینہ پر کسی فوری جارحانہ کاروائی کا خطرہ ٹل گیا۔

اگست 623ء صفر المظفر سنہ 2ھ غزوہ ابواء ودان

12 صفر سنہ 2 ہجری کو آنحضرت ﷺ غزوہ ابواء کے لیے جسے سیرت نگاروں نے غزوہ ودان کا نام بھی دیتے ہیں تشریف لے گئے۔ یہ پہلا جہاد تھا جس میں آنحضرت ﷺ نے ساٹھ مہاجرین کے ساتھ بنفس نفیس خود شرکت فرمائی تاہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی انصاری اس غزوہ میں شریک نہیں تھا۔ اس غزوہ پر روانگی کے وقت آپ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا اور مدینہ کی حاکمیت ان کو سپرد کی تھی۔ اس سفر کے دوران آپ ﷺ کا ہدف قریش کا ایک تجارتی قافلہ تھا جو ملک شام سے واپس لوٹ کر مکہ جارہا تھا، اسی قافلے کا تعاقب کرنا منظور تھا مگر جب اس قافلے کے راستہ پر پہنچے تو یہ قافلہ جاچکا تھا۔ اس لیے نوبت جنگ تک نہ پہنچی۔ البتہ اس سفر میں آپ ﷺ نے قبیلہ بنوضمرہ سے ایک معاہدہ فرمایا، جس شخص سے یہ معاہدہ طے پایا وہ مخشی بن عمرو تھا جو اس زمانے میں بنوضمرہ کا سردار تھا۔

15 اگست 623ء جہاد کی فرضیت:

12 صفر 2ھ میں ہی رسول اللہ ﷺ کو جہاد کی اجازت دی گئی تھی اور جہاد مسلمانوں پر فرض ہوا تھا۔ دراصل مدینہ منورہ میں داخلی استحکام پیدا ہوجانے کے بعد اب ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو بیرونی جارحیت سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور جارحیت کی صورت میں اس سے نمٹا جاسکے۔ اس کو اصلاح میں ''جہاد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، تحفظ اسلام کی خاطر جب مسلح جہاد ناگزیر ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشروط طور پر کفار سے جہاد کی اجازت دی۔ مشروط جہاد سے مراد دفاعی جنگ تھا۔ یعنی مسلمانوں کو ان لوگوں کے خلاف جوابی کارروائی کرنے کی اجازت دی گئی جو ان پر حملہ آور ہوئے۔ جیسا کہ اس آیت قرآنی سے ظاہر ہے:-

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (2-190)

ترجمہ۔ اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور حد سے نہ بڑھو، اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔'' (کنزالایمان فی ترجمہ القرآن)

یہ حکمِ جہاد دو باتوں سے مشروط ہے۔ ایک تو یہ کہ مسلح جہاد دفاعی ہونا چاہیے اور دوسرے یہ کہ صرف اللہ کی راہ میں ہونا ضروری ہے۔ اس کی مزید توضیح سورۃ الحج میں اس طرح کی گئی۔ ''جن (مومنوں) کے خلاف (ظالموں نے) جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں جنگ کرنے کی) اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے''۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ

(الحج 22:39:40)

بہرحال پہلی آیت جہاد جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے نزول کی تاریخ مفسرین نے 12 صفر 2ھ اگست 623ء بتائی ہے، شاید اس کے نزول کے بعد ہی آنحضرت ﷺ غزوہ ابواء کے لیے نکلے تھے۔ مؤرخین اور محدثین نے آپ ﷺ کی اس اولین عسکری مہم کو اول الغزوات قرار دیا ہے۔

اکتوبر 623ء ربیع الآخر 2ھ غزوہ بواط:

اکتوبر 623ء قریش کے تجارت کے لیے نکلنے کا موسم تھا۔ آپ ﷺ کو قریش کے ایک تجارتی قافلے کی آمد کی اطلاع ملی۔ یہ قافلہ تجارتی سامان سے لدے ہوئے 2500 کے قریب اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس قافلے کی حفاظت کے لیے 100 سے زائد قریشی نوجوان مامور تھے جن کی قیادت امیہ بن خلف الجمحی کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی مدینہ منورہ میں حضرت صائب بن مظعونؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود 200 مجاہدین کے ساتھ بواط تشریف لے گئے مگر اتفاقاً جب آپ ﷺ بواط پہنچے تو یہ تجارتی قافلہ اس مقام سے گزر چکا تھا جو شاید قریش کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع بروقت ملنے کی وجہ سے ہوا تھا۔

اکتوبر 623ء ربیع الآخر 2ھ: غزوہ بدر اولیٰ:

مسلمانوں کی اولین عسکری مہمات کی وجہ سے قریش کی شاہ رگ یا تجارتی شاہراہ شام خطرے میں پڑ چکی تھی، قریش اب اس خوف میں مبتلا ہو چکے تھے کہ آئندہ ان کے شام سے آنے یا جانے والے تجارتی قافلے محفوظ طور پر مکہ نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جوابی کارروائی کا فیصلہ کیا۔ اہل مکہ نے کرز بن جابر الفہری نامی رئیس مکہ کو ایک فوجی دستے کے ساتھ مدینہ منورہ کے مضافات پر چھاپہ مارنے کے لیے بھیجا۔ اس نے مضافات مدینہ میں واقع مسلمانوں کی ایک سرکاری چراگاہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے مویشی اڑا کر لے گیا۔ اس چھاپہ کی اطلاع ملتے ہی سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مدینہ کا قائم مقام حاکم مقرر کیا اور خود 70 مجاہدین کو ساتھ لے کر کرز ابن جابر کے تعاقب میں نکلے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مقام بدر کے قریب واقع وادی صفوان تک اس کا تعاقب کیا مگر کرز ہاتھ نہ آیا۔ مگر اہل مکہ کے اس چھاپہ سے دونوں فریقین میں ایک قسم کی سرد جنگ کا آغاز ہو گیا اور اہل مکہ کی مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی جنگی چال کسی حد تک کامیاب رہی کہ اب مسلمانان مدینہ پہلے سے کہیں زیادہ چوکس اور خود کو حالت جنگ میں سمجھنے لگے۔

نومبر 623ء جمادی الاول۔ 2ھ غزوہ عشیرہ:

مدینہ منورہ پر قریش کے متوقع حملے کا خطرہ بڑھ جانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے جہاں خارجی محاذ پر یثرب کے قبائل کے ساتھ دفاعی معاہدے کیے وہیں اب مسلمان آپ ﷺ کے حکم پر فوجی مشقیں کرتے بھی دکھائی دینے لگے۔ چونکہ اہل مکہ کے ساتھ سرد جنگ شروع ہو چکی تھی لہٰذا ان فوجی مشقوں کا ہدف قریش کو معاشی محاذ پر شکست دینا تھا، جمادی الاول میں ایک قریشی کارواں تجارت کی مدینہ کے قریب سے گزرنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ یہ کارواں مکہ سے شام جا رہا تھا آپ ﷺ نے خود اس قافلے کا تعاقب کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کو مقرر فرمایا اور 150 مجاہدین کے ساتھ تیزی سے روانہ ہو کر مقام عشیرہ تک جا پہنچے یہ مقام وہ تھا جہاں کارواں قریش نے پڑاؤ ڈالنا تھا۔ تاہم قریش بھی اب پہلے سے کہیں زیادہ چوکنا ہو چکے تھے۔ لہٰذا انہیں آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع بھی قبل از وقت مل چکی تھی لہٰذا وہ بھی کسی تصادم سے بچنے کے لیے عشیرہ سے تیزی سے کوچ کر گئے۔ عشیرہ آج کی سعودی بندرگاہ ینبوع کے قریب واقع تھا۔ وہاں آباد قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے اور ان سے عسکری معاہدہ کرنے کے لیے سرکار دو عالم ﷺ نے چند روز تک عشیرہ میں قیام فرمایا اور آپ ﷺ وہاں آباد بنومدلج سے دفاعی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چونکہ یہ قبیلہ بنوضمرہ نامی مسلمانوں کے حلیف قبیلے کا حلیف تھا اس لیے شرائط معاہدہ بھی وہی طے پائیں جو بنوضمرہ کے ساتھ طے پائی تھیں۔

جنوری 624ء رجب 2ھ سریہ نخلہ:

قریش عرب کے باشندے تھے اور کارواں تجارت کی حفاظت کرنا بھی بخوبی جانتے تھے۔ رجب 2ھ میں ان کا ایک بڑا تجارتی کارواں ابوسفیان بن حرب جیسے کایاں رئیس مکہ کی سرکردگی میں شام سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب سے گزر رہا تھا۔ ابوسفیان نے اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے اور زمانہ سرد جنگ کے لوازمات کے طور پر یقینی طور پر اپنے کچھ جاسوس صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے قافلہ کے آگے آگے روانہ کیے ہوں گے۔ ادھر اس قافلے کے حدود عرب میں داخل ہونے کی اطلاع سرکار مدینہ ﷺ کو بھی آپ ﷺ کے موثر جاسوسی نظام کی وجہ سے بروقت مل گئی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو قریش کے ایسے بڑے کارواں کا پہلے ہی سے انتظار تھا تاکہ اس قافلے کے سامان تجارت کو مال غنیمت بنا کر قریش کی معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جا سکے جس کی بناء پر قریش کی جارحانہ قوت و طاقت کو بھی کم کیا جا سکے عسکری مہمات کو سرکار دو عالم ﷺ اکثر و بیشتر صیغہ راز میں رکھتے تھے اور یہی آپ ﷺ کی کامیاب عسکری مہمات کا راز تھا، اس کارواں قریش کی آمد کی اطلاع جتنی اہم تھی اسی قدر اس کو صیغہ راز میں رکھنا بھی ضروری تھا۔ آپ ﷺ نے اس کارواں کی نقل و حرکت کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے آٹھ یا بارہ مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا اگرچہ ان کو سفر کی سمت تو بتا دی مگر اسی عسکری مہم کی غرض و غایت نہیں بتائی۔ ایک سربمہر لفافہ ان کے حوالے فرمایا اور حکم دیا کہ اسے دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد کھولنا اور پڑھ کر اس میں مندرجہ ذیل ہدایت پر عمل کرنا۔ دو دن بعد حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے یہ سربمہر لفافہ کھول کر پڑھا تو یہ حکم درج تھا کہ نخلہ کی طرف جاؤ وہاں ایک کارواں قریش گزرنے والا ہے اس کی نقل و حرکت کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوں انہیں بلاتاخیر مدینہ بھیجو مگر یاد رہے کہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اس کی مرضی کے خلاف عمل کرنے پر مجبور نہ کرنا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے لفافے میں درج حکم کے مطابق اپنے ساتھیوں کو اختیار دیا کہ ان میں جو پسند کرے اس خطرناک مہم پر ساتھ چلے اور جو نہ چاہے وہ نہ جائے، تاہم سب ساتھی اس مہم پر ساتھ جانے اور جام شہادت نوش کرنے کے لیے تیار تھے اور یہ سب عازم نخلہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اونٹ جس پر حضرت عتبہ بن عزوان رضی اللہ عنہ ساتھ شریک سواری تھے کہیں گم ہو گئے جس کو تلاش کرتے ہوئے وہ پیچھے رہ گئے تھے اور جب اونٹ ملا تو نخلہ کا راستہ بھول گئے۔

مجاہدین کی بقایا جماعت جب نخلہ پہنچی تو شام کا دھندلکا چھا رہا تھا ایسے میں ان کی مڈبھیڑ قریش کے ایک چھوٹے

سے قافلے سے ہو گئی جس میں چار اشخاص، عمرو بن الحضرمی، نوفل بن عبداللہ، عثمان بن عبداللہ، اور الحکم بن کیسان شامل تھے ادھر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر جذبہ انتقام سے مغلوب ہو گئے اور اپنا خصوصی مشن بھول کر کچھ مال غنیمت کے لالچ میں مبتلا ہو کر ماہ الحرام کی حرمت کا دھیان رکھے بغیر انہوں نے قریش کے اس چھوٹے سے قافلے پر حملہ کر دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے ایک تیر کا نشانہ بنا کر عمرو بن الحضرمی کو ہلاک کر دیا۔ باقی تین قریشی بھاگ اُٹھے تاہم نوفل بن عبداللہ کے سوا باقی دو کو گرفتار کر لیا گیا۔ مسلمانوں نے ان کے اسباب تجارت پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے عرب کے رواج کے مطابق مال غنیمت سے آپ ﷺ کے لیے پانچواں حصہ نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور اپنے مشن کی پرواہ کیے بغیر واپس مدینہ لوٹ آئے۔ یہاں آ کر آپ ﷺ کی خدمت میں خمس پیش کیا اور آپ ﷺ کو اس مڈبھیڑ کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے اس اقدام کو سخت ناپسند فرمایا اور خمس لینے سے بھی انکار کر دیا۔ اس کی بڑی وجوہات مورخین نے یہ بتائی ہیں کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے عسکری نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی تھی اور حرمت کے مہینے رجب میں قتل و غارت کے مرتکب ہوئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے خمس قبول نہیں فرمائی، دوسرے اس مہم کی وجہ سے دشمنوں کو مسلمانوں کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع بھی ملا تھا۔ تیسرے اس اقدام سے اصل مہم کا مقصد فوت ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے قریش کے بڑے تجارتی قافلے کو بچ نکلنے کا موقع بھی فراہم ہو گیا تھا۔ ادھر آپ ﷺ جانتے تھے کہ قریش کو عمرو بن الحضرمی کی موت سے سخت صدمہ پہنچا ہے اس لیے وہ انتقامی کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہود و منافقین مدینہ نے بھی اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ وہ ہر جگہ کہتے پھرتے تھے کہ مسلمان کیسے متقی اور صالح ہیں جو حرمت کے مہینے میں بھی قتل و غارت سے نہیں چوکتے؟ اس سے آپ ﷺ سخت رنجیدہ ہوئے تو وحی نازل ہوئی اور سورۃ البقرہ کی آیات 7-1 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (2-217)

”اے پیغمبر: لوگ ماہ حرام کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ کہہ دو کہ اس میں لڑنا بری بات ہے، مگر (یہ بھی یاد رہے کہ) لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ کا انکار کرنا اور مسجد میں جانے نہ دینا، نیز وہاں کے باشندوں کو نکال دینا (بھی) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بری بات ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔“ (القرآن)

اس وحی کی تنزیل کے بعد آپ ﷺ نے خمس قبول کرلیا اور باقی مال غنیمت بھی تقسیم کردیا اور حضرت سعد ؓ اور عتبہ ؓ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد قریش کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کردیا۔ ان دونوں میں حکم بن کیسان ؓ نے اسلام قبول کیا اور مدینہ میں رہائش اختیار کی۔

اس واقعہ کے بعد جلد ہی آپ ﷺ کو قریش کے مدینہ پر حملہ کرنے کے منصوبہ کی اطلاع مل گئی۔ اسی وجہ سے مؤرخین نے سریہ نخلہ کی مہم کو غزوہ بدر کا فوری سبب قرار دیا ہے۔

جنوری فروری 624ء۔ شعبان 2ھ: تحویل قبلہ کا واقعہ:

شعبان 2ھ میں تحویل قبلہ کا واقعہ رونما ہونے سے پہلے یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس ہی مسلمانوں کا بھی قبلہ تھا۔ یہ مشترکہ قبلہ مسلمانوں کے یہودیوں سے ایک الگ اور آزاد متمدن قوم ہونے کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ دوسرے یہود مدینہ بھی موقع پاتے ہی مسلمانوں پر طنز کے نشتر چلائے بغیر نہیں رہتے تھے کہ قبلہ تو ہمارا ہے، آپ ﷺ اسی وجہ سے یہود کے قبلے بیت المقدس کی بجائے کعبہ مشرفہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنانے کی آرزومند تھے۔ آپ ﷺ کی یہ آرزو مشیت الٰہی تھی۔ ہجرت کے تقریباً 18 ماہ بعد شعبان 2ھ میں آپ ﷺ کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی اجازت عطا فرمائی۔

تحویل قبلہ کا یہ واقعہ تاریخ اسلام کے عہد ساز واقعات میں سے ایک ہے۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کو دیگر اہل کتاب سے ممتاز کرنے اور ایک الگ قومی تشخص پیدا میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً ۔۔۔ ضرور ہم پھیریں تجھ کو اس قبلہ کی طرف (القرآن) تحویل قبلہ کا حکم عین اس وقت نازل ہوا جب آنحضرت ﷺ بنوسلمہ کی مسجد میں نماز ظہر کی جماعت کی امامت فرما رہے تھے، اور اولین دو رکعتیں ادا ہو چکی تھیں کہ تحویل قبلہ کا حکم آ گیا چنانچہ دوران نماز ہی سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا رخ مبارک کعبہ مشرفہ کی طرف کرلیا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی سمت میں منہ کر کے ادا کیں۔ اسی وجہ سے آج بھی اس مسجد کو مسجد قبلتین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا یا علی ؓ: ہم نے تو آپ ؓ کو نماز میں سمت تبدیل نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا یا رسول اللہؐ میں نے حضرت عثمان ؓ کو اس سمت میں رخ بدلتے دیکھا تو میں نے بھی سمت تبدیل کرلی اس پر آپ ﷺ نے حضرت عثمان ؓ سے بھی یہی سوال کیا تو آپ ؓ نے فرمایا حضور ﷺ میں نے حضرت عمر ؓ کو دیکھ کر ایسا کیا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے اس سوال نبوی ﷺ کا

جواب کچھ یوں دیا کہ سرکار مجھ سے افضل شخص حضرت ابوبکر ؓ نے جب اپنا رخ تبدیل کرلیا تو میں نے بھی اُن کی تقلید میں ایسا کرلیا۔ حضرت ابوبکر ؓ سے جب سرکار دو عالم ﷺ سے یہی سوال فرمایا تو صدیق اکبر ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ: ہم تو ایک جاہل و مشرک قوم تھے ہمیں آپ ﷺ نے ہی وجود خداوندی سے آشنا فرمایا ہے آج جب میں نے آپ ﷺ کا رخ انور بیت القدس سے کعبہ شریف کی سمت میں تبدیل ہوتے دیکھا تو جان لیا کہ آج سے خدا اسی سمت میں جلوہ گر ہے، تو میں نے آپ ﷺ کے رخ انور کی سمت میں خود کو بھی موڑ لیا۔ سبحان اللہ حضرت صدیق اکبر ؓ نے تحویل قبلہ کی کیا صحیح ترین توثیق و توضیح فرمائی۔

624ء۔ 2ھ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی قدر پر درود بھیجنے کا حکم:۔

اسی سال یعنی 2 ہجری میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 56 نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ☆ (33-56)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول ﷺ پر، اے ایمان والو: رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو خوب سلام بھیجنا۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ حکم شعبان 2ھ میں نازل ہوا تھا۔

آخری ایام فروری 624۔ اواخر شعبان المعظم 2ھ: رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت:

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ عشق و وفا امتحانوں کا نام ہے۔ سنہ 2ھ میں جہاں مسلمانوں غزوہ بدر جیسے بڑے امتحان سے گزرے وہیں اس سے صرف چند ہفتے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رمضان المبارک کے روزے فرض کردیے تا کہ عاشقوں کی ضبط نفس کی قوت اور تقویٰ کا امتحان کیا جا سکے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۳ بھی نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (2-183)

اے لوگو: جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کردیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کرام کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ (القرآن)

اس آیت شریفہ میں اس نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ روزہ ایک لازمی عبادت ہے۔ روزے سے انسان میں

اللہ تعالیٰ کی محبت اور خشیت، حق کی آرزو و تلاش اور ضبط نفس کرنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے جب کہ یاد رہے کہ ضبط نفس یا تزکیہ نفس بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ دوسری طرف روزہ مسلمانوں کی عسکری تربیت کا بھی ایک لازمی حصہ ہے کہ میدان جنگ میں کیا خبر کتنی مدت تک کھانے کے بغیر گزارا کرنا پڑے۔ اس لیے مسلمانوں کے میدان جنگ میں آنے سے پہلے ہی روزے رکھوا کر انہیں عسکری تربیت فراہم کر دی گئی ہے۔

عہد نبوت کے ماہ و سال، مولانا ہاشم ٹھٹھوی، الرحیق المختوم، صفی الرحمٰن، رحمت للعالمین، قاضی سلمان منصور پوری، نبی رحمت سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت ابن ہشام، پیغمبر اعظم و آخر، ڈاکٹر نصیر احمد نصیر

8 تا 13 مارچ 624ء۔ 2ھ تا 17 رمضان المبارک 2ھ

غزوہ بدر کبریٰ:

اسلامی مملکت مدینہ کے خلاف قریش کی جارحیت ناگزیر تھی کیونکہ وہ مسلمانوں کو اب تک بھی اپنے شہر کے مفرور و بھگوڑے تصور کرتے تھے۔ اس صورت حال میں بھلا انہیں مسلمانوں کی ایک الگ اور آزاد مملکت کا قیام کیسے برداشت ہو سکتا تھا۔ پھر کچھ واقعات ایسے پیش آ گئے جن میں ایک تو رئیس مکہ عمرو بن الحضرمی کا قتل اور دوسرے مکہ میں ابو سفیان کے قافلے سے ایلچی کی آمد، جس نے اہل مکہ کو مسلمانوں کے اس قافلہ تجارت پر متوقع حملے سے ڈرا دیا اور ان میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ قریش غیظ و غضب کی حالت میں ابو سفیان کے قافلے کو بچانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ابو سفیان کا کارواں تجارت مکہ کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس قافلہ کے لٹ جانے کا مطلب اہل مکہ کی معیشت کی تباہی تھا۔ یہی آنحضرت ﷺ کا مقصود تھا۔

ادھر مدینہ منوہ میں آنحضرت ﷺ کو بھی اطلاع مل چکی تھی کہ ابو سفیان کا قافلہ واپسی میں بدر کے مقام پر پڑاؤ کرے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے بھی بدر پہنچ کر اس کاروانِ تجارت پر چھاپہ مارنے کا منصوبہ بنایا۔ دوسری طرف آپ ﷺ کی پیغمبرانہ حس آپ ﷺ کو بتا رہی تھی کہ کارواں پر حملہ کیا جائے یا نہ کیا جائے قریش سے تصادم ناگزیر ہے کیونکہ وہ اب ہر صورت میں مدینہ منورہ پر حملہ کر کے رہیں گے، بدر جا کر اہل مکہ کی جارحیت کا مقابلہ کرنے میں ایک یہ حکمت بھی پوشیدہ تھی کہ مسلمانوں کی یہ پہلی جنگ تھی اور انتہائی اہم بھی کیونکہ اس جنگ میں شکست کا مطلب مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی تھا۔ قریش محاصرہ کر لیتے تو خطرہ تھا کہ یہود و منافقین مدینہ کہیں ان کے ساتھ نہ مل جائیں جس سے اسلام کو دہرا خطرہ لاحق ہو جاتا۔

آپ ﷺ نے اس موقع پر 314 مجاہدین کو اس جنگ کے لیے منتخب فرمایا جن میں 86 مہاجرین اور باقی انصار مدینہ تھے جو اسلامی اور بانی اسلامؐ کے ہر حال میں مددگار و معاون تھے۔ اسلامی حکومت مدینہ کے عسکری وسائل بڑے محدود تھے اس لیے باوجود یہ کہ حکومت کے وسائل اور مجاہدین کے مالی وسائل سے انہیں مسلح کیا گیا مگر پھر بھی اسلحہ، رسد اور سواری کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا۔ منصوبہ بندی آپ ﷺ کی حکمت عملی تھی۔ آپ ﷺ نے بے سروسامانی کی کیفیت کے باوجود انتہائی مفید منصوبہ بندی مکمل کر لی۔

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت عمرو ابن ام کلثومؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور 12 رمضان المبارک 2ھ بمطابق 8 مارچ 624ء کو مجاہدین کو ساتھ لیکر نا معلوم منزل کی طرف کوچ فرمایا۔ منزل مقصود کو ظاہر نہ کرنا بھی آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا ایک حصہ تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت کعب بن مالک سے ایک روایت پیش کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ پر تشریف لے جانے کا عزم کرتے تو کسی اور موقع کا ''توریہ'' فرماتے تھے۔ توریہ کی اصطلاح مبہم الفاظ کے لیے مستعمل ہے۔ عسکری رازوں کی حفاظت کرنا بھی آپ ﷺ کے خصائص میں شامل تھا۔ آپ ﷺ بعض اوقات اپنے معتمد صحابہؓ تک کو بھی خبر نہیں کرتے تھے۔ روحا کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے لشکر اسلام میں سے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کو حاکم مدینہ بنا کر واپس بھیج دیا اس طرح مجاہدین کی تعداد 313 رہ گئی جو تمام رمضان المبارک کا روزہ رکھے ہوئے تھے اور احد احد کا ورد ان کے نوک زبان تھا۔ یہی اس غزوہ میں مسلمانوں کا کوڈ ورڈ بھی تھا۔

اس لشکر اسلام کے تین علم تھے جو حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھے۔ ان میں دو آخری علم سیاہ رنگ کے تھے۔ ادھر قریش کے تجارتی قافلے کے امیر ابوسفیان کو جب اس کے جاسوسوں نے خبر دی کہ بانی اسلام ﷺ مدینہ منورہ سے اس قافلے پر حملے کے عزم سے روانہ ہو چکے ہیں تو جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ اس نے ضمضم بن عمرو نامی شخص کو اپنا ایلچی بنا کر مکہ بھیجا اور اہل مکہ کو خبر دی کہ یہ قافلہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے حملے کی زد میں ہے دوڑو اور اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کرو۔

دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا حضور ﷺ کی عسکری خصوصیات کا حصہ تھا آپ ﷺ نے قریش کے قافلہ تجارت کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے دو جاسوس بدر کی طرف روانہ فرمائے۔ ان کے نام مؤرخین نے بسیس بن عمرو الجہنی اور عدی بن ابی الزغبا بتائے ہیں جبکہ آپ ﷺ خود لشکر اسلام کو بدر کی طرف ایسے راستوں سے لے چلے جو آمد و رفت کے لیے مستعمل نہیں تھے۔ ان دونوں جاسوسوں نے وہاں بدر کے مقام پر معلومات

حاصل کر کے حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ قریش کا قافلہ بدر کے مقام پر پہنچنے والا ہے۔ ادھر جاسوسوں کے جانے کے بعد خود ابوسفیان اپنے قافلے سے پہلے وہاں پہنچ گیا اور اس نے سراغ لگا لیا کہ مدینے کے لوگ یہاں جاسوسی کے مقصد سے آئے تھے۔ وہ تیزی سے لوٹا اور اس نے اپنے قافلے کا رخ مقام بدر سے موڑ کر ساحل کے قریب واقع راستے کی طرف کر دیا اور تیزی سے مکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ادھر مدینہ سے روانگی کے وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو مطلع کر دیا تھا کہ دشمن کے دو گروہوں یعنی قافلے والوں یا مکی لشکر قریش سے ضرور سابقہ پڑے گا۔ آپ ﷺ کا جاسوسی نظام بھی موثر تھا اب آپ ﷺ کو ابوسفیان کے ساحلی راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہونے اور قریش کے لشکر جرار کے بدر کی طرف روانہ ہونے کی خبریں بھی موصول ہو گئیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے ابوسفیان کے قافلے کا تعاقب بے سود اور عسکری نقطہ نظر سے ہلاکت خیز سمجھتے ہوئے بدر پہنچ کر دشمنوں کے لشکر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ عسکری اور سیاسی حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ مدینہ منورہ سے دشمنوں کو دور رکھ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔

آپ ﷺ کے ساتھی چونکہ صرف ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر حملے کی نیت سے نکلے تھے، لہٰذا اب نئی صورتحال سے ان کو مطلع کرنا اور ان سے جنگ کے متعلق مشورہ کرنا بھی ضروری تھا، آپ ﷺ نے سب کو جمع کیا اور فرمایا ''اے لوگو: مجھے مشورہ دو جب صحابہ کبارؓ اور صحابہ انصارؓ نے یقین دلایا کہ وہ ہر صورت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے تو آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اُٹھا آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی تعریف فرمائی اور انہیں دعا دی۔

اب مدینہ کی طرف سے ۳۱۳ مجاہدین کا دستہ اور مکہ کی طرف سے ایک لشکر جرار جو ایک ہزار جنگجوان قریش پر مشتمل تھا بدر کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ جحفہ کے مقام پر ابوسفیان کے قافلے کا آمنا سامنا اس لشکر قریش سے ہو گیا جو ابوجہل کی قیادت میں بدر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابوسفیان اور دیگر صاحب الرائے حضرات نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ وہ قافلے کے بچ نکلنے کے بعد خود بھی لشکر سمیت مکہ لوٹ جائے اور لڑنے سے گریز کرے مگر ابوجہل اور اس کے شوریدہ سر ساتھیوں کی دلیل تھی کہ قریش کے لشکر کا اب بغیر لڑے واپس لوٹ جانا بزدلی پر محمول کیا جائے گا اور مسلمانوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور تجارتی شاہراہ بالکل غیر محفوظ ہو جائے گی۔ ابوجہل کے اس نکتے کو آخر قریش نے تسلیم کر لیا اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔

حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ بدر کے جغرافیائی خدوخال سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ بدر کے وسط میں واقع میٹھے پانی کے چشموں کے قریب چھاؤنی ڈالی جائے، مجاہدین ان چشموں کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے کہ رات کو بارش ہو گئی چونکہ ابھی قریش نشیب میں تھے زمین کے بارش کی وجہ سے دلدلی ہو جانے کی وجہ سے ان کی

پیش قدمی رک گئی، جبکہ مجاہدین اسلام قریب میں تھے انہوں نے بڑھ کر چشموں پر قبضہ کر لیا بارش مسلمانوں کے حق میں عسکری اعتبار سے سودمند رہی جبکہ کفار کے حق میں زحمت ثابت ہوئی۔ چونکہ مسلمانوں کی قیام گاہ فراز میں تھی وہاں زمین جم کر سخت ہوگئی۔

میدان بدر میں مجاہدین کی قیادت خود رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے۔ اس لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے لیے ایک محفوظ و موزوں ٹیلے پر سائبان نصب کر دیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر ڈالی، اس سائبان نے جدید عسکری ہیڈ کوارٹر کا کام دیا اور اس مقام سے آپ ﷺ نے میدان جنگ میں نقل و حرکت پر نظر رکھی۔

صبح ہوتے ہی قریش کا لشکر نمودار ہوا۔ جب آپ ﷺ نے دشمنوں کے لشکر جرار کو دیکھا تو آپ ﷺ کے دست مبارک بارگاہ خداوندی میں دعا کے لیے اُٹھ گئے اور آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

"اے اللہ: یہ قریش اپنے فخر و مباہات کے ساتھ آ گئے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو تیری مخالفت کرتے اور تیرے رسول ﷺ کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ: آج میں تیری اس مدد کا طلب گار ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ: یہ صبح ان کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہو۔[1]

جب کفار مکہ مسلمانان مدینہ کے مقابل ہوئے تو چشم فلک نے بڑا عبرت انگیز نظارہ دیکھا ایک طرف شمع توحید کو فروزاں رکھنے کے مشتاق تھے تو دوسری طرف شمع توحید پر کفر خندہ زن تھا۔

یہ 17 رمضان المبارک 2ھ۔ 13 مارچ 624ء کی صبح تھی عرب کے عسکری دستور کے مطابق دو بدو لڑائی کا آغاز مبارز طلبی سے ہوا اور قریش کی طرف سے عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ نکلے اور انہوں نے مبارزت طلب کی جس پر مجاہدین میں سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور عفراء کے دو بیٹے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ نکلے چونکہ یہ تینوں صحابی انصار مدینہ تھے اس لیے مکہ کے اہل غرور نے ان سے لڑنا اپنے شایان شان نہ سمجھا اور قریشی مسلمانوں کو مقابلے کے لیے طلب کیا اس پر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل ولید کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل عتبہ کو مار گرایا اور خود مامون و محفوظ رہے مگر عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ جو خود بھی دشمن کو قتل کرنے میں کامیاب رہے مگر خود بھی مہلک زخم کھا کر گر پڑے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مدمقابل کو واصل جہنم کیا اور ان کو زخمی حالت میں اٹھا کر لائے۔ پاؤں کٹ جانے کی وجہ سے انہوں نے چند روز بعد شہادت پائی۔

دو بدو لڑائی کے بعد قریش نے عام حملہ شروع کر دیا۔ جب دشمن پیش قدمی کرتا ہوا مسلمان تیر اندازوں کی زد

---

1 ابن اسحٰق، ابن ہشام

میں آیا تو آپ ﷺ کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تیر اندازوں نے دشمن کو واپس بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کے بعد گھمسان کا رن پڑا۔ آپ ﷺ میدان میں سورۃ قمر کی آیت "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ" تلاوت فرما رہے تھے۔ مجاہدین بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ ہوا کا رخ بدلا ساتھ ہی آندھی چلنے لگی۔ آپ ﷺ اس موقع کے منتظر تھے آپ ﷺ نے مٹھی بھر ریت اُٹھائی اور دشمنوں کی طرف پھینک دی۔ یہ دراصل عقب کی فوج کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا اشارہ تھا۔ جلد ہی قریش اپنے حواس کھو بیٹھے اور بددل ہو گئے جنہیں وہ چیونٹی کی طرح مسلنے کے لیے نکلے تھے خود ان کے ہی ہاتھوں پریشان ہو گئے اور منتشر ہونے لگے۔ قریش کے پاؤں اکھڑتے ہی مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں سنبھلنے اور دوبارہ صف بند ہونے کا موقع نہیں دیا

ابوجہل جسے اپنی شجاعت و مردانگی پر بڑا ناز تھا، اُسے معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ جیسے کم سن مجاہدوں نے بالکل اسی طرح مار گرایا جس طرح بعض اوقات چڑیوں کے ہاتھوں باز مارے جاتے ہیں۔ مگر عکرمہ بن ابوجہل نے جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے، معاذ رضی اللہ عنہ پر وار کر کے ان کا بازو کاٹ ڈالا مگر بہادری کی مثال معاذ رضی اللہ عنہ نے قائم کی کہ خود اپنے پاؤں کے نیچے بازو دے کر اپنے جسم سے علیحدہ کیا اور خود زخم خوردہ شیر کی طرح لڑتے رہے۔

فتح کے بعد نبی اکرم ﷺ نے دو قاصد اہل مدینہ کو خوشخبری دینے کے لیے بھجوائے اور خود تین دن تک مجاہدین کے ساتھ میدان جنگ ہی میں قیام فرمایا۔ بعد کے غزوات میں یہ آنحضرت ﷺ کا معمول رہا کہ آپ ﷺ تین دن تک میدان کارزار میں قیام کرتے تھے۔ اہل مکہ کو اپنی جارحیت اور ہٹ دھرمی کی بھاری قیمت چکا کر مزا چکھنا پڑا، وہ نہ صرف جانی و مالی نقصانات اُٹھا کر بدر سے لوٹے بلکہ ان کی سیاسی، مذہبی شہرت اور عزت کو بھی دھچکا پہنچا۔ ان کے 70 شجاع اور بہادر میدان کارزار میں مارے گئے اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں مشاہیر قریش جنگی قیدی بنے۔ ان میں آپ ﷺ کے چچا عباس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل اور رسول اللہ ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے عرب دستور کے مطابق جنگی قیدیوں کو قتل نہیں کروایا بلکہ فدیہ یا تاوان کے عوض سب کو رہا کر دیا۔ فتح بدر کے نتائج بڑے شاندار تھے مسلمان جو اب تک ایک کمزور گروہ تصور کیے جاتے تھے اب قریش کے ہم پلہ قرار پائے۔ دوسری طرف جنگ بدر تاریخ عالم کا ایک ایسا معرکہ بھی تھا کہ اگر اس معرکہ میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو تا ابد توحید کا کوئی نام لیوا نہ بچتا اور انسانیت بلکہ تمام بنی نوع انسان اسلام کی رحمت و محبت اور عدل و احسان سے محروم ہو جاتے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے جو دعا مانگی تھی اس میں خود آپ ﷺ نے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا تھا "اے اللہ: اگر تیری یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر تا قیامت تیری عبادت نہ ہو سکے گی"۔

اصحاب بدر کی فضیلت بھی ابد تک تمام مسلمانوں پر قائم رہے گی کہ ایسے جانثار چشم فلک نے کبھی دیکھے نہیں تھے اور نہ دیکھ سکے گی۔

20-21 مارچ 624ء۔24-25 رمضان المبارک 2ھ غزوہ الکدر:

مسلمان سرزمین عرب کی سب سے بڑی طاقت کو شکست دے کر مدینہ واپس لوٹے ہی تھے اور اس امتحان وفا میں پورے اترنے پر ابھی مدینہ کی گلیوں میں خوشیاں منانے کا سلسلہ جاری تھا کہ جاسوسوں نے خبر دی کہ بنو سلیم الکدر میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور کچھ ہی دنوں میں مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے نکلنے والے ہیں۔ سید الکونین ﷺ نے یہ خبر ملتے ہی ایک بار پھر جہاد کے لیے کمر باندھ لی۔ آپ ﷺ کا عسکری اصول تھا کہ دشمن پر اس وقت حملہ کیا جائے جب وہ غفلت میں ہو۔ اس فوری اقدام کے لیے نکلنے کے لیے آنحضرت نے سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابن کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور خود مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ الکدر کی مہم پر نکلے۔ چونکہ عرب کی عسکری حکمت عملی شب خون مارنے یا اچانک چھاپہ مارنے پر مشتمل تھی اس لیے دشمنوں کے اچانک حملوں سے خبردار رہنا بھی عرب کا عام دستور تھا۔ جب بنو سلیم کو خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ الکدر کی طرف پیش قدمی فرما رہے ہیں تو آپ ﷺ کے اس فوری اقدام اور بدر کی فتح سے اتنے مرعوب ہوئے کہ الکدر سے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے الکدر پہنچ کر اپنے معمول کے مطابق تین دن تک وہاں قیام کیا اور دشمنوں پر دھاک بٹھا کر مدینے واپس آ گئے۔

26 مارچ 624ء پہلی نماز الفطر کی ادائیگی:۔

26 مارچ 624ء یکم شوال 2ھ کو آنحضرت ﷺ پہلی نماز عید الفطر کی ادائیگی کے لیے نکلے، عصائے مبارک آپ ﷺ کے سامنے گاڑ دیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کو سترہ بنا کر لوگوں کو نماز عید الفطر پڑھائی یہ مسلمانوں کی پہلی عید الفطر تھی جو فتح بدر کے بعد مسلمانوں نے بطور تہوار منائی۔ وہ عصا جو نبی کریم ﷺ کے سامنے گاڑا گیا شاہ حبشہ نجاشی نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو عطا کیا تھا۔ حبشہ سے واپسی پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ہدیہ کر دیا تھا۔ یہ عصا شریفہ عموماً عیدین کی نماز کی ادائیگی کے وقت آپ ﷺ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا۔ اسی سال صدقہ فطر بھی واجب قرار پایا گیا۔

عید کی خوشی میں غسل کرنا، حسب توفیق صاف ستھرا لباس پہننا، خوشبو لگانا، عزیز و اقارب سے ملنا، دوستوں اور رشتہ داروں سے مصافحہ کرنا بھی عید کے مسنون اعمال میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ تکبیر و تحلیل سے دل کو منور کرنا بھی اسلامی روایات میں شامل ہے۔

مسلمانوں کو آفاقی مسرت سے آشنا کرنے کے لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے عید الفطر جیسا خوشیوں بھرا تہوار عطا فرمایا تھا وہیں غریب مسلمانوں کو خوشیوں میں شریک کرنے کے لیے صدقہ عید الفطر بھی واجب کیا تھا تاکہ نماز عید کی ادائیگی سے پہلے مسلم معاشرے کے ضرورت مند افراد کی مالی امداد ہو سکے

624ھ وفیات سنہ 2 ہجری:

اس سال وفات پانے والوں میں وہ مشہور رئیس قریش، مطعم بن عدی شامل تھا۔ یہ رئیس مکہ وہی تھا جس نے سفر طائف سے واپسی آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لیا تھا مگر روایت پسندی قریش کی وجہ سے یہ شخص بھی اپنے پرانے دین پر مرا۔ اسی سال عرب کے مشہور شاعر، امیہ ابن ابی الصلت نے انتقال کیا۔ اس عرب شاعر کے اشعار پند و نصائح کے حامل ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی وفات پر فرمایا تھا ’کاد امید بن ابی الصلت ‘‘یعنی قریب تھا کہ امیہ بن ابی صلت اسلام لے آتا‘‘۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ ابن ابی الصلت کے اشعار مومنانہ تھے مگر اس کا دل کافر ہی رہا اس نے عہد جاہلیت میں اگرچہ بت پرستی ترک کردی تھی اور دین مسیحی قبول کر کے رہبانیت اختیار کر لی تھی پھر جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو وہ مشرف با اسلام نہ ہو سکا اور حسد و عداوت کی وجہ سے سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔

2/624ھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حبشہ سے واپسی:

سنہ دو ہجری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو ان کی واپسی مدینہ کے وقت آنحضرت ﷺ ادائیگی نماز میں مصروف تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سلام کیا تو بحالت نماز میں سلام کا جواب عطا نہیں فرمایا اگرچہ اس سے پہلے بحالت نماز میں بھی سلام کا جواب دیا جاتا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اب دوران نماز سلام و کلام کی ممانعت ہو چکی ہے۔

12 مارچ 624ء معرکہ بدر کی شب:

اس شب آپ ﷺ پوری شب بارگاہ الٰہی میں دعا اور فریاد کرتے رہے یہاں تک کہ ردائے مبارک بار بار کندھوں سے نیچے گر جاتی تھی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ رب آپ ﷺ سے کیا وعدہ ضرور پورا کرے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ قمر کی آیت

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر 45-54)

نازل فرمائی۔ یعنی عنقریب شکست کھائیں گے یہ لوگ اور پشت پھر کر بھاگ جائیں گے بعض محققین کے مطابق یہ آیت مکہ

میں نازل ہوئی تھی مگر معرکہ بدر کے موقع پر خصوصی طور پر تلاوت کرنے کا حکم نازل ہوا تھا۔

غزوہ بدر میں تین پشتوں کی شرکت:

غزوہ بدر میں حضرت یزید بن اخنس سلمی رضی اللہ عنہ ایک ایسے صحابی تھے جن کے صاحبزادے معن بن یزید رضی اللہ عنہ اور اس کے والد اخنس بن احباب رضی اللہ عنہ تینوں نے اس معرکہ میں شرکت فرمائی۔ صحابہ کرامؓ میں سے یہ واحد شخص تھے جس کی تین پشتوں نے بیک وقت اس جنگ میں شرکت کی۔

13 مارچ 624ء ذوالفقار کا حصول:

مشہور تلوار ذوالفقار معرکہ بدر میں عاص بن منبہ یا منبہ بن حجاج کافر کی ملکیت تھی یہ دونوں مشرک معرکہ بدر میں کام آئے تو یہ تلوار مسلمانوں کو مال غنیمت میں ملی۔ آنحضرت ﷺ نے اس تلوار کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ آپ ﷺ کے ترکہ میں شامل تھی بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ تلوار آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی تھی

13 مارچ 624ء چودہ صحابہ کرامؓ کی شہادت:

سنہ 2ھ میں معرکہ بدر کے موقع پر چودہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہوئے جن میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ اسی سال غزوہ بدر کے موقع پر حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے حق میں قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ "اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مردہ نہ کہو بلکہ یہ تو زندہ ہیں۔" [1]

14 مارچ 624ء حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بحیثیت جنگی قیدی:

سنہ 2ھ میں جب غزوہ بدر کے موقع پر جو قریش کے لوگ جنگی قیدی بنے ان میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کرنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عذر ظاہر کیا کہ ان کے پاس فدیہ کی ادائیگی کے لیے زر و مال موجود نہیں ہے اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ رونما ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ فدیہ اس سونے سے ادا کیجیے جو آپ اپنی روانگی سے پہلے اپنی بیوی کے روبرو گھر میں دفن کر کے آئے ہیں اور وصیت فرما کر آئے ہیں کہ یہ مال میرے تینوں بیٹوں حضرت فضل، عبداللہ، اور قثم

[1] القرآن

کا ہے۔ یہ احوال سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے صحیح فرمایا اب مجھے دل سے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں کیونکہ اس راز سے میرے اور میری بیوی ام الفضل کے سوا کوئی دوسرا اس کا واقف نہیں تھا۔ یقیناً آپ ﷺ کو اس کی اطلاع بذریعہ وحی ملی ہے۔

اپریل 624ء شوال 2ھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی:

آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں اپنے فرائض سے تو آگاہ تھے ہی آپ ﷺ کو اپنی گھریلو ذمہ داریوں کا بھی احساس تھا۔ آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدہ النساء کا نکاح صفر المظفر 2ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا اور رخصتی باقی تھی۔ جیسے ہی مدینہ منورہ کی دفاعی ذمہ داریوں سے آپ ﷺ کو فرصت ملی آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کی رخصتی بڑی سادگی سے کی۔ آپ ﷺ سید المسلمین ﷺ اور فاتح بدر تھے مگر آپ ﷺ نے اپنی لخت جگر کو انتہائی مختصر سے جہیز، ایک چارپائی، چمڑے کا ایک تھیلا، ایک مشکیزہ، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے، کے ساتھ رخصت فرمایا۔ [1]

10 اپریل 624ء 15 شوال 2ء یہود مدینہ سے تصادم:

مدینہ منورہ میں زراعت، تجارت، صنعت، حرفت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی پر یہود قبائل کا قبضہ تھا، اس وجہ سے وہ دیگر انصار مدینہ سے بہتر زندگی گزار رہے تھے۔ دوسرے وہ اوس وخزرج قبائل کو لڑوا کر خود سیاسی مفادات اٹھاتے رہے تھے۔ معاشی وسائل پر اجارہ داری رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ اوس وخزرج کے لوگوں کو سود پر قرضے بھی فراہم کرتے تھے اور ان کے سود کی شرح بھی بہت زیادہ تھی۔ اگر کسی کے پاس رہن رکھنے کے لیے زر یا زمین نہ ہوتا تو یہ یہود اولاد اور بیویوں کو رہن رکھ کر قرضے جاری کر دیا کرتے تھے اور مدینہ میں ایک استحصالی قوت بن چکے تھے اور دیگر عرب قبائل کو معاشی طور پر انہوں نے اپنا غلام بنا رکھا تھا۔

یہودی علم وحکمت میں بھی دیگر عربوں کے مقابلے میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ جس سے دیگر عرب مرعوب تھے۔ یہودی معاشی غلامی سے اہل مدینہ کو صرف انقلاب ہی نجات دلا سکتا تھا اور یہ انقلاب تحریک اسلام کی شکل میں بالآخر مدینہ منورہ میں رونما ہو چکا تھا۔ اسلام کی تعلیمات کے زیر اثر آ کر اوس وخزرج میں دشمنی کی بجائے بھائی چارہ قائم ہوا تو یہ بھلا یہودی مفاد پرستوں کو بھلا کب گوارا تھا۔ ایک دن ایک مجلس میں اوس وخزرج کے لوگوں کے ساتھ ساتھ یہود مدینہ بھی جمع

[1] مشکوۃ شریف

تھے کہ یہود نے جان بوجھ کر جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ کر اوس وخزرج کی پرانی دشمنیوں کو ہوا دینا چاہی قریب تھا کہ فریقین کے زخم ہرے ہوجاتے اور تلواریں میانوں سے نکل آتیں اور ایک بار پھر مدینہ کی گلیاں خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجاتیں کہ آپ ﷺ کو یہود کی اس سازش کی خبر مل گئی۔ آپ ﷺ فوری طور پر انصار کی اس مجلس میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اپنے حسن تدبیر اور زور خطابت سے فریقین کے دلوں میں غصے کی بھڑکی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کیا اور معاملات رفع دفع فرمادیا جس سے یہود کی یہ سازش ناکام ہوگئی۔

مدینہ منورہ کے معاشرے میں ایک تیسرا گروہ منافقین کا تھا جس کا رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول نامی ایک منافق تھا۔ عبداللہ بن ابی اس زمانے میں یہودیوں کا ایک ایجنٹ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کے منصوبوں کو ان تک پہنچانا اور یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرنے میں لگا رہتا تھا۔ ادھر یہودی پھر اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے لیے ایک خطرہ بن گئے تھے۔ اس لیے رحمت عالم ﷺ نے یہود و قریش کی طرف سے کسی اچانک حملے یا شب خون وغیرہ کے خطرے سے بچنے کے لیے حفاظتی انتظامات سخت کردیے تھے اور مسلمانوں میں ہنگامی حالت کا خاموش اعلان ہوگیا تھا جس کی وجہ مسلمان مجاہدین بھی چوکس اور چوکنے رہنے لگے۔ یہود مدینہ بھی اپنی شرارت انگیزیوں میں دلیر ہوگئے اور میثاق مدینہ کے معاہدے سے نکلنے کے بہانے ڈھونڈنے لگے تھے۔

15 اپریل 624ء بنو قینقاع کا تنسیخ معاہدہ:

یہود مدینہ میں سب سے پہلے جس یہودی قبیلہ نے میثاق مدینہ جیسے معاہدہ کو منسوخ کیا وہ بنو قینقاع تھا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ چند اوباش یہودیوں نے اپنے علاقے میں ایک دودھ فروش باپردہ مسلمان عورت کی بے حرمتی کرتے ہوئے اس کے چہرے سے نقاب الٹ دی اور اس سے نازیبا سلوک کیا، ایک مسلمان نے ان یہودی اوباشوں کو روکنے کی کوشش کی تو دیگر یہودی اس پر پل پڑے۔ اس جھڑپ میں اس مسلمان نے ایک اوباش یہودی کو واصل جہنم کردیا اور خود بھی دیگر یہودیوں کے ہاتھوں شہید ہوگیا۔ بیسوں صدی میں یہودی اور مسلمانوں کے درمیان جو خونی تصادم رونما ہوئے ان کی یہ پہلی جھلک تھی جو مدینہ منورہ کی گلیوں میں 1300 سال پہلے ہی نظر آگئی تھی۔ یہودیوں نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر باقاعدہ بلوہ شروع کردیا مگر مسلمانوں نے ضبط وتحمل کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

اس فساد کی خبر پاکر سرکار دو عالم ﷺ خود خود اس یہودی علاقے میں تشریف لے گئے اور یہودیوں کو سمجھایا کہ ایسے اقدام سے بچو جس سے تم پر بھی قریش کی طرح کا عذاب نہ آجائے۔ مگر یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کی بات ماننے سے صاف انکار کردیا اور جنگ کی دھمکی دیتے ہوئے منافقین کی پشت پناہی پر مسلمانوں سے کیا ہوا میثاق مدینہ کا معاہدہ توڑ دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے بھی بنو قینقاع کے خلاف 10 اپریل 624ء بمطابق 15 شوال 2ھ کے جوابی

کارروائی کا آغاز کیا اور بنو قینقاع کے محلے کا محاصرہ کرلیا، دیگر یہود قبائل بنو نضیر وغیرہ کو ان یہودیوں کی حمایت کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ 15 دن تک محصور رہنے کے بعد جب بنو قینقاع کو بیرانی امداد ملنے کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے مایوسی کے عالم میں 26 اپریل 624ء بمطابق یکم ذیقعدہ 2ھ کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے۔ یہ مسلمانان مدینہ کی سنہ 2ھ کی دوسری بڑی فتح تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان مفسدین یہود کو ان کے جنگی قوانین کے تحت قتل کرنے کی بجائے جلاوطن کردیا۔ بنو قینقاع جو تعداد میں 700 تھے شام کے علاقے ازرعات میں جا کر آباد ہوگئے۔

29 مئی 624ء۔ 5 ذوالحجہ 2ھ غزوہ سویق:

جنگ بدر کے بعد جہاں رحمت عالم ﷺ مدینہ منورہ میں تعمیری کاموں میں منہمک تھے وہیں اہل مکہ تخریبی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ مکہ کی گلیوں میں انتقام کی آگ بھڑکی ہوئی تھی جس کو شعلہ زن کرنے میں وہاں کی خواتین اور شعرا مصروف تھے۔ قریش کی غیرت کبھی خواتین اور شعرا کی طعنہ زنی برداشت نہیں کرسکتی تھی اس لیے مکہ کے اموی سردار ابو سفیان کی سرکردگی میں جلد ہی ایک انتقامی جنگی مہم کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

ابو سفیان جہاں ایک ماہر حرب اور ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا وہیں سفارتی رموز سے واقف اور جوڑ کی سیاست میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے انتہائی راز داری سے کام لیتے ہوئے مدینے کے یہودیوں سے مسلمانوں کو زک دینے کے لیے ساز باز کی اور مدینہ منورہ پہ شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا اس مقصد کے لیے اس نے انتہائی چاک وچوبند 200 نوجوانوں کا دستہ تیار کیا اور خاموشی سے مدینے کی طرف کوچ کیا۔ اپنے جنگی منصوبے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس نے یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم کے ہاں قیام کیا اور جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کے متعلق اطلاعات موصول کیں۔ مسلمانوں کے حفاظتی انتظامات کی بنا پر اسے مدینہ منورہ پر شب خون مارنے کی جرات نہ ہو سکی مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آسکا اور اس نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی بجائے مدینہ کے قریب واقع مسلمانوں کے ایک نخلستان کو تاراج کیا اور 29 مئی کو اس پر حملہ کرکے ایک مسلمان کو شہید کردیا۔ اس حملے کی اطلاع ملتے ہی سرکار دو عالمؐ نے بنفس نفیس خود چند مجاہدین کے ساتھ اس کا تعاقب فرمایا، آپ ﷺ کو تعاقب میں آتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی ستو کی بوریاں راستہ میں گرانا شروع کردیں دراصل وہ مسلمانوں کو مال غنیمت کا لالچ دیکر ان کے تعاقب کی رفتار کم کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف وہ مال بردار جانوروں کا وزن ہلکا کرکے ان کی رفتار بڑھانا چاہتا تھا۔ اس کی یہ جنگی چال کامیاب رہی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ کر نکل گیا۔ اس ساری کارروائی میں چونکہ ستو کی بوریوں نے اہم کردار ادا کیا تھا اس لیے اس غزوہ کو غزوہ سویق یعنی ستوؤں والی جنگ کا نام دیا گیا ہے۔

3 جون 624ء۔10 ذوالحجہ 2ھ پہلی عید الاضحیٰ اور سنت ابراہیمی کا قیام:

سنہ 2ھ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو ثقافتی تحفے عطا فرمائے، غزوہ الکدر سے واپسی پر عید الفطر منائی گئی اور غزوہ سویق سے واپسی پر آپ ﷺ نے عید الاضحیٰ پہلی مرتبہ منانے کے احکامات کا اعلان کیا جس پر 3 جون 624 کو مسلمانوں نے تاریخ اسلام کی پہلی عید الاضحیٰ منائی۔ آپ ﷺ نے عید الاضحیٰ کی نماز کی امامت کے بعد رسم ابراہیمیؑ کا احیا فرمایا اور اپنے دست مبارک سے 2 مینڈھے قربان کیے۔

یہ دونوں مینڈھے سیرت نگاروں نے سیاہ رنگ کے سینگوں والے خصی مینڈھے بتائے ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

قربانی کی رسم ابراہیمیؑ ملت اسلامیہ کو دو آداب کی تعلیم دیتی ہے۔ آداب عبدیت اور آداب فرزندی آداب عبدیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کے حکم کی تعمیل میں اپنا فرزند قربان کر کے سکھائے تھے جب کہ آداب فرزندی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے والد گرامی علیہ السلام کے اشارے پر ذبح ہونا بھی منظور فرمایا تھا اور دنیا کے فرزندوں کو آداب فرزندی سکھائے تھے۔

624-25ء 3 ہجری کے غزوات اور اہم وقائع

جون 624ء محرم الحرام 3ھ غزوہ ذی امر:

عرب کی سرزمین پر بہت سے ایسے قبائل بھی آباد تھے جو غارت گری اور لوٹ مار کو اپنا آبائی پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ کی نوزائیدہ ریاست میں جہاں تمام مشرک عرب قبائل دشمن تھے وہیں جنگجو مشرک قبائل اس مملکت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے انہیں لالچ تھا کہ اس مملکت پر حملہ کر کے بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل کریں دوسری طرف وہ مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ بھی تھے۔ ایسے جنگجو اور غارت پیشہ عرب قبائل میں نجد کا قبیلہ بنو غطفان سب سے آگے تھا۔ اس قبیلے کی دو ذیلی شاخوں، بنی ثعلبہ اور بنی محارب نے بنو غطفان کے سردار دعثو غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور تاخت وتاراج کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ ابھی اس منصوبے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ ﷺ کو ان کے عزائم کی خبر ملی۔ آپ ﷺ نے فوری اقدام کرنے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قائم مقام حاکم مدینہ بنا کر خود 2 محرم الحرام ۳ھ بمطابق جون ۶۲۴ء کو ۴۰۰ مجاہدین صحابہ کرامؓ کے ساتھ نجد کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ آپ ﷺ کے اس بروقت عسکری اقدام سے بنو غطفان کے لوگ متاثر ہوئے اور خوفزدہ ہو کر انہوں نے بھی پہاڑوں میں روپوشی اختیار کی۔ آپ ﷺ نے دشمنوں کی حوصلہ شکنی کے لیے ڈیڑھ ماہ تک نجد ہی میں قیام فرمایا اور بنو غطفان کی اس بغاوت کو مکمل طور پر فرو کرنے کے بعد واپس مدینہ تشریف لے گئے

4 ستمبر 624ء۔14 ربیع الاول 3ھ گستاخ رسول ﷺ کعب بن اشرف کی سزا:

مسلمانوں کی میدان بدر میں فتح عظیم کے بعد سے عرب دنیا میں طاقت کا توازن بدل گیا تھا اور مسلمانان مدینہ ایک بڑی عسکری طاقت بن کر ابھرے تھے۔ مسلمانوں کی اس شاندار فتح نے یہود مدینہ کو بڑا رنجیدہ کر دیا تھا۔ وہ اہل اسلام اور بانی اسلامؐ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم ہو گئے تھے۔ ان باغیانہ سرگرمیوں کا سربراہ ایک یہودی سردار کعب بن اشرف تھا وہ عرب کا ایک شعلہ بیاں شاعر تھا، پیغمبر اعظم وآخر ﷺ کی شان میں گستاخانہ ہجو لکھنا اس گستاخ رسول کا محبوب مشغلہ تھا۔ قریش کی میدان بدر میں شکست کے بعد وہ مکہ گیا اور اس نے بدر کے مقتولین مشرکین کے مرثیے لکھے۔ اس کے بعد دیگر قبائل عرب کا دورہ کیا اور اپنی شاعری کے ذریعے ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور بدر کی شکست کا بدلہ لینے پر اکسایا۔ قریش سے ساز باز کر کے واپس مدینہ آیا اور خلاف اسلام سرگرمیوں میں مشغول ہو گیا۔ قریش اور اس کے چیلوں کے مدینے پر متوقع حملے کی وجہ سے یہودیوں کے خلاف کوئی کاروائی کرنا خلاف مصلحت تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس موقع پر کعب بن اشرف کی گستاخ زبان کو خاموش کرنا ہی مناسب سمجھا۔ آپ ﷺ نے محمد بن سلمہؓ کی سرکردگی میں ایک کمانڈو ٹیم تیار کی جس نے انتہائی منصوبہ بندی کے ساتھ کعب بن اشرف کا کام تمام کر دیا جس سے یہود مدینہ میں خوف وسراسیمگی کی لہر دوڑ گئی اور انہیں تحریری طور پر لکھ کر دینا پڑا کہ وہ آئندہ بانی اسلام ﷺ کے خلاف مذموم حرکات اور مسلمانوں کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں سے باز رہیں گے۔ اس واقعہ کو مؤرخین نے سریہ محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی دیا ہے۔

ستمبر 624ء۔ ربیع الاول 3ھ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ کا نکاح:

اسی سال یعنی ربیع الاول 3ھ میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا ان کی رخصتی جمادی الاخر 3ھ میں ہوئی تھی۔ یاد رہے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بعد قبل از نبوت کے زمانے میں پیدا ہوئی تھیں۔ یاد رہے کہ ان کی ولادت کے وقت آنحضرتؐ کی عمر شریف 34 سال تھی۔

ستمبر۔ اکتوبر 624ء ربیع الاخر 3ھ غزوہ بحران:

ابھی آنحضرت ﷺ کو بنی غطفان کی سرکشی کو ختم کیے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ بحران سے بنو سلیم کی بغاوت کی خبر آئی۔ آپ ﷺ صاحب عزیمت انسان تھے برے حالات میں تھک کر بیٹھ جانا آپ ﷺ کا شعار نہ تھا۔ ہر قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے بروقت اقدام کرنا آپ ﷺ کی عادت میں شامل تھا۔ بغاوت کی یہ خبر ملتے ہی

آنحضور ﷺ نے ضروری جنگی تیاریوں کے بعد حضرت عبداللہ ابن ام کلثوم ؓ کو مدینہ کا قائم مقام حاکم مقرر فرمایا اور آپ ﷺ 300 مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ سرعت سے بحران پہنچ گئے۔ لشکر اسلام کی اس غیر متوقع آمد کی وجہ سے بنوسلیم بھی بنوغطفان ہی کی طرح منتشر ہوگئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی اور یہ فتنہ بغیر جنگ کیے ہی دب گیا۔ آپ ﷺ تین دن تک بحران میں قیام کے بعد مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

اکتوبر 624ء جمادی الاولیٰ 3ھ حضرت عبداللہ بن عثمان ؓ کی وفات

سیدہ حضرت رقیہ ؓ کے بطن سے حضرت عثمان ؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عثمان ؓ تھے جن کی عمر شریفہ 5 سال تھی وفات پائی۔ ان کی وفات کا سبب مؤرخین نے یہ بتایا ہے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگا مارا تھا جس کی وجہ سے آپ ؓ نے چند دن تک صاحب فراش رہنے کے بعد انتقال فرمالیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا نماز جنازہ خود پڑھایا اور ان کے والد حضرت عثمانؓ نے اپنے صاحبزادے کو خود لحد میں اتارا۔

اکتوبر، نومبر 624ء جمادی الاخر 3ھ

سریہ حضرت زیدؓ بن حارثہ قریش کے متعلق آپ ﷺ کی خارجہ حکمت عملی یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح انہیں اسلام کی مخالفت سے باز رکھا جائے اور بغیر جنگ وجدل کے شہر مکہ کو فتح کرلیا جائے کیونکہ آپ ﷺ اہل مکہ کی تالیف قلوب کرنا چاہتے تھے تاکہ انہیں تحریک اسلام میں شامل کیا جائے، قریش پر دباؤ بڑھانے کے لیے ہی آپ ﷺ نے ان کی شاہراہ تجارت کی ناکہ بندی کردی تھی تاکہ انہیں بساط سیاست پر شکست دی جاسکے۔ اہل مکہ اب شام کی بجائے عراق کا رخ کر رہے تھے۔ ایک تجارتی کارواں قریش جب ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور عبداللہ بن ابی جیسے ماہرین تجارت کی سرگردگی میں بھاری مقدار میں اسباب تجارت لے کر عراق روانہ ہوا تو جاسوسوں نے اس قافلے کی روانگی سے بروقت آپ ﷺ کو مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے قریش کو معاشی محاذ پر زک دینے کے لیے اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا اور انتہائی رازداری کے ساتھ حضرت زید ؓ بن حارثہ ؓ کی قیادت میں ایک سو مجاہدین پر مشتمل ایک فوجی دستہ اس قافلے کو روکنے کے لیے بھیجا۔ مجاہدین نے برق رفتاری کے ساتھ اس قافلے کو گھیر لیا۔ اہل قافلہ خود حیران تھے کہ مسلمان کہاں سے آگئے۔ خوفزدہ ہوکر اہل قافلہ اسباب تجارت چھوڑ کر بھاگے۔ اس قافلے کا ایک رکن فرات بن حیان عجلی گرفتار کرلیا گیا اور لاکھوں روپوں کی قیمت کا اسباب تجارت مجاہدین کے ہاتھ بطور مال غنیمت آیا

اس تجارتی قافلہ کے لٹ جانے کے بعد قریش مکہ پر شام اور عراق دونوں طرف جانے والی تجارتی شاہراہیں

بند ہوگئیں، جس سے تجارت پیشہ قریش مکہ کی معیشت کو سخت خطرہ لاحق ہوگیا۔ یہی آنحضرت ﷺ کا مقصد تھا کہ دشمن کو جھکانے کے لیے اس کی ریڑھ کی ہڈی کا توڑنا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی اس کارروائی سے مسلمان تاجروں کو آگے بڑھنے کا موقع بھی ملا جو بے خوف وخطر اپنا اسباب تجارت شام وعراق اب لے جاسکتے تھے کیونکہ اب ان تجارتی منڈیوں میں ان کا ہم سر کوئی نہیں تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی عبقری فکر ونظر تھی جو ہر گوشہ حیات پر محیط تھی اور آپ ﷺ بلاشبہ ہر میدان میں کامیابیاں حاصل کرتے جارہے تھے۔

جنوری، فروری 625ء شعبان 3ھ۔ ام المومنین حضرت حفصہ ؓ سے رشتہ مناکحت

گھر انسان کے لیے جنت نشاں ہوتا ہے، مثالی گھر انسان کی زندگی کے سفر کو حسین اور خوشگوار بناتا ہے۔ جنوری ،فروری 625ء شعبان 3ھ میں آپ ﷺ نے اپنے گھریلو جنت کی رونق میں اضافہ کرنے کے لیے اور حضرت عمر فاروقؓ کی تالیف قلب کے لیے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے ساتھ رشتہ مناکحت قایم کی، یاد رہے آپ ﷺ اپنے رفقاء کی ہر طرح سے تالیف قلوب فرماتے تھے جو قائد اسلامؑ، حکمران اور سپہ سالار لشکر اسلام کی حیثیت سے آپ ﷺ کے لیے بے حد ضروری تھا۔ جنگ بدر میں مہلک طور پر زخمی ہوجانے کے بعد حضرت عمرؓ کے داماد حضرت خنیسؓ چل بسے تھے اور حضرت حفصہ ؓ بیوہ ہوگئی تھیں۔ جس کے بعد سے حضرت عمر ؓ اپنی صاحبزادی کے نکاح ثانی کے لیے فکر مند تھے۔ آپ ﷺ نے اسی وجہ سے ان کی تالیف قلب فرمائی اور حضرت حفصہ ؓ سے نکاح فرمالیا۔[1]

یکم اپریل 625ء۔ رمضان 3ھ۔ حضرت امام حسنؓ کی ولادت

امام الحسن بن علی ؓ بن ابی طالب رسول اللہؐ کے بڑے نواسے، حضرت علی ؓ اور سیدہ فاطمہ ؓ کے بڑے صاحبزادے، مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، الذھبی نے رمضان کی بجائے ماہ شعبان کو ماہ ولادت قرار دیا ہے، حضرت علی ؓ نے ان کا نام الحرب رکھا جسے آنحضرت ﷺ نے بدل کر حسن کردیا تھا۔ حضرت امام حسن ؓ کو حضرت عباس ؓ کی بیوی ام الفضل نے اپنے بیٹے کے ساتھ اپنا دودھ پلایا۔ یوں تو حضرت قثم ؓ حضرت امام حسنؓ کے رشتہ میں چچا لگتے تھے یوں وہ آپ ﷺ کے دودھ شریک بھائی بھی ٹھہرے (سیر الصحابہ) حضرت ابوبکرؓ ثقفی سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ منبر پر واعظ فرمارہے تھے اور امام حسنؓ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ

---

1. اصابی فی تمیز الصحابہ

کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا (البخاری:3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ نہیں تھا۔

(عہد نبوت کے ماہ وسال، مولانا ہاچم ٹھٹھوی، تاریخ طبری، تاریخ ان خلدون، تاریخ یعقوبی
سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد)

غزوہ احد 22 مارچ 625ء۔ 6 شوال 3 ھ۔

آنحضرت ﷺ کی مثالی قیادت کا اہم ترین تاریخی وقائع

تاریخ عالم میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جب زمانے میں ظلم وگناہ اور فتنہ وفساد کی آندھیاں چلنے لگیں تو اس غلط روش کو کسی جنگ نے بدل کر رکھ دیا۔ یاد رہے کہ غزوات نبوی ﷺ کا بنیادی مقصد بھی زمانے کی غلط روش اور تاریخ کی حیثیت کو بدلنا ہی تھا۔ غزوہ بدر نے بڑی حد تک اس زمانے کی غلط روشوں کو بدل کر رکھ دیا مگر ابھی یہ کام نامکمل تھا شوال 3 ھ میں رونما ہونے والا غزوہ احد اسی سلسلے کی اگلی کڑی تھا۔

محققین نے غزوہ احد کے تین بنیادی عوامل بتائے ہیں جو علی الترتیب وہی معاشرتی، سیاسی، اور عسکری نوعیت کے تھے۔ ایک یہ کہ میدان بدر میں مشرکین مکہ کی مشرکانہ عصبیت کو اتنی ٹھیس پہنچی تھی کہ وہ بلبلا اٹھے تھے اور بانی اسلام ﷺ اور مسلمانوں کا استحصال کرنے پر تل گئے تھے۔ ادھر اسلام قریش کی دینی سیادت یعنی کعبے کے متولی ہونے کے لیے بھی خطرہ بن گیا تھا اور قریش اس خطرے کے پیش نظر بھی اسلام سے نجات حاصل کرنے کے متمنی تھے۔ ہجرت کے بعد جب سے مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کے معرض وجود میں آئی تھی مسلمان ایک طاقت بن کر ابھرے تھے اور انہوں نے قریش کی تجارتی ومعاشی ناکہ بندی بھی کر دی تھی، اہل مکہ اس تجارتی ناکہ بندی کو ہر قیمت پر اٹھانا چاہتے تھے۔ ان تمام عوامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام کے خطرہ کا وجود مٹانے کے لیے اہل مکہ نے اپنے تمام وسائل ایک نئی جنگ کے لیے جنگی تیاریوں میں جھونک دیے تھے۔ نئی جنگ میں صرف جنگجوان قریش حصہ نہیں لے رہے تھے بلکہ شعرا قریش اور خواتین بھی اپنی شعلہ نوائی سے مردانہ وار قریش کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف ابھار رہی تھیں۔ قریش کی خواتین اپنی طاقت اور طعنہ زنی سے مردوں کو غیرت دلانے اور مرنے مارنے پر آمادہ کرنے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ اہل مکہ نے جب اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر لیں تو شوال 3 ھ میں ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ منورہ کی سمت میں پیش قدمی شروع کر دی۔ اس لشکر جرار کی قیادت بنو امیہ کا عقاب ابوسفیان کر رہا تھا جو ایک ماہر حربیات اور تجربہ کار سپہ سالار تھا، اس کا لشکر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا جن میں قریش کے ساتھ ساتھ بنو کنانہ اور اہل تمامہ بھی شامل تھے۔ ان میں تین ہزار شتر سوار اور 2 سو

گھڑسوار بھی شامل تھے۔زرہ پوش سپاہیوں کی تعداد 700 کے قریب تھی۔اس لشکر میں قریش کے اعلیٰ گھرانوں کی 15 خواتین بھی شامل تھیں جو لشکریوں کی غیرت وحمیت کو جگانے کے لیے اور میدان جنگ سے فرار ہونے سے روکنے کے لیے ضروری خیال کی گئی تھیں۔ان خواتین میں سے چند کے نام سیرت نگاروں نے یہ دیے ہیں۔ہند بنت عتبہ، سپہ سالار ابو سفیان کی بیوی وہ اپنے باپ عتبہ جو مقتولین بدر میں شامل تھا اس کا انتقام لینا چاہتی تھی، فاطمہ بنت ولید یہ ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام کی بیوی تھی اور خالد بن ولید کی بہن تھی اپنے خاوند اور باپ اور ابوجہل کا انتقام لینے کے لیے بیتاب تھی۔ ام حکیم بنت حارث یہ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھی اور اپنے چچا ابوجہل کا انتقام لینے کی خواہاں تھی۔قریش کے معزز گھرانوں کی یہ عورتیں مردوں کی طرح مبارزت طلب، نڈر اور منتقم المزاج تھیں۔

آپ ﷺ کو قریش کی جنگی تیاریوں کی تو خبر تھی مگر ان کے عسکری منصوبے سے آگاہ نہ ہوسکے تھے اس لیے جوابی کاروائی کی منصوبہ بندی میں تاخیر ہوگئی اور قریش کا لشکر جرار مدینہ منورہ کے شمال میں تین میل کے فاصلے پر واقع جبل احد کے دامن میں اتر گیا۔جنگی اور جغرافیائی لحاظ سے یہ ایک بہترین جگہ تھی اور یہاں پانی میسر ہونے کے علاوہ دائیں بائیں سے حملہ نہیں ہوسکتا تھا

جب آپ ﷺ کو لشکر قریش کے اترنے کی تصدیق ہوگئی تو آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور اکابر مہاجرین سے مشاورت فرمائی۔اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے تھی کہ مدینہ میں مورچہ بند ہوکر دشمن کا مقابلہ کیا جائے مگر نوجوانان مدینہ کی بھاری تعداد نے مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔جب باہمی طور پر یہ اتفاق رائے نہ ہوسکا تو آپ ﷺ نے بحیثیت سپہ سالار خود فیصلہ فرمایا۔ایک موقع پر جب نوجوانان مدینہ نے اپنی رائے سے مراجعت کرلی مگر اب دیر ہوچکی تھی۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے بھی شایان شان نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے جب تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کردے

پیغمبر ﷺ نے اپنی روایت کے مطابق حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا قائم مقام حاکم مقرر فرمایا اور 6 شوال 3ھ۔بمطابق 22 مارچ 625ء کو بعد از نماز جمعہ مدینہ سے باہر کوچ فرمایا۔آپ ﷺ اس وقت گھوڑے پر سوار تھے ،اور آپ ﷺ کے کندھے پر کمان اور ہاتھ میں نیزہ تھاما ہوا تھا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آگے آگے دوڑ رہے تھے اور باقی مجاہدین دائیں بائیں اور عقب میں تھے۔مجاہدین کی کل تعداد 1000 تھی جن میں سے صرف 100 زرہ پوش تھے۔

جب آپ ﷺ شوط کے مقام پر پہنچے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے 300 سواروں کے ساتھ لشکر سے

یہ کہہ کر علیحدہ ہوگیا کہ چونکہ آپ ﷺ نے میری بات نہیں مانی اس لیے اب ہم کیوں اپنی جانیں ہلاکت میں ڈالیں۔

ابوسفیان کو پہلے میدان جنگ میں پہنچنے کی وجہ سے اپنی مرضی کا محاذ ومقام جنگ مل گیا تھا۔اس نے میمنہ پر خالد بن ولید جیسے بہادر کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل جیسے جری انسان کو اور قلب پر صفوان بن امیہ کو سالار مقرر کیا، خالد بن ولید جیسے ماہر حربیات کو مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کی ذمہ داری سونپی۔اس کے علاوہ ابوسفیان نے مسلمانوں کے مقام صف بندی پر جابجا گڑھے کھدوا کر انہیں کھجور کی چھال اور خشک وخاشاک سے بھروادیا۔چنانچہ بعدازاں ایک ایسے ہی گڑھے میں رسول اللہ ﷺ زخمی ہوکر گرے تھے۔

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کچھ تاخیر سے میدان جنگ پہنچے مگر آپ ﷺ کی نگاہ پیغمبری جب درّے پر پڑی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کی صف بندی کرتے ہوئے فوج کو تین اطراف سے محفوظ کرلیا اب البتہ صرف درے سے عقبی حملہ ہوسکتا تھا۔اس مقام پر آپ ﷺ نے حفاظت کے لیے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی کمان میں پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ متعیّن فرمایا اور انہیں قطعی اور واضح ہدایت دی کہ لڑائی کے دوران یا فتح وشکست کسی صورت میں بھی اس مقام سے نہ ہٹیں۔

اس عہد کی جنگوں میں پرچم کی بڑی اہمیت تھی اسے فوج کی ثابت قدمی کی علامت سمجھا جاتا تھا اگر پرچم سرنگوں ہوجاتا تو فوج کے پاؤں اُکھڑ جاتے اور اگر پرچم بلند رہتا تو پھر فتح مقدر ہوتی۔ابوسفیان نے قریش کا فوجی پرچم بنو عبدالدار کو اس شرط پر دیا کہ وہ اسے ہر قیمت پر بلند رکھیں اور انہوں نے بھاری جانی نقصان اٹھا کر بھی اسے بلند رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، یہ بات اہم ہے کہ ان کا تعلق بھی بنو عبدالدار ہی سے تھا۔آپ ﷺ نے میمنہ پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اور میسرہ پر منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سالار مقرر فرمایا اور اپنی تلوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی انہوں نے اس تلوار سے کشتوں کے پشتے لگادیے اور شمشیر زنی کا حق ادا کردیا۔

جنگ کا آغاز خواتین قریش کے میدان جنگ میں آکر رجزیہ اشعار پڑھنے سے ہوا۔انہوں نے مشرکین مکہ کو غیرت دلاکر آمادہ جنگ کیا جنگ کے آغاز میں قریش کے علمبردار طلحہ نے آگے بڑھ کر مبارزت طلب کی مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کو نکلے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُسے مار گرایا۔اب پرچم قریش ابوسعید بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں آگیا۔اس دشمن خدا کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کردیا اس طرح پرچم بلند رکھنے کے لیے بنی عبدالدار کے یکے بعد دیگرے نو افراد ہلاک ہوگئے (ابن ہشام) معرکہ احد میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور پر بہادری کے جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے عش

عش کر اُٹھے۔ حضرت حمزہ ؓ ارطاۃ بن عبد بن شرحبیل کو ٹھکانے لگا کر سباع بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ وحشی نے جوان کی گھات میں تھا، انہیں دیکھ لیا اور موقع ملتے ہی حربہ مار کر شہید کر دیا۔ جنگ ابھی ابتدائی مراحل میں تھی کہ ابو سفیان نے ایک جنگی چال چلتے ہوئے پسپائی کا انداز اختیار کیا۔ مجاہدین ابوسفیان کی اس چال میں آ گئے اور دشمن کا تعاقب کر کے اس پر ضرب کاری لگانے کی بجائے مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے، ابوسفیان اپنی جنگی چال کو کامیاب ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دیگر مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت کے لالچ میں درے پر متعین تیر اندازوں نے بھی حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کے احکامات نہ مانتے ہوئے مال غنیمت لوٹنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

خالد بن ولید جو عقب سے حملہ کرنے کا ذمہ دار تھا اسی موقع کی تلاش میں تھا، اس نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر درے پر قبضہ کر لیا اور ان کے پیچھے عکرمہ بن ابوجہل بھی کمک لے کر آ پہنچا۔ دونوں نے اس تیزی سے حملہ کیا کہ مسلمان جو مال غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے، بدحواس ہو گئے اور ان کی صفوں میں نظم و ضبط نہ رہا، اپنے سالار اعظم ﷺ سے مسلمانوں کا رابطہ ٹوٹ گیا قریش ان حالات میں مسلمانوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی بسالت و حوصلہ مندی اور استقامت اور ثابت قدمی دکھائی جس کی بدولت مسلمانوں نے میدان کو نہ چھوڑا۔ مگر اب قریش کا جنگی ہدف آپ ﷺ کی ذات بابرکات بن گئی۔ آپ ﷺ کے گرد بڑے زور کا رن پڑا، دشمن آپ ﷺ کو نرغے میں لے کر آپ ﷺ کی ذات گرامی قدر پر مسلسل حملے کر رہا تھا مگر آپ ﷺ ثابت قدم رہے۔ ادھر کچھ سورمان قریش نے کہتے ہیں آپ ﷺ کو شہید کرنے کا حلف اُٹھا لیا اور سر دھڑ کی بازی لگا کر آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ عبداللہ بن شہاب زہری نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو زخمی کر دیا عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ ایک پتھر لگنے سے آپ ﷺ کا نیچے کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور ہونٹ مبارک زخمی ہو گئے آپ ﷺ سنگباری سے بچنے کے لیے مجاہدین کے ساتھ پہاڑ کی اوٹ میں ہونے لگے تو قریش کے روپوش کردہ گڑھوں میں سے ایک میں گر پڑے۔ حضرت علی ؓ اور حضرت طلحہ ؓ نے فوراً آپ ﷺ کو نکالا، اسی اثناء میں ایک مشرک ابن قمیہ نے آپ ﷺ کے سر پر اس زور کا وار کیا کہ آپ ﷺ کا خود دو حلقوں میں منقسم ہو کر چہرے میں دھنس گیا اور آپ ﷺ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ ان حالات میں ایک مشرک عبداللہ بن حمید اسری آگے بڑھا تو حضرت ابودجانہ ؓ نے اسے تہ تیغ کر دیا۔ چہرہ مبارک زخمی ہوا تو آپ ﷺ کے رخسار مبارک خون آلودہ ہو گئے۔ یہ خون صاف کرنے کی سعادت حضرت مالک بن سنان خزری ؓ کے حصے میں آئی۔ خود کے جو حصے چہرہ مبارک میں دھنس گئے تھے انہیں حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ نے نکالا۔ دشمنوں کے تیر اندازوں نے آپ ﷺ کی ذات کو مسلسل ہدف بنا رکھا تھا اور حضرت ابو

دجانہ ؓ آپ ﷺ کو چھپائے تیر پر تیر کھائے چلے جا رہے تھے مگر اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تھے یہاں تک کہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ آپ ﷺ پر فدا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ایک شقی القلب مشرک قمیہ للیثی نے آپ ﷺ پر ہلہ بول دیا لیکن علمبردار رسول ﷺ حضرت معصب بن عمیر ؓ بیچ میں آ گئے اور سخت مقابلے کے بعد آپ ﷺ پر نثار ہو گئے، ان کے بعد حضرت طلحہ ؓ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھا کر دشمنوں کو پرے دھکیل دیا۔ (ابن ہشام) دشمنوں کے پرے ہٹنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے غلطی سے حضرت معصب بن عمیر ؓ کو رسول اللہ ﷺ سمجھ لیا تھا اور اپنی دانست میں شہید کر دیا تھا، یہاں تک کہ خود ابوسفیان بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو کر چلایا، سنو: محمد ﷺ شہید ہو گئے۔ ادھر آپ ﷺ کی استقامت رنگ لائی اور آپ ﷺ اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ دشمن کے نرغے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اتنے میں ابی بن خلف جس نے مکہ میں آپ ﷺ کو دھمکی دی تھی کہ وہ برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر نعوذ باللہ آپ ﷺ کو قتل کر دے گا اچانک گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ صحابہ کرامؓ اس شقی القلب کو اس کے انجام تک پہنچانا چاہتے تھے آنحضرت ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور خود حارث بن ضمہ ؓ سے نیزہ لے کر اس کی گردن میں مارا وہ بلبلا کر واپس بھاگ گیا پھر مکہ واپس جاتے ہوئے راستے میں اس زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ ایک بلند ٹیلے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے جس پر قریش کے سپہ سالار خالد بن ولید نے اپنے دستے کے ساتھ اس ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کی جسے مہاجرین نے ناکام بنا دیا۔

قریش اور مسلمانوں میں یکساں آپ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی۔ اہل مکہ کو اب یہ غلط فہمی ہو چلی تھی کہ مسلمان آپ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر ہتھیار ڈال دیں گے اور وہ مدینہ منورہ آسانی سے فتح کر لیں گے۔ مگر نہ تو مسلمانوں نے ہتھیار ڈالے اور نہ ہی میدان کو چھوڑا اتنے میں حضرت کعب بن مالک ؓ نے پر جوش نعرے لگا کر مسلمانوں کو خبر دی کہ الحمد اللہ آپ ﷺ زندہ و سلامت ہیں تو مسلمانوں کے تن مردہ میں جان پڑ گئی اب زمین کی کوئی طاقت انہیں شکست نہیں دے سکتی تھی۔ ظہر کے وقت جنگ جاری تھی کہ آپ ﷺ نے میدان جنگ میں نماز ادا فرمائی۔

ادھر ابوسفیان اگلے کسی اقدام سے پہلے آپ ﷺ کی شہادت کی افواہ کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر آواز لگائی ''کیا یہاں محمد ﷺ موجود ہیں؟ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس کی بات کا جواب دینے سے منع فرمایا، پھر اس نے باری باری حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ کا نام پکارا جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو خوشی سے بولا کہ سب مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب ضرور دیتے۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت عمر ؓ سے نہ رہا گیا اور آپ ؓ نے

جواب دیا"اے دشمن خدا: ہم سب زندہ ہیں۔اس پر اس نے لات وعزیٰ کی بلندی کے نعرے لگا کر کہا کہ آئندہ سال بدر میں پھر ہمارا مقابلہ ہوگا۔آپ ﷺ نے اس کا یہ چیلنج قبول فرمایا اور آپ ﷺ نے صحابی کے ذریعہ جواب دیا کہ چلو یہ بات طے ہوگئی۔یہ جواب سن کر ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر پلٹ گیا،مگر یہ بھی اس کی ایک جنگی چال تھی کہ جب حالات قریش کی موافقت میں تھے تو اس کے بے نیل ومرام لوٹنے کی آخر کچھ وجہ تو ہوگی۔

دراصل ابوسفیان مسلمانوں کو غافل کر کے مدینہ منورہ پر شب خون مارنا چاہتا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی اس چال کو سمجھتے ہوئے واپس اسی روز مدینہ منورہ پہنچ کر حفاظتی انتظامات بہتر اور سخت کر دیے۔غزوہ احد میں ستر صحابہ کرامؓ بشمول سید الشہدا حضرت حمزہ ؓ بن عبدالمطلب کے شہید ہوئے۔ان کے علاوہ چالیس صحابہ کرامؓ زخمی ہوئے تھے۔

1،اپریل 625ء۔16 شوال 3ھ۔غزوہ حمرالاسد:

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر قریش کے تعاقب کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ اس تعاقب میں صرف وہ مجاہدین حصہ لیں جو غزوہ احد میں شریک تھے۔اس روز آپ ﷺ شام کے وقت مجاہدین کے ہمراہ حمراء الاسد پہنچ گئے جو مکہ کی جانب آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔دشمن اسی راستے سے مدینہ منورہ پر شب خون مار سکتا تھا۔یہاں آپ ﷺ نے لشکر کی حفاظت کے لیے بھی سخت انتظامات کیے تاکہ دشمن شب خون نہ مار سکے۔

اگلی صبح مسلمانوں نے صف بندی کر کے دفاعی جنگ کی تیاری مکمل کرلیں۔اس علاقے میں بنو خزاعہ آباد تھے جن کی ہمدردیاں اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ تھیں مگر وہ قریش کے ساتھ بھی دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ان کا سردار معبد خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا،پھر کچھ رازداری کی باتیں بھی ہوئیں بعد ازاں وہ اسلامی کیمپ سے اٹھ کر سیدھا الروحا پہنچا جہاں ابوسفیان اور قریش فروکش تھے۔ابوسفیان اور اس کے مشیر مسلمانوں سے ایک بار پھر لڑنا چاہتے تھے۔جب معبد نے ابوسفیان کو بتایا کہ محمد ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ تمہارے تعاقب میں نکل کھڑے ہیں اور ان کی تعداد اب پہلے سے زیادہ ہے تو ابوسفیان کچھ پریشان ہوا آخر معبد نے اسے واپس بلکہ لوٹ جانے پر قائل کر دیا اور ابوسفیان نے آخر بے نیل ومرام واپس لوٹ جانے کا فیصلہ کیا۔آنحضرت ﷺ نے دو روز تک احمر الاسد میں قیام فرمایا پھر 19 شوال 14 پریل 625ء کو مدینہ لوٹ آئے۔

میدان احد میں ہی یہ معجزہ رونما ہوا کہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک کھجور کی چھڑی عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ اب اس سے قتال کرو یہ چھڑی میدان جنگ میں ہی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی اور العرجون کہلائی۔

غزوہ احد کے بارے میں قرآن کریم کی ساٹھ آیتوں کا نزول ہوا جن میں مسلمانوں کے طرز عمل اور مشرکین کے عتاب کا ذکر آیا (آل عمران 13)

غزوہ احد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو اکیس زخم آئے اور ایک پاؤں میں ایسا گہرا زخم آیا کہ باقی زندگی لنگڑا کر چلتے رہے۔

22 مارچ 6 رشوال مسلمان خواتین نے نرسنگ کا سنگ بنیاد رکھا:

جنگ احد میں صحابہ کرامؓ کی خاصی بڑی تعداد شہید و زخمی ہوئی تھی (جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ شہداء کی تعداد ستر اور زخمیوں کی تعداد چالیس تھی) جب میدان جنگ میں زخمی ہونے والوں کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو مسلم خواتین جذبہ خدمت انسانیت سے سرشار ہو کر احد پہنچ گیں۔ان خواتین میں سیدہ حضرت فاطمہ ؓ، حضرت عائشہ صدیقہ ؓ، ام سلیم ؓ جو والدہ حضرت انسؓ تھیں اور ام سلیط ؓ کے نام شامل ہیں۔ان مسلم خواتین نے خواہر وجذبے کے ساتھ میدان جنگ میں زخمیوں کی دیکھ بھال کی اور اس طرح نرسنگ کی بانی فلورنس نائٹنگل سے تقریباً 1200 سال پہلے ہی مسلم خواتین نے نرسنگ کی بنیاد رکھ دی تھی۔

22 مارچ 625ء 6 شوال، ام عمارہ ؓ کی جانثاری:

تاریخ اسلام مسلم خواتین کے بہادرانہ کارناموں سے بھری پڑی ہے جنگ احد کے ضمن میں جس مسلم خاتون کا نام تاریخ کے صفحات میں زندہ و جاوید ہو گیا وہ حضرت ام عمارہ ؓ تھیں۔اس خاتون نے عین اس وقت جاں نثاری اور شجاعت کی مثال قائم کی جب بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے تھے مگر ام عمارہ ؓ آپ ؓ کے دفاع میں سینہ سپر تھیں۔ایک مشرک ابن قمیہ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا حضرت ام عمارہ ؓ لبیک کہہ کر درمیان میں آ گئیں اور اُسے روکنے کی کوشش اس شقی القلب نے خود حضرت ام عمارہ ؓ پر تلوار کا وار کیا جو آپ ﷺ کے کندھے پر لگا مگر حضرت ام عمارہ ؓ کسی زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹیں اور تلوار سے اس کافر پر جوابی حملہ کیا مگر چونکہ ابن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے حضرت ام عمارہ ؓ کے وار کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

22 مارچ 625ء 6 شوال شہدائے احد کی نماز جنازہ:

جنگ احد سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ ؓ کی نماز جنازہ پڑھائی پھر ان کے بعد باقی

شہدائے احد کے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ اس طرح ادا کی گئی کہ ہر شہید کا جنازہ حضرت حمزہ ؓ کے پہلو میں لا کر رکھا جاتا اور پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی جاتی تھی۔ اس طرح ساتھ حضرت حمزہ ؓ کی نماز جنازہ بھی دوبارہ ہو جاتی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس طرح حضرت حمزہ ؓ کی نماز جنازہ 70 مرتبہ ادا ہوئی۔ اسی سے امام ابوحنیفہ نے دلیل دی ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھا جانا ضروری ہے۔

مارچ تا مئی 625ء شوال تا ذوالحجہ 3ھ حضرت زینب ؓ سے نکاح:

آپ ﷺ نے کئی بیوہ خواتین سے نکاح فرمایا، انہیں میں ایک حضرت زینب بنت خزیمہ ؓ تھیں جن سے سنہ ۳ھ کے آخر میں آپ ﷺ نے نکاح کیا۔ وہ اپنی فیاضی کی وجہ سے ام المساکین کے نام سے جانی جاتی تھیں۔ نکاح کے دو یا تین ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا، ان کی نماز جنازہ آنحضرت ﷺ نے خود پڑھائی اور وہ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت:

اسی سال سورۃ بقرہ کی آیت 122 نازل ہوئی جس میں مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کے نکاح کی ممانعت کر دی گئی۔ اس ممانعت سے مسلمانوں کو ایک فائدہ یہ پہنچا کہ مسلمانوں کے عسکری راز جن کا ایسی خواتین کے ذریعے افشا ہونے کا خطرہ تھا اس کا امکان ختم ہو گیا۔ دوسرے مسلمانوں کی آئندہ نسلیں مشرکانہ اثرات سے محفوظ ہو گئیں جو مشرک ماؤں کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے آئندہ نسلوں پر پڑنا تھے۔

625-26ء/4ھ سنہ 4ھ کے غزوات واہم وقائع

13 جون 625ء/یکم محرم 4ھ سریہ ابی سلمہ مخزومی:

عرب کے دوست و دشمن قبائل کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے ایک بے نام محکمہ سراغ رسانی قائم کر رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سراغ رساں یا جاسوس آپ ﷺ کو بروقت ایسی اطلاعات بہم پہنچاتے تھے جو عسکری اور دیگر نقطہ ہائے نظر سے اہم ہوتی تھیں۔ 3ھ کے اواخر میں اطلاع ملی کہ بنو اسد کے دو سرداروں طلحہ اور سلمہ نے جو فید کے پہاڑی علاقے قطن میں اپنے قبیلوں کے ساتھ آباد تھے اپنی قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس شر انگیزی کو ابتدائی مراحل میں دبا دینے کے لیے 13 جون 625ء/یکم محرم الحرام 4ھ یعنی سال 4ھ کے پہلے دن حضرت ابو سلمہ ؓ کی قیادت میں قریباً 150 مجاہدین کے ایک دستے کو بھیجا۔ یہ بروقت جوابی کاروائی مؤثر ثابت ہوئی اور دشمن منتشر ہو کر روپوش ہو گیا۔ جدید عسکری اصطلاح میں یہ کمانڈو ایکشن انتہائی کامیاب رہا اس واقعہ کو مؤرخین نے سریہ ابو سلمہ ؓ مخزومی کا نام دیا ہے[1]

17 جون 625ء/5 محرم الحرام 4ھ سریہ عبداللہ بن انیس ؓ

قطن کی بغاوت کے بعد مدینہ منورہ کے محکمہ انٹیلی جنس INTELLEGENCE DEPARTMENT نے اطلاع دی کہ بنو لحیان کا سردار سفیان بن خالد عرنہ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہے اور اس جنگ کے لیے دوسرے قبائل کو بھی دعوت دے رہا ہے۔ جنگ کسی زمانے میں بھی رونما ہو سکتی ہے، بہت سے انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل دینے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس بات کو رحمت عالم ﷺ سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے جنگی فتنہ کو صرف ایک شخص کی موت سے دبانے کا فیصلہ فرمایا تا کہ بہت سے انسانوں کی زندگیاں بچ سکیں، اس کے لیے آپ ﷺ

[1] نبوت کے ماہ و سال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو حکم دیا کہ وہ عرنہ جا کر رئیس بنولحیان سفیان بن خالد کو واصل جہنم کریں۔ حضرت عبداللہ بن انیسؓ اس مہم پر 17 جون 625ء 5 محرم الحرام 4ھ کو روانہ ہوئے۔

عرنہ مکہ کے قریب واقع تھا۔ عرنہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن انیسؓ نے بھیس بدل کر اپنی ذہانت وحکمت عملی سے سفیان بن خالد کو اعتماد میں لے لیا اور اس کے قریبی ساتھیوں میں شامل ہو گئے پھر ایک رات موقع پاتے ہی اس دشمن اسلام کا سر اس کے تن سے جدا کیا اور قریبی پہاڑوں میں روپوش ہو گئے اور اس طرح یہ جنگی فتنہ دب گیا۔ یہ مہم سر کرنے کے بعد 5 جولائی 625ء / 23 محرم 4ھ کو حضرت عبداللہ بن انیسؓ واپس مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کی خدمت میں ظاہر ہوئے اور اپنی مہم کی رپورٹ پیش کی جس پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور ان کو انعام کے طور پر ایک عصا عنایت فرمایا اور فرمایا کہ ''اسے پکڑو اور جنت چلے جاؤ۔'' جب حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی وفات ہوئی تو ان کی وصیت کے مطابق یہ عصا ان کے کفن میں رکھ دیا گیا تھا اور ان کے ساتھ ہی مدفون ہوا۔[1]

جولائی، اگست 625ء صفر 4ھ رجیع کا المیہ:[2]

غزوۂ احد کے بعد سے مکہ کے ان گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی جن کے عزیز و اقارب جنگ احد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ انہیں میں سے جنگِ احد میں قریش کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ کا گھر تھا۔ جنگ احد میں طلحہ کے تین بیٹے اور دو بھائی قریش کے علم کی حفاظت میں کام آئے تھے۔ طلحہ کی بیوی سلافہ نے منت مانی تھی کہ وہ حضرت عاصمؓ بن ثابت کے کاسۂ سر کو جامِ شراب بنائے گی۔ حضرت عاصمؓ کے ہاتھوں جنگ احد میں اس کا بیٹا مسافع بن طلحہ مارا گیا تھا۔ اس عورت نے حضرت عاصمؓ کے سر کی قیمت 100 اونٹ مقرر کی تھی اور اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص اسے ان کا سر لا کر دے گا وہ اسے یہ اونٹ دے گی۔ انہیں دنوں جنگ احد کے فوراً بعد خالد بن سفیان جو بنولحیان کا رئیس تھا مکہ والوں کو جنگ احد میں کامیابی کی مبارکباد دینے کے لیے مکہ گیا جب اس نے طلحہ کی بیوی کی طرف سے مقرر کردہ ایک سو اونٹوں کے انعام کے متعلق سنا تو اس نے حضرت عاصمؓ اور دیگر مسلمانوں کو دھوکے سے گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ خود تو قتل ہو گیا بعد ازاں اس کے قبیلے والوں یعنی بنولحیان نے اس کے اس منصوبے پر عملدرآمد کا فیصلہ کیا چونکہ بنولحیان مسلمانوں کو اپنے ہاں نہیں بلا سکتے تھے لہٰذا انہوں نے عضل وقارہ کے لوگوں سے سازباز کی جس پر ان کے لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کے قبیلے میں تبلیغ اسلام کے لیے چند مسلمانوں کو بھیج دیں تاکہ وہ

1 مدارج نبوت 2 پیغمبر اعظم و آخر

ہمارے لوگوں میں دین اسلام کا فہم پیدا کریں اور انہیں قرآن پڑھائیں۔ اس درخواست کو قبول فرما کر رسول اللہ ﷺ نے سات مسلمانوں (1) حضرت عاصمؓ بن ثابت (2) حضرت عبداللہؓ بن طارق (3) حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی (4) حضرت معتبؓ بن اسید (5) حضرت خالدؓ بن البکیر اللیثی (6) حضرت خبیبؓ بن عدی اور (7) حضرت زید بن الدثنہ بن بیاضہؓ کی ایک جماعت کو حضرت عاصمؓ اور حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد کی قیادت میں ان کفار کے ساتھ بھیج دیا۔ ان دھوکے باز کفار نے مسلمان مبلغین کی جماعت کے اپنے ہمراہ آنے کی خبر بنولحیان کو کر دی۔ جب مسلمان مبلغین کی یہ جماعت رجیع کے چشمے پر پہنچی تو اچانک بنولحیان کے مسلح افراد نے ان نہتے مبلغین کی جماعت پر حملہ کر دیا۔ حملہ آوروں کی تعداد 200 تھی۔ جن میں 100 تیرانداز بھی شامل تھے۔

سات مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے اپنے سے تعداد میں بہت زیادہ دشمنوں کا مقابلہ انتہائی بہادری سے کیا اور چار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے جبکہ باقی تین صحابہؓ نے دشمنوں کے امان دینے کے وعدے پر ہتھیار رکھ دیئے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ باقی زندہ بچنے والے ان تین اصحابہ کرام کے نام سیرت نگاروں نے یہ دیے ہیں۔ حضرت خبیبؓ بن عدی، حضرت زید بن الدثنہ، اور حضرت عبداللہؓ بن طارق۔ مرالظہران کے مقام پر حضرت ابن طارقؓ نے خود کو دشمنوں سے چھڑا لیا مگر دشمنوں نے انہیں شہید کر دیا۔ کفار کی اس مکار جماعت کی سب سے بڑی خواہش حضرت عاصمؓ بن ثابت کا سر کاٹ کر 100 اونٹوں کا انعام حاصل کرنا تھی مگر یہ خواہش خام کبھی پوری نہ ہو سکی کیونکہ حضرت عاصمؓ بن ثابت کی نعش کو شہد کی مکھیوں نے اپنی حفاظت میں لے لیا جس کی وجہ سے کفار باوجود کوشش کہ ان کی نعش کے قریب نہ جا سکے اور اس طرح کفار کی انعام حاصل کرنے کی خواہش کبھی پوری نہ ہو سکی ابھی کفار مکھیوں کہ اڑنے کے انتظار میں تھے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور اس بارش کا پانی حضرت عاصمؓ کی نعش کو بہا کر نا معلوم جگہ لے گیا۔ باقی دو مسلمان مبلغین حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زید بن الادثنہ کو مکہ میں لے جا کر فروخت کر دیا گیا۔ اول الذکر کو حارث کے بیٹوں نے اور موخر الذکر کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا اور ان جلیل القدر صحابہ کو حرم کے باہر تنعیم کے مقام پر شہید کر دیا۔ حضرت خبیب کو جب سر مقتل لایا گیا تو انہوں نے قریش سے اجازت لے کر دو رکعت نماز انتہائی خشوع اور خضوع سے ادا کی اور سر مقتل نماز عشق ادا کرنے کی عاشقوں کے لیے سنت قائم کر دی۔

ع کہ سر کٹا کر بھی تو عشق کیا جاتا ہے

جب حضرت زیدؓ کو مقتل میں لایا گیا تو وہاں ابوسفیان بھی موجود تھا اس نے حضرت زیدؓ سے کہا کہ اگر تمہارے بدلے (نعوذ باللہ) حضرت محمد ﷺ کو قتل کیا جاتا تو کیسا تھا؟

اس پر حضرت زید ؓ نے کہا کہ واللہ مجھے یہ کہاں گوارا کہ میرے بدلہ میرے رسول ﷺ کے پاؤں مبارک میں کانٹا بھی چبھے؟

یہ الفاظ سن کر ابوسفیان نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی اصحاب رسول ﷺ رسول اللہ ﷺ سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت زید ؓ کو صفوان کے حکم پر اس کے غلام نسطاس نے شہید کر دیا۔ رجیع کے اس المیے کو مؤرخین نے سریہ ابی مرثد الغنوی بھی لکھا ہے۔[1]

جولائی اگست 625ء/صفر 4ھ انسانیت سوز وقائع بئر معونہ

صفر 4ھ کا مہینہ مسلمانوں کے لیے دو بڑے المیوں کا پیغام لے کر آیا۔ ان میں سے ایک المیہ کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں کیا جا چکا ہے۔ دوسرا المیہ پہلے المیہ سے بھی زیادہ انسانیت سوز تھا اور پہلے المیہ کی طرح ہی قبائل عرب کے دجل و فریب سے وقوع پذیر ہوا تھا۔ صفر 4ھ میں قبیلہ کلاب کا رئیس ابو براء بن مالک کلابی مدینہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے دعوت اسلام دی مگر اس نے قبول نہ کی البتہ آپ ﷺ سے ملتمس ہوا کہ مسلم مبلغین و معلمین کی ایک جماعت اہل نجد میں تبلیغ کے لیے بھجوا دیں تو وہاں کے لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نجد میں اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ ہمارے آدمیوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ابو براء نے کہا کہ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہاں آپ ﷺ کے آدمی محفوظ و مامون رہیں گے اور انہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ اس پر آپ ﷺ نے چالیس یا ستر مبلغین کی ایک جماعت تیار کی جن میں اکثریت اصحاب صفہ اور معلمین کی تھی۔ اس جماعت کے امیر حضرت منذر ؓ بن عمرو ساعدی مقرر کیے گئے وہ حضرت عمر ؓ کے خسر اور عاصم بن عمر ؓ کے نانا تھے۔ مسلمانان مدینہ میں یہ جماعت قراء کے نام سے مشہور تھی اور اپنے زہد و تقوی کی وجہ سے محترم سمجھی جاتی تھی۔[2] قراء کی اس جماعت نے بنی عامر اور بنی سلیم کے سنگلاخ علاقے میں واقع بئیر معونہ کے مقام پر قیام کیا اور ایک صحابی حضرت حرام بن ملحان ؓ کو آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک دے کر بنو عامر کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ وہ فرعون وقت آنحضرت ﷺ کے نامہ مبارک کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نامہ مبارک پڑھنے کی بجائے حضرت حرام ؓ کو شہید کروا دیا اور اپنے قبیلے والوں کو مسلمانوں کی اس جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا مگر اہل قبیلہ

1. پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر ناصر احمد
2. مدارج نبوت از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

نے اس حکم کو اس بنا پر ماننے کے لیے انکار کر دیا کہ عامر بن طفیل کے چچا ابوالبراء نے مسلمانوں کی ضمانت دی تھی۔ اپنے قبیلے والوں سے مایوس ہو کر اس شقی القلب نے اپنے ہمسایہ بنو سلیم والوں سے رابطہ کیا اور ان کے قبائل عقبہ، رعل اور ذکوان کو لے کر مسلمان معلمین کی اس مختصر جماعت پر حملہ آور ہوا اور سوائے دو کے تمام جماعت کو شہید کر دیا۔ دو زندہ بچ جانے والے اصحاب حضرت کعب بن زید انصاری ؓ اور عمرو ؓ بن امیہ ضمری تھے۔ حضرت کعب ؓ کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا جبکہ عمرو ؓ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑا کہ اس کی ماں نے یہ منت مان رکھی تھی کہ ضمری قبیلے کے کسی فرد کو آزاد کرے گی۔ حضرت عمرو بن امیہ ؓ جب اس انسانیت سوز واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مدینہ واپس آرہے تھے تو راستے میں ان کی مڈبھیڑ بنو کلاب کے دو اشخاص سے ہوئی انہوں نے ان دونوں کو جذبۂ انتقام کے تحت قتل کر دیا مگر ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے امان دے دی ہے۔ جب حضرت عمرو بن امیہ ؓ نے بئیر معونہ کے المیے کے ساتھ ان دو اشخاص کو قتل کرنے کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ ﷺ کو رنج پہنچا اور آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ ساتھ ہی مقتولین کے خون بہا کی ادائیگی کرنے کا اعلان کیا۔ جب آپ ﷺ خون بہا کی ادائیگی کے سلسلے میں بنو کلاب کے حلیف بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی اور اس طرح یہ واقعہ غزوہ بنی نضیر کا سبب بن گیا۔ المیہ بئر معونہ کے بعد جب نماز فجر میں دعائے قنوت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ ایک ماہ تک قنوت فجر میں جماعت کے قراء کے قاتل قبائل کے لیے بددعا فرماتے رہے یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی "لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم"[1]

ترجمہ آپ ﷺ کو اس معاملہ میں اختیار نہیں آپ کو صبر کرنا ہوگا تا آنکہ یا تو اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب میں مبتلا کرے۔" اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے قنوت ترک کر دی[2] اسی ماہ یعنی صفر 4ھ میں جب المیہ رجیع کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ کون ہے جو خبیب ؓ کی نعش کو سولی سے اتار کر لائے۔ حضرت زبیر بن عوام ؓ اور مقداد بن اسود ؓ نے اس کام کی حامی بھری اور پھر بڑی بہادری سے ان کی نعش مدینہ لے آئے تو ان کے حق میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ[3]

1. آل عمران:128
2. صحیح بخاری 3. القرآن البقرہ:207

اگست، ستمبر 625ء/ یکم ربیع الاول 4ھ غزوہ بنونضیر

بنونضیر، مدینہ منورہ کا ایک فتنہ گر، جنگجو یہود قبیلہ تھا، اس قبیلے کے پاس نہ صرف مضبوط قلعے تھے بلکہ سامان حرب بڑی تعداد میں انہوں نے ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ یہ قریش کے لیے جاسوسی کرتے تھے اور رئیس المنافقین، عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے۔ میثاق مدینہ میں شمولیت اختیار کرنے کے باوجود یہ مسلمانوں کے لیے مار آستین کا کردار ادا کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اسلامی ریاست مدینہ کے وجود کے لیے خطرہ بن گئی تھیں۔ آپ ﷺ بنونضیر کے ان اطوار کو برداشت تو کرتے مگر ان پر کڑی نظر بھی رکھتے تھے۔ جنگ احد کے بعد سے وہ آپ ﷺ کی جان کے دشمن بن گئے تھے۔ انہیں دنوں انہیں ایک ایسا موقع ہاتھ آ گیا کہ آپ ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے کام لے کر انہیں ناکام بنایا۔ واقعہ یوں ہوا کہ بنی عامر کے ان دو اشخاص کا جنہیں عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری نے لاعلمی کی وجہ سے قتل کر دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے خون بہا ادا کرنا پسند فرمایا اور اس کے لیے آنحضور ﷺ بنونضیر کے ہاں تشریف لے گئے کہ بنونضیر بنو عامر کے حلیف تھے۔ یہود بنونضیر اپنی سازشانہ فطرت کے باوجود بظاہر بڑے تپاک سے ملے تاہم باطنی طور پر انہوں نے فوراً آپ ﷺ کو شہید کرنے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ آپ ﷺ کو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ایک دیوار کے سایہ میں بٹھایا گیا اور عمرو بن حجاش نضری نامی ایک شخص کو مکان کی بالائی منزل سے ایک بڑا پتھر آپ ﷺ کے اوپر گرانے پر مامور کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پیغمبرانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے فوراً حالات کے تیور پہچان لیے اور آپ ﷺ فوراً وہاں سے تشریف لے گئے۔[1] یہود نے اس سازش کے ناکام ہو جانے کے بعد ایک اور ریشہ دوانی سے کام لیا۔ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ تبلیغ اسلام کے لیے بلا خوف و خطر صحابہ کو روانہ فرما دیتے ہیں اور اسلام کی نشر و اشاعت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ہمارے علماء آپ ﷺ سے مناظرے کے خواہاں ہیں اگر اس مناظرے سے ہم پر اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی تو ہم فوراً اسلام قبول کر لیں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ اپنے تیس آدمیوں کے ہمراہ تشریف لائیں، ہمارے علماء بھی اتنی ہی تعداد میں اس مناظرے میں حصہ لیں گے۔ باطنی طور پر یہود بنونضیر نے یہ سازش تیار کی کہ علمائے یہود کے بھیس میں ان کے آدمی خنجروں اور دیگر آلات حرب سے مسلح ہوں گے اور موقع پاتے ہی دوران مناظرہ آپ ﷺ پر حملہ کر کے آپ ﷺ کو شہید کر دیں گے۔ یہود کی اس سازش سے مدینہ کی ایک خاتون نے اپنے ایک انصاری بھائی کو بروقت آگاہ کر دیا اور اس طرح آپ ﷺ نے سازشی

1. پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

علمائے یہود سے مناظرہ کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اہل یہود کے ان فتنوں کے سدباب کا فیصلہ فرمایا اس دوران آپ ﷺ کو قریش کی طرف سے بھیجے جانے والے ایک ایسے خط کا سراغ بھی مل گیا جس میں قریش نے بنونضیر کو الٹی میٹم دیا تھا کہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کر دو ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے قریش اور رئیس منافقین، عبداللہ بن ابی اور اس کے حلیف قبائل کی طرف سے امداد ملنے کے امکانات کی وجہ سے بنونضیر کے اچانک مسلمانوں پر شب خون مارنے کے امکانات بھی واضح ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے دشمن کو پہل کرنے کا موقع نہ دینے کی اپنی حکمت عملی کے مطابق دوسرے یہودی قبیلے بنوقریظہ کے ساتھ بنونضیر کو کوئی معاہدہ کرنے کا موقع نہیں دیا اور اس طرح بنوقریظہ سے خود معاہدے کی تجدید کر لی، اس کے بعد آپ ﷺ نے بنونضیر کو بھی تجدید معاہدہ کرنے کا پیغام بھجوا دیا مگر انہوں نے قریش اور عبداللہ بن ابی سلول کی شہ پر تجدید معاہدہ سے انکار کر دیا اور اس طرح میثاق مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے۔ اس پر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے دفاعی انتظامات مکمل کر کے بنونضیر کو دس دن کے اندر مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا الٹی میٹم بھجوا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے اس الٹی میٹم کو رد کرتے ہوئے جنگ کے لیے قلعہ بندی کر لی، جس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی دفاعی اور جارحانہ عسکری قوت کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ عبداللہ بن ابی سلول، بنوقریظہ اور قریش کسی کو بھی ان کی مدد کے لیے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب حلیفوں کے وعدے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تو بنونضیر حوصلہ ہار بیٹھے۔ پندرہ دن تک مسلمانوں کے محاصرے میں رہنے کے بعد وہ جلاوطنی پر رضامند ہو گئے اور طے پانے والے معاہدے کے مطابق چھ سو اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر کچھ نے خیبر کا رخ کیا اور کچھ وادی القری اور شام کی طرف نکل گئے۔ بنونضیر کی جلاوطنی سے مدینہ کا دفاع مضبوط ہو گیا مگر یہ فتنہ گر یہودی بھی آرام سے بیٹھنے والے نہیں تھے انہیں کی سازباز سے قریش نے غزوہ خندق میں مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا تھا اور انہوں نے ہی مدینہ میں آباد رہ جانے والے دوسرے یہودی قبیلے بنوقریظہ کو غداری پر مجبور کر دیا تھا۔ غزوہ بنی نضیر کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے حق میں سورۃ حشر ابتدا سے وذالك جزاء الظالمين تک نازل فرمائی۔

اگست، ستمبر 625ء/ ربیع الاول 4ھ تحریم شراب و جوا

علامہ قسطلانی نے ''مواہب اللدنیہ'' میں لکھا ہے کہ شراب و جوا کی حرمت غزوہ بنونضیر کے ایام میں نازل ہوئی تھی۔ علامہ زرقانی کے مطابق جب تحریم شراب کا حکم نازل ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ قوم کو جام و سبو کے ساتھ شراب پلا رہے تھے جب حرمتِ شراب کی خبر انہیں ملی تو انہوں نے شراب کے مٹکے توڑ پھوڑ ڈالے۔ تحریم شراب کے موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ يايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان .... عن ذكر الله و عن الصلوٰة فهل انتم منتهون (المائدہ 90تا91)

ترجمہ۔اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں اور شیطانی کام ہیں۔سوان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو' شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ گے۔1 شراب' جیسا کہ حکماء نے اسے ''ام الخبائث'' کا نام دیا ہے معاشرے میں فساد پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے اور ایک عادت قبیحہ ہے۔چونکہ بحیثیت پیغمبر آپ کے فرائض نبویہ میں انسانوں کو بدعادتوں سے روکنا شامل تھا اور معاشرے کو صالح بنا کر ہی اس میں اسلام کے شجر کی آبیاری ممکن تھی

ستمبر 625ء/ربیع الاول 4ھ ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ کی وفات

زینب بنت خزیمہؓ سے آپ ﷺ نے نکاح رمضان 3ھ میں کیا تھا۔وہ اس نکاح کے کچھ ماہ بعد ربیع الاول یا ربیع الآخر 4ھ میں وفات پا گئیں۔حضرت زینب بنت خزیمہؓ ان دو امہات المومنین میں سے ایک تھیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی۔

اکتوبر' نومبر 625ء/جمادی الاول 4ھ غزوہ ذات الرقاع کے وقائع

مدینہ منورہ میں سید رحمۃ للعلمین ﷺ جہاں معاشرتی اصلاح اور لوگوں کو رشد وہدایت کی راہ پر چلانے جیسے اصلاحی فریضہ کی ادائیگی میں مصروف عمل تھے وہیں آپ ﷺ اہل کفر وشرک کی ریشہ دوانیوں کو عسکری مہمات کے ذریعے ناکام بنانے میں بھی سرگرم تھے۔محققین کے مطابق جہاں ایک طرف علم وعمل کے فروغ میں مصروف تھے۔وہیں آپ ﷺ کو تلوار سے بھی کام لینا پڑ رہا تھا۔ابھی فتنہ بنو نضیر سے فارغ ہوئے کچھ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ آپ ﷺ کو بنی غطفان کے قبائل بنی محارث اور بنی ثعلبہ کی جنگی تیاریوں کی خبر ملی۔یہ قبائل عرب کے جنگجو اور خونخوار قبائل میں سے تھے اگر ان کو جنگی تیاریاں کر کے مدینہ پر حملے کا موقع مل جاتا تو یہ بالضرور سخت خونریزی کے مرتکب ہوتے اور یہ بھی امکان تھا کہ قبائل یہود بھی زخمی سانپ کی طرح ان کی مدد میں مسلمانوں کے خلاف محاذ آراء ہو جاتے چونکہ آپ ﷺ دشمن کو پہل کرنے کا موقع دینے کے عادی نہیں تھے۔اس لیے یہ خبر ملتے ہی آپ ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور اکتوبر نومبر 625ء میں خود چار سو یا سات سو مجاہدین صحابہ کرام کے ساتھ باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے نکلے۔یہ قبائل نجد میں نجد کے مقام پر مجمع تھے۔اس لیے آپ ﷺ نے نجد کا رخ کیا۔آپ ﷺ کے غیر متوقع طور پر

1 بیان القرآن

اچانک ذات الرقاع پہنچنے کی وجہ سے یہ قبائل آپ ﷺ کی عسکری صلاحیتوں سے اتنے مرعوب ہوئے کہ تتر بتر ہو کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔اس طرح گوہر مقصود آپ ﷺ کو بغیر لڑائی کے حاصل ہو گیا۔یاد رہے کہ آپ ﷺ خود یہی چاہتے تھے کہ معاملے بغیر کسی لڑائی کے رفع دفع ہو جائے۔

اکتوبر نومبر 625ء/جمادی الاول 4ھ نماز خوف کی ادائیگی

غزوہ ذات الرقاع کے بعد ایک مقام پر آنحضرت ﷺ کے آرام کرنے کے موقع پر ایک مشرک نے آپ ﷺ کی تلوار آپ ﷺ پر تان کر کہا تھا کہ اب آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے اطمینان سے فرمایا تھا کہ اللہ۔(۱)

اس غزوہ کا ایک اور اہم واقعہ یہ ہے کہ دشمن کے چھاپے مارنے کے خوف کی وجہ سے آپ ﷺ نے دوران غزوہ صلوٰۃ خوف پڑھائی تھی۔

دسمبر 625 رجب 4ھ وفات حضرت فاطمہؓ بنت اسد

4ھ میں سیدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے وفات پائی۔یہ حضرت علی ؓ کی والدہ محترمہ اور جناب ابوطالب کی زوجہ محترم اور آنحضرت ﷺ کی چچی تھیں۔روایت ہے کہ سرور انبیاء خود اپنی چچی کی تدفین کے وقت ان کی قبر میں اترے اور لحد میں لیٹ کر تلاوت قرآن کریم فرمائی اور انکی قبر کے پاس آپ ﷺ نے ستر تکبیر نماز پڑھی۔آپ ﷺ نے اپنی قمیص مبارک کو ان کا کفن بنایا۔2

دسمبر 625ء/شعبان 4ھ پیدائش امام حسین ؓ:

سنہ 4ھ میں 5,25یا27 شعبان کو سیدہ فاطمہ الزہرہؓ کے ہاں سیدنا امام حسین ؓ سید الشہدا کی پیدائش ہوئی۔

مارچ 626ء/اواخر شوال 4ھ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح

حضرت ابوسلمہ ؓ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی کو غزوہ احد میں ایک شدید زخم آیا تھا۔اس زخم کے دوبارہ کھل جانے سے اواخر جمادی الآخر 4ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

1 نبی ﷺ رحمت از مولانا سید ابوالحسن ندوی

2 مدارج نبوت از الشیخ عبدالحق محدث دہلوی

ان کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے چار ماہ دس دن کی عدت پوری کی بعدازاں ان کی تالیف قلب کے لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے اواخر شوال میں نکاح فرمایا۔ یاد رہے کہ حضرت ام سلمہؓ کا انتقال تمام امہات المومنینؓ کے بعد یزید بن معاویہؓ کے عہد خلافت میں 62ھ میں سانحہ کربلا کے بعد ہوا تھا۔[1]

اپریل 626ء/ذیقعدہ 4ھ غزوہ بدر الاخری کے وقائع

نبی کریم ﷺ کی عسکری حکمت عملیوں میں سرد جنگ کی حکمت عملی سب سے اہم حکمت عملی تھی۔ اس کے اصولوں پر کام کرکے آپ ﷺ نے دشمن کے عزم کو متزلزل، حوصلہ و ہمت کو پست اور دل و ذہن کو مرعوب کر دیا تھا۔ دیگر غزوات کی طرح غزوہ بدر الاخری میں مسلمانوں کی کامیابی بھی رسول اللہ ﷺ کی سرد جنگ کی حکمت عملی ہی کی مرہون منت تھی۔ جنگ احد کے دوران آپ ﷺ نے سپہ سالار قریش، ابوسفیان کا یہ چیلنج قبول فرمایا تھا کہ آئندہ سال مقام بدر پر پھر مبارزت ہوگی مگر آپ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ آپ کا اصل منصوبہ تو بغیر جنگ کے دلوں کو مسخر کرکے مکہ فتح کرنا تھا۔ دوسرے آپ جنگ کی ہولناکیوں سے بھی خوب واقف تھے اس لیے آپ نے سرد جنگ کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر ہی قریش کے اعصاب کو اتنا مضمحل اور ان کی ہمت کو اتنا پست کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں میدان جنگ میں اترنے سے جی چرانے لگے تھے۔ مگر ابوسفیان اپنے چیلنج اور قریش کی بہادری کا بھرم رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس نے مدینہ منورہ میں پروپیگنڈہ کرایا کہ قریش مسلمانوں کے خلاف زبردست جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ لہٰذا اس مرتبہ بدر میں ان کے مقابلے پر جانا خودکشی کے مترادف ہوگا مگر یہ پروپیگنڈہ کئی وجوہات کی بنا پر کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ مسلمان جاسوسوں اور مخبروں کی اطلاعات کے مطابق قریش معاشی اور سیاسی و عسکری کمزوریوں کا شکار تھے اور جنگی تیاریوں کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مجاہدین اسلام اب کسی بھی دشمن کے خلاف آپ ﷺ کی قیادت میں لڑنے کے لیے ہمہ تن تیار تھے۔ تیسرے یہ کہ آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت سے کام لے کر یہ جان لیا تھا کہ قریش نے محض اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے مدینہ منورہ میں جھوٹا پروپیگنڈہ کرایا ہے۔

چونکہ آپ ﷺ سرد جنگ کی پالیسی سے کام لے کر قریش کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ کا قائم مقام عامل بنایا اور پوری عسکری تیاریوں کے ساتھ 1500 صحابہ کرام کی معیت میں بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ ادھر ابوسفیان بھی بادل نخواستہ دو ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکلا مگر جب اس کا لشکر مرالظہران کے مقام پر پہنچا تو اسے پیش قدمی کی ہمت نہ رہی اور وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سرد جنگ کی حکمت عملی سے

1 نبوت کے ماہ و سال

شکست کھا گیا۔[1] مگر آپ ﷺ نے بدر کے مقام پر پہنچ کر آٹھ دن وہاں قیام فرمایا اور جنگی مشقوں کے ذریعہ ثابت کیا کہ آپ ﷺ قریش کے انتظار میں ہیں۔ مگر آپ ﷺ کو قریش کی رضاکارانہ پسپائی کی خبر مل چکی تھی۔ مؤرخین اس غزوہ کو غزوۂ بدر ثانیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اپریل 626ء/ذی قعد 4ھ ایک یہودی جوڑے کو سزائے رجم

سنہ 4ھ کے آخر میں ایک مرد یہودی نے ایک یہودی کی بیوی سے زنا کیا جس پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو شریعت محمدی کی تعزیرات کے مطابق رجم کی سزا دی۔ مگر یہودی علماء نے کہا کہ تورات میں حکم زنا یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کے منہ کالے کرکے انہیں ایک اونٹ پر سوار کرکے شہر میں گھمایا جاتا ہے کہ سامانِ عبرت بنے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ بولا کیونکہ تورات میں بھی زنا کی سزا رجم ہی ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ تورات لائی جائے۔ جب تورات لائی گئی تو ایک یہودی پڑھ کر سنانے لگا جب وہ آیت رجم پر پہنچا تو اس نے اس پر ہاتھ رکھ لیا اور اس آیت کو چھپایا۔ اس پر عبداللہ بن سلام ؓ نے جو سرداران یہود میں سے تھے اور اسلام قبول کر چکے تھے اس یہودی کو کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو آیت رجم ظاہر ہوگئی۔[2]

مئی 626ء/ذوالحجہ 4ھ/طعمہ بن البیرق کی چوری کا واقعہ

سنہ 4ھ میں ہی طعمہ بن البیرق کے چوری کرنے کا واقعہ رونما ہوا۔ اس نے قتادہ بن نعمان ؓ انصاری کے گھر سے زرہ چرائی، قتادہ اس کے پڑوسی تھے۔ وہ زرہ کو آٹے کے تھیلے میں چھپا کر لے گیا بعدازاں اس نے یہ زرہ زید بن اسین یہودی کے گھر پھینک دی۔ جب اس کا مواخذہ ہوا تو زید نے کہا کہ یہ عمل طعمہ کا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کے پاس یہ معاملہ پیش ہوا تو اس کی قوم نے کہ باوجود جانتی تھی کہ وہ عہد جاہلیت میں بھی چوری کیا کرتا تھا اسے بے گناہ قرار دیا اور یہودی کے سر الزام لگایا۔ قریب تھا کہ آنحضرت ﷺ یہودی کو سزا دیں کہ "انا انزلنا الیک الکتاب الحق" والی آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے منافق کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا مگر وہ مکہ بھاگ گیا جہاں چوری کرنے پر اسے قتل کر دیا گیا اس پر آنحضرت ﷺ نے احتجاج کیا۔

1 ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پیغمبر اعظم و آخر
2 مدارج نبوت از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

626-627ء/سنہ 5ھ کے اہم وقائع اور غزوات

626ء/5ھ حضرت ریحانہؓ بنت شمعون سے نکاح

محرم الحرام 5ھ میں آنحضرت نے ریحانہ بنت شمعون سے نکاح فرمایا۔اس خاتون کا تعلق بنونضیر کے یہودی قبیلے سے تھا مگر ان کی شادی بنوقریظہ میں ہوئی تھی۔ بنوقریظہ کی جلاوطنی کے وقت یہ بنوقریظہ کے قیدیوں میں شامل تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لیے منتخب فرمایا اور یہ اسلام لے آئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے عقد کرلیا۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ریحانہؓ بدستور کنیز کی حیثیت سے ہی حرم نبوی میں شامل رہیں تھیں۔اس قول پر زیادہ اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔[1]

24 اگست 626ء/25 ربیع الاول 5ھ غزوہ دومۃ الجندل کے وقائع

عرب میں بہت سے شوریدسر اور وحشی قبائل آباد تھے جن کا پیشہ رہزنی اور قتل وغارت تھا۔ جب اسلامی ریاست مدینہ کے قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے سرزمین عرب کو گہوارہ امن بنانے کے لیے کوششیں شروع کیں تو بہت سے قبائل کو ناگوار گذرا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا آبائی پیشہ رہزنی و غارتگری کے راستے مسدود ہوجانے کے بعد ان کی معیشیت کی تباہی لازمی تھی دوسرے وہ سیاسی اور دینی وجوہات کی بنیاد پر بھی اسلام کو اپنے لیے ایک خطرہ تصور کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان قبائل پر نظر رکھے ہوئے تھے کہیں فتنے کا باعث نہ بنیں۔ ربیع الاول 5ھ بمطابق اگست 626ء میں آپ ﷺ کو خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے مقام پر مشرک قبائل بڑی تعداد میں جمع ہورہے ہیں۔ دومۃ الجندل شام اور مدینہ منورہ کے درمیان جبل طی کے قریب میں مدینہ منورہ سے پندرہ روز کی مسافت پر واقع تھا۔ یہ خبر ملتے ہی سرور کونین ﷺ نے 24 اگست 626ء 25[2] ربیع الاول کو ایک ہزار مجاہدین صحابہ کی معیت میں دومۃ الجندل کی طرف پیش قدمی کی۔

---

1. عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی
2. عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

آپ ﷺ نے اس مرتبہ مدینہ منورہ میں حضرت ساع رضی اللہ عنہ بن عرفطہ غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔ گذشتہ عسکری مہمات کی بنا پر قبائل عرب پر آپ ﷺ کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور رعب و دبدبہ اس قدر تھا کہ بڑے سے بڑے جنگجو عرب قبائل بھی آپ ﷺ سے مرعوب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ دومۃ الجندل میں مجتمع قبائل کو آپ ﷺ نے ہمراہ لشکر اسلام کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو ان کا پتہ پانی ہو گیا اور وہ سراسیمگی کی حالت میں بھاگ اٹھے۔ اس طرح یہ بغاوت خود بخود فرو ہو گئی اور شوریدہ سری کا فتنہ دب گیا۔ آپ ﷺ اپنی عسکری مہمات سے اور بھی بہت سے کام لیتے تھے۔ دعوت اسلام اور تحریک اسلام کا پھیلاؤ ان مقاصد میں اوّلین تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ جغرافیائی اور جنگی معلومات اکٹھی کرنے اور دیگر قبائل کو مرعوب کرنے کا کام بھی لیتے تھے۔ دومۃ الجندل پہنچ کر آپ ﷺ نے چند روز قیام فرمایا اور مجاہدین کے دستوں کو آس پاس کے علاقوں میں بھیجا اور عسکری مقاصد کے ساتھ ساتھ دینی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے بعد آپ ﷺ 18 ستمبر 626ء/20 ربیع الآخر 5ھ کو مدینہ تشریف لے گئے۔[1]

20 ستمبر 626ء/22 ربیع الآخر حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کے لیے ایصال ثواب

غزوہ دومۃ الجندل میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ کرام کے شانہ بشانہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ادھر مدینہ منورہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت عمرہ بنت سعد بن عمرو انصاریہ کا انتقال ہو گیا۔ اسی وجہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے جنازہ اور تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکے۔ جب غزوہ سے واپس آئے اور انہیں والدہ کی وفات کا علم ہوا تو انہیں بڑا رنج پہنچا اور ملول ہوئے کہ والدہ کی آخری خدمات انجام نہ دے سکا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال میری غیر حاضری میں ہو گیا اب کون سا عمل کروں جس کا ثواب ان کو پہنچے۔ یا کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔" کہ لوگوں کو پانی پلاؤ (یعنی جہاں ضرورت ہو کنواں بنوا دو) چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک مقام پر کنواں بنوا کر اپنی والدہ کی جانب سے فی سبیل اللہ وقف کر دیا اور فرمایا کہ یہ ام سعد رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کے لیے ہے۔ پتہ چلا کہ مرنے والوں کے بعد ان کے ایصال ثواب کے لیے پانی پلانا بہتر عمل ہے۔[2]

1. پیغمبر اعظم و آخر
2. نبوت کے ماہ و سال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

نومبر 626ء/جمادی الآخر 5ھ پہلی نماز خسوف کی ادائیگی

جمادی الآخر 5ھ میں چاند گرہن واقع ہوا تو "مدارج نبوت" میں درج ہے کہ یہود مدینہ نقارے بجانے لگے اور کہنے لگے کہ چاند پر کسی کا جادو چل گیا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ اسلام کی پہلی نماز خسوف ادا فرمائی۔ یہاں تک کہ چاند روشن ہو گیا اور اس کا گرہن دور ہو گیا۔ مورخ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ یہ تاریخ اسلام کی پہلی نماز خسوف تھی جو ادا کی گئی۔

نومبر 626ء/رجب 5ھ بنو مزینہ کا وفد بارگاہ نبوت میں

رجب 5ھ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن حارث مزنی کی قیادت میں 400 افراد (جن کا تعلق بنو مزینہ سے تھا) کا ایک وفد بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوا اور انہوں نے اسلام قبول کیا آپ ﷺ نے ان کو واپس ان کے علاقے میں بھیج دیا ارشاد فرمایا کہ تم کہیں بھی رہو تم مہاجرین ہی میں شامل رہو گے۔" یہی بلال بن حارث رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن بنو مزینہ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے اور دیگر صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ تھے۔[1]

28 دسمبر 626ء/2 شعبان 5ھ غزوہ مریسیع کے وقائع

بعد از ہجرت 8ھ تک ایسا پر آشوب زمانہ تھا کہ ایک فتنہ اگر فرو کر دیا جاتا تو دوسرا کھڑا ہو جاتا تھا۔ دومۃ الجندل کا فتنہ فرو کرنے کے بعد آپ اسلامی ریاست کے اصلاحی و تعمیری اور تعلیمی و تربیتی کاموں میں مصروف ہوئے ہی تھے کہ بنو المصطلق کی باغیانہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی۔ آپ ﷺ نے اس اطلاع کی تصدیق کے لیے حضرت زید بن خصیب رضی اللہ عنہ کو خصوصی نمائندے کے طور پر وہاں بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر اس معاملے کی تصدیق کر دی کہ بنو المصطلق کا رئیس حارث بن ابی ضرار قرار واقعی طور پر مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف عمل ہے۔ بنو المصطلق قبیلہ بنی خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے اور ساحل بحر احمر پر جدہ اور رابغ کے درمیان واقع ایک علاقے قدید میں رہتے تھے۔ اس علاقے میں پانی کا ایک بڑا چشمہ مریسیع بھی تھا جس کے ارد گرد بنو مصطلق کے لوگ آباد تھے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ آپ ﷺ کی سنت حسنہ تھی کہ آپ ﷺ دشمن کو پہل کرنے کا موقع فراہم نہیں کرتے تھے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ نے مجاہدین کے دستوں کو سریع الحرکت یا برق رفتار بنا دیا تھا۔ بنو مصطلق کی ریشہ دوانیوں کی خبر ملتے ہی آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مدینہ کا قائم مقام حاکم بنایا اور انتہائی سرعت کے ساتھ خفیہ طریقے سے پیشقدمی کرتے ہوئے اچانک دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے۔ آپ

1. نبوت کے ماہ و سال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

ﷺ کی انتہائی سرعت کے ساتھ اس غیر متوقع آمد سے دشمن سراسیمہ ہوگیا اور بھاگ اٹھا۔ ایک روایت کے مطابق دشمنوں کی ایک جماعت نے مزاحمت بھی کی تھی اور تیراندازی کا مظاہرہ بھی کیا گیا۔ اس مختصر جنگ میں دشمن کے دس مبارز مارے گئے 600 کے قریب افراد جنگی قیدی بنا لیے گئے اور مال غنیمت کے طور پر 2000 اونٹ اور 5000 بکریاں ہاتھ آئیں۔ بنو المصطلق کو دشمنان اسلام، قریش و یہود سے ساز باز کرنے سے بچانے کے لیے آپ ﷺ نے اس قبیلے سے رشتہ صہر قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور بنو مصطلق کے رئیس کی صاحبزادی حضرت جویریہ ؓ بنت حارث سے نکاح کر لیا اور تالیف قلب کے لیے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا۔

دسمبر 626ء/5ھ شعبان، حضرت جویریہ ؓ سے نکاح

غزوہ بنی مصطلق سے تین دن پہلے حضرت جویریہ ؓ نے (جو بنی مصطلق کے رئیس حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں) خواب دیکھا چاند مدینہ منورہ کی سمت سے آکر ان کی گود میں اتر گیا ہے اس خواب کی تعبیر بہت جلد پوری ہوگئی۔ حضرت جویریہ ؓ جو بنو مصطلق کے قیدیوں میں شامل تھیں، آنحضرت ﷺ نے انہیں آزاد فرما کر شرف زوجیت بخشا اور چار سو درہم عطا فرمائے۔ یاد رہے کہ اس وقت ان کی عمر 20 سال تھی۔ ۱

دسمبر 626ء/شعبان 5ھ عبداللہ بن ابی کا پھوٹ ڈالنے کا منصوبہ

غزوہ مصطلق میں منافقت کے دو بڑے وقائع رونما ہوئے ایک عبداللہ بن ابی کی شیطنیت کا مظاہرے پر مشتمل تھا جبکہ دوسرا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ پر بہتان تراشی کا تھا جسے مؤرخین نے واقعۂ افک لکھا ہے۔

عبداللہ بن ابی کو آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پہلے یثرب کا بادشاہ بنایا جا رہا تھا جو کہ ایسا ہو نہ سکا اور عبداللہ کے دل میں حسرت بن کر رہ گیا۔ اسی وجہ سے رئیس المنافقین اس جستجو میں رہتا تھا کہ مہاجرین اور انصار میں ٹھن جائے اور نتیجتاً مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیا جائے اور اس کے بادشاہ بننے کے امکانات پھر سے روشن ہو جائیں۔ غزوہ بنو مصطلق کے دوران اس کو اپنے اس شیطانی منصوبے پر عملدرآمد کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک انصار اور ایک مہاجر کا پانی بھرنے پر جھگڑا ہوگیا جس کے بعد عرب کے قدیم دستور کے مطابق اس انصاری نے ''یا الانصار'' (انصار کی مدد ہو) کا نعرہ لگایا جس کے جواب میں مہاجر نے ''یا معاشر المہاجرین'' کا نعرہ بلند کیا قریب تھا کہ انصار و مہاجرین میں تلوار چل جاتی کہ

---

۱ مقالہ محمد ﷺ دائرہ المعارف اسلامیہ اردو

۲ عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

چند ذی فہم اصحابؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرادیا۔ مگر عبداللہ بن ابی کب چاہتا تھا کہ دونوں گروہوں میں مصالحت ہو جائے اس لیے اس نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے (انصار) ذلت والوں (مہاجرین) کو نکال دیں گے۔'' حضرت زید بن ارقم ؓ کے ذریعے عبداللہ کی یہ بات آنحضرت ﷺ تک پہنچ گئی۔ عبداللہ بن ابی کو جب افشائے راز کا پتہ چلا تو اس نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جھوٹی قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے طبعی حلم و بردباری اور سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کو معاف کر دیا اور اس کا مواخذہ نہ فرمایا۔

دسمبر 626ء/شعبان 5ھ واقعہ افک، منافقت کا ایک بڑا اقدام

سیرت نگاروں نے واقعہ افک کو منافقت کا ایک بڑا اقدام کہا ہے۔ بات بالکل معمولی سی تھی مگر عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے اسے بڑھا کر معاملہ بہتان تراشی کا بتنگڑ بنا دیا اور اسکی اتنی تشہیر کی کہ خود رسول اللہ ﷺ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کرب میں مبتلا ہوگئے۔ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو متغیر دیکھ کر وفا شعار صحابہ کرامؓ بھی سخت رنجیدہ اور پریشان رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ام المومنین ؓ کی بریت کا اعلان کیا جس کے بعد آپ ﷺ کی ازدواجی مسرتیں پھر لوٹ آئیں اور رنج و غم کے بادل چھٹ گئے۔ انہیں آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بہتان تراشی اور افواہ سازی پر یقین کرنے کی ممانعت فرما دی۔ سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جو لوگ بہتان گھڑ لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ٹولہ ہے۔ جس نے (اس کام میں) جتنا حصہ لیا، اس نے اتنا ہی (بڑا) گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا تو اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے۔''(۱)

بات صرف اتنی سی تھی غزوہ مریسیع میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آنحضرت ﷺ کی ہمراہ تھیں واپسی کے سفر میں ایک مقام پر قیام کے دوران آپ ؓ کا ہار گم ہوگیا جس کی وجہ سے آپ ؓ پیچھے رہ گئیں اور دشمنوں کو بہتان تراشی کا موقع مل گیا۔ (۲)

دسمبر 626ء/شعبان 5ھ آیت تیمم کا نزول

سنہ 5ھ میں غزوہ مریسیع یا غزوہ بنو مصطلق سے واپسی کے سفر میں اور قصہ افک کے آغاز میں آیت تیمم نازل

---

۱ القرآن

۲ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر پیغمبر اعظم وآخر

ہوئی یہ سورۃ مائدہ کی آیت ہے۔ اس سے پہلے تیمم امت محمدی میں مشروع نہیں تھا بلکہ پہلی امتوں میں بھی مباح نہیں تھا۔ یہ امت محمدی کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔[1]

دسمبر 626ء/شعبان 5ھ مسئلہ عزل پیش آیا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''مدارج نبوت'' میں رقم طراز ہیں کہ غزوہ مریسیع میں مسلمانوں کو مال غنیمت میں بہت سی باندیاں بھی حاصل ہوئیں تھیں۔ واپسی کے سفر میں جب مسافرت طویل ہوگئی اور ان پر خواہش کا غلبہ ہوا تو انہوں نے ملک یمین کے طور پر باندیوں سے ہم بستر ہونے کا فیصلہ کیا اور دوران مباشرت عزل کا طریقہ اختیار کیا (عزل' عورت کی شرمگاہ سے مادہ تولید کا باہر نکالنا ہے) تاکہ وہ حاملہ نہ ہوں۔ اس بارے میں جب صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خواہ تم عزل کرو یا نہ کرو جسے پیدا ہونا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا۔ آپ کی یہ بات محققین کے نزدیک اس معاملے کی اباحت کے معنی میں بھی تھی اور حرمت کے معنی میں بھی۔ اسی وجہ سے فقہ حنفی میں باندی سے عزل کو جائز قرار دیا گیا تاہم آزاد منکوحہ عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں ہے۔[2]

دسمبر 626ء/شعبان 5ھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قسم اور آیت کا نزول

شعبان 5ھ میں واقعہ افک پیش آنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ اپنے ایک خالہ زاد بھائی' مسطحؓ بن اثاثہ کی ہر قسم کی مالی امداد بند کردیں گے کیونکہ وہ بہتان تراشی میں منافقین کے ساتھ تھے۔ مگر مسطحؓ ایک غریب و مسکین شخص تھے اور ان کے مصارف حضرت صدیق اکبرؓ ہی برداشت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے قسم کھانے کے بعد ان کے مالی حالات خراب ہوگئے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ **ولا یاتل اولوا الفضل .... والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله**[3] ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنیوی) وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کردیں اور درگذر کریں' کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے! بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ (ترجمہ مولانا اشرف تھانوی)

چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے براہ راست حضرت ابوبکرؓ کو تنبیہ فرمائی تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ

---

[1] عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

[2] مدارج نبوت از شیخ عبدالحق محدث

[3] النور:22 القرآن

نے کہا ''واللہ! میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں۔'' چنانچہ آپؓ نے مسطحؓ کی مالی امداد حسب سابق جاری کردی اور فرمایا واللہ! آئندہ ان کی مالی امداد کبھی بند نہیں ہوگی۔''

دسمبر 626ء/شعبان 5ھ چار اشخاص پر حد قذف جاری کی گئی

سورۃ نور کی آیات حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برات میں نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان چار اشخاص پر'' حد قذف'' (اسی درے) جاری فرمائی۔ ان چاروں کے نام جن میں صحیح عقیدہ مسلمان اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول بھی شامل تھا۔ یہ ہیں عبداللہ بن ابی سلول' حضرت حسان بن ثابتؓ' شاعر رسول' مسطحؓ بن اثاثہ' حضرت ابوبکرؓ کا خالہ زاد بھائی' حمنہؓ بنت جحش جو ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کی بہن تھیں۔ عبداللہ بن ابی سلول نے اپنے خبث باطن اور آنحضرت ﷺ سے ذاتی حسد و کینہ رکھنے کی وجہ سے یہ فتنہ کھڑا کیا تھا جبکہ موخر الذکر تینوں خواتین و حضرات پکے اور مخلص مسلمان صحابی تھے مگر منافقوں کی باتوں میں آکر اس بہتان عظیم کو سچ سمجھ کر چرچا کرنے کے جرم کے مرتکب ہوئے جس پر اللہ تعالیٰ نے سخت عتاب فرمایا۔ تاہم یہ بھی روایت ہے کہ اس واقعہ میں کسی پر بھی عملی طور پر حد قذف جاری نہیں کی گئی تھی۔[1]

فروری مارچ' 627ء/شوال 5ھ عقیدہ تبنیت کی رد' حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے عظیم اور آخری نبی تھے۔ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل مشیت ایزدی کی بنا پر اور تنزیل وحی کے تابع تھا۔ آنحضرت نے بعد از ہجرت جتنے نکاح فرمائے وہ کبھی دشمنوں کی اور کبھی اپنوں کی تالیف قلوب کی خاطر تھے اور کبھی کسی سیاسی یا دینی مصلحت کی بنا پر آپ ﷺ کو اپنی زندگی کے آخری سالوں میں بھی نکاح کی ذمہ داریاں قبول کرنا پڑیں۔ حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح کی ذمہ داری آپ ﷺ کو اس بنا پر اٹھانا پڑی تھی کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر جاہلیت کے بہت سے غلط عقیدوں کا عملی طور پر رد کرنا تھا' انہیں میں سے ایک غلط عرب عقیدہ تھا کہ متبنیٰ حقیقی بیٹے کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت زینبؓ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں اور ایک معزز قریشی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ رنگ و نسل اور لسانی و قومی امتیازات و افتخارات کو مٹانے کے لیے آپ ﷺ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے (متبنیٰ) حضرت زید بن حارثہؓ سے کردیا تھا۔ اسلامی مساوات و حریت کا یہ ایک عدیم المثال واقعہ تھا کہ ایک غلام کے ساتھ ایک رئیس زادی قریش کا نکاح کردیا گیا تھا۔ مگر چونکہ ان دونوں میاں بیوی کے مزاج و ذوق

---

[1] عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

میں بڑا فرق تھا لہٰذا یہ مناکحت کامیاب نہ ہو سکی اور نوبت طلاق تک پہنچی اس دوران آپ ﷺ نے دونوں میں مصالحت کرانے کی کئی بار کوششیں فرمائیں مگر اختلافات کی خلیج بڑی وسیع تھی اس لیے علیحدگی ہو کر رہی۔ ایامِ جاہلیت کے عرب عقائد کے مطابق متبنٰی کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اور متبنٰی بنانے والے کا اس کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کو اس غلط عقیدے کا اعلان کرنا تھا اس لیے قدرت نے اس غیر فطری عقیدے کو باطل قرار دینے کا آپ ﷺ کو بہترین موقع فراہم کر دیا اور آپ ﷺ کو حضرت زینبؓ بنت جحش کی تالیف قلب کے لیے ان سے یعنی اپنے متبنٰی کی مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم صادر فرمایا بلکہ یہ نکاح بھی آسمانوں پر خود خدا تعالیٰ نے پڑھایا اس طرح آپ ﷺ کو 58 برس کی عمر میں یہ ذمہ داری بطریق احسن قبول کرنا پڑی۔۲

24 مارچ 627ء/ یکم ذیقعد 5ھ پردہ کے احکامات کا نزول

ایرانیوں اور رومیوں کی طرح عربوں میں بھی پردے کا رواج نہیں تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا تکلف آتے جاتے تھے اور اس بے حجابیت کو دوستی، محبت اور اپنائیت تصور کرتے تھے۔ اس رواج سے مردوں اور عورتوں کو اکیلے ملاقات کرنے کے مواقع میسر آتے تھے اور جنسی خواہشات کو تحریک ملتی تھی جس سے جنسی طور پر خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ بڑھ جاتا تھا۔ اسلام اس بے راہ روی کو بھلا کیسے مروج رکھ سکتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پردے کے احکام نازل فرمائے ''**یایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھل ھادالکم** ..... اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور (لوگوں) کے گھروں میں نہ داخل ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور (ان) گھر والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لیے سراسر بہتر ہے تاکہ تم نصیحت اختیار کرلو۔۳

پھر اس سے اگلی آیت میں سورۃ النور ہی میں فرمایا گیا کہ اگر وہاں تمہیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ یہی بات تمہارے لیے پاکیزہ ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب جانتا ہے۔ (۴) ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی۔ پھر اسی سورۃ کی آیت 30 میں حکم آیا ''**قل للمومنین یغضوا من ابصارو یحفظوا فروجھم ذالك** ...... اے نبیؐ! مسلمان مردوں سے کہو اپنی نگاہیں نیچی

۱ پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
۲ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن
۳ (سورۃ النور:27) (ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی)
۴ سورۃ النور:28

رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے۔ جو کچھ لوگ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ (ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی)

اس کے بعد مسلمان عورتوں کے لیے حکم آیا۔ ''**وقل للمومنت یغضضن من ابصارھن** .....۱ ترجمہ۔ اے نبیؐ! مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں........ اور اپنی زینتوں کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ (ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی)

غزوہ خندق یا جنگ احزاب یا محاصرہ مدینہ

31 مارچ 627ء/ 8 ذیقعد 5ھ

مدینہ منورہ سے دو یہود قبائل بنوقینقاع اور بنونضیر کی مدینہ سے جلاوطنی اور ان کے خیبر میں آباد ہو جانے کے بعد اہل یہود کی جنگی قوت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا دوسری طرف خیبر مکہ کے بعد مسلمانوں کے خلاف سازشوں کی سب سے بڑا آماجگاہ بن گیا۔ جلاوطن کیے گئے قبائل یہود اب اہل مکہ سے بھی زیادہ ریاست مدینہ کے خلاف تھے۔ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک وسیع اور مؤثر پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی اور قبائل عرب میں آگ لگا کر انہیں مدینہ کے خلاف جنگ پر اکسایا۔ اس خلاف مدینہ مہم میں جو سرکردہ یہود رئیسان شامل تھے وہ یہ تھے۔ سلام بن شکم، حی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع وغیرہ۔

پیغمبر اسلام ﷺ اس یہود پروپیگنڈہ اور اسلام مخالف سرگرمیوں سے بھلا کب غافل رہنے والے۔ آپ ﷺ کا نظام جاسوسی بڑا مؤثر تھا اس کے علاوہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بھی خلاف اسلام سازشوں سے آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ بہر حال آپ ﷺ نے ان اطلاعات کے موصول ہونے کے بعد دفاعی منصوبے بنانے شروع کر دیے تھے مگر ان منصوبوں کو صیغہ راز میں رکھا گیا تھا کہ کہیں یہ مدینہ کے منافقوں کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائیں اور دشمن اسلام کے فوجی رازوں سے آگاہ نہ ہو جائے۔

سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ 5ھ کے آخر میں اسلامی مملکت مدینہ کے خلاف سب سے بڑا اگر آخری طوفان قبائل یہود کی سرگرمیوں کی وجہ سے اٹھا تھا۔ دشمن کا دشمن دوست کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے یہود خیبر نے اہل مکہ بلکہ دیگر اسلام دشمن قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک متحدہ لشکر جرار تیار کر کے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان اس متحدہ عسکری کارروائی سے بچنے کے لیے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھود کر محصور ہو گئے۔ اسی وجہ سے مؤرخین اسے غزوہ خندق، جنگ احزاب اور محاصرہ مدینہ کہتے ہیں۔

۱ النور:31

پہلے غزوات میں قریش مکہ یہود کو مسلمانوں کے خلاف اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں کرتے رہے تھے مگر اس مرتبہ خود قریش مکہ کو اہل یہود نے مسلمانوں کے خلاف اکسایا تھا اور انتقام لینے پر راغب کیا تھا۔ قریش کے لیے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے اس سے بہتر موقع حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے قریش سے ایک جنگی معاہدہ کرنے کے بعد جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ قریش اور یہود نے مل کر سفارتی محاذ پر کوشش کرکے بنوغطفان' بنواسد اور بنوسعد کو اپنا حلیف بنالیا۔ پھر مشرق کی سمت سے بنوغطفان نے اپنے ذیلی قبائل کے ساتھ' جنوب کی سمت سے قریش نے اپنے دیگر عسکری اتحادیوں کے ساتھ اور شمال کی سمت سے بنی نضیر اور بنوقینقاع نے مدینہ کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ تمام اتحادی لشکروں کی تعداد مؤرخین نے دس سے بارہ ہزار کے قریب بتائی ہے۔ اس متحدہ لشکر کا سالار' عقاب قریش' ابوسفیان بن حرب تھا۔

متحدہ لشکر کی عسکری قوت پر اتحادیوں کو اتنا گھمنڈ تھا کہ انہوں نے صرف تھوڑی مدت کی مختصر سی جارحانہ جنگ کا منصوبہ بنایا اور مسلمانوں کو لقمہ تر سمجھتے ہوئے طویل المدت محاصراتی جنگ کا امکان کو سرے سے نظرانداز کردیا۔ یہی گھمنڈ ان کے لیے شکست کا باعث بنا۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے بحیثیت سپہ سالار دشمن کی تمام تر عسکری تیاریوں اور منصوبوں پر نظر رکھتے ہوئے جوابی عسکری منصوبہ بندی کرلی تھی۔ دشمنوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کے جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی بہم پہنچادی تھی کہ دشمن نے طویل المدت محاصراتی جنگ کی تیاریاں نہیں کی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے جنگ کو طول دے کر دشمن کے جارحانہ عزائم کو خاک میں ملانے کا منصوبہ تیار کیا۔ طویل مدافعانہ جنگ کی تیاریوں سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے مشاورت فرمائی اسی مجلس شوریٰ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس محاصراتی جنگ میں مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ دشمن کو دور رکھا جاسکے۔ محاصراتی جنگ کا یہ طریقہ دنیائے عرب کے لیے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ مگر آپ ﷺ نے اسے پسند فرمایا اور مجاہدین کو خندق کھودنے کا حکم دے کر خود بھی بنفس نفیس خندق کھودنے کے کام میں شرکت بلکہ راہنمائی فرمائی۔ آپ ﷺ ہر کام اصول اور قاعدے کی بنیاد پر کرتے تھے اس لیے خندق کھودنے کے لیے دس دس افراد کے گروپ تشکیل دیے گئے اور ہر گروپ کے ذمہ صرف دس گز خندق کی کھدائی کرنا تھی۔ اس حفاظتی خندق کی گہرائی پانچ گز یا 15 فٹ رکھی گئی۔ خندق کی کھدائی کے دوران ایک انتہائی سخت چٹان نمودار ہوئی جو کسی سے نہیں ٹوٹتی تھی اور صحابہ کرامؓ اس سے عاجز آ گئے اس موقع پر راہنمائے اعظم ﷺ نے ان کی راہنمائی فرمائی اور خود کدال لے کر خندق میں اترے اور یہ رجز پڑھ کر ''باسم الا الہ وبہ بدینا کہہ کر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گئی۔ آپ ﷺ کی اس ضرب پیغمبرانہ کو مؤرخین آپ ﷺ کا معجزہ تسلیم کرتے ہیں۔ خندق کی کھدائی

کے دوران آپ ﷺ کے ہاتھ پر کئی اور معجزے بھی ظاہر ہوئے تھے جن میں کم سے کم کھانے کی اشیا تمام اہل خندق میں آپ ﷺ کے دست بابرکت کی وجہ سے پوری ہوگئی تھیں۔ خندق مدینہ منورہ کے چاروں طرف نہیں کھودی گئی تھی یہ صرف شمال اور مغرب کی سمت میں تھی کہ ان سمتوں سے حملے کا خطرہ تھا جب کہ جنوب کی سمت سے اس لیے حملے کا خطرے نہیں تھا کہ اس سمت میں بکثرت درختوں کے جھنڈ تھے جن کی وجہ سے اس سمت سے لشکرکشی ممکن نہیں تھی' مشرق کی سمت میں لاوے کی چٹانیں یا حرات واقع تھیں اور جنوب مغرب کا علاقہ بھی بڑا دشوار گذار تھا خندق کے پیچھے جبل مسلح واقع تھا جس کے دامن میں بنوقریظہ آباد تھے لہٰذا ان سمتوں سے دشمن کے حملہ کا خطرہ نہیں تھا۔ اس طرح اس خندق کے ذریعے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو ایک ناقابل تسخیر قلعے میں بدل دیا تھا اور یہ خندق مجاہدین کی نگرانی کی وجہ سے دشمن کے لیے ناقابل عبور ثابت ہوئی۔ جب اتحادی افواج گھمنڈ کے نشے میں مست ہوکر مدینہ منورہ کے نواح میں پہنچیں تو خندق اور طویل محاصراتی جنگ کے انتظامات دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ عرب سرزمین پر اس سے پہلے کبھی اس قسم کی حصار بندی دیکھنے میں نہیں آئی تھی نہ ہی عرب محاصراتی جنگ کے فن سے آشنا تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ شدید سردی کا موسم تھا جو محاصرے کے طول پکڑ جانے کی صورت میں خود محاصرین کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتا تھا اور ہوا بھی یہی۔

آخر دشمن بھی مٹی کا بنا ہوا نہیں تھا اس نے خندق کو عبور کرنے کے لیے بڑی ترکیبیں سوچیں بلکہ ہر حربہ آزمایا خندق عبور کرنے کی انہیں کوششوں کے دوران عرب کا نامور بہادر عمرو بن عبدود اور اس کا ساتھی نوفل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شمشیر حیدری کی ضرب کا نشانہ بن گئے۔ خندق عبور کرنے کی کوشش میں مصروف دو اور عرب بہادر ضرار اور جبیرہ جو عمرو کے ساتھی بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اس پر اتحادیوں نے تیروں کی بارش شروع کردی جس کی وجہ سے مجاہدوں کا مورچوں سے نکلنا دشوار ہوگیا اور ان کی ایک سے زائد نمازیں قضا ہوگئیں بے شمار تیر برسانے کے باوجود دشمن مسلمانوں کو ہراساں و مرعوب کرنے میں ناکام رہا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کلائی پر اس جنگ میں تیر لگا جو مہلک زخم کا باعث بنا۔ اسی جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے حضرت طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ کو حبشیوں کا ہتھیار مار کر شہید کردیا۔ پھر محاصرہ جوں جوں طول پکڑتا گیا اتحادیوں کی رسد کے ذخائر کم ہوتے چلے گئے اور جنگ کے اخراجات بڑھتے چلے گئے۔ کھلے میدان میں پڑے ہوئے عرب اس کٹھن اور صبر آزما عسکری کیفیت سے ناآشنا تھے۔ ابوسفیان جیسا ماہر حرب بھی محاصراتی جنگ کے رموز سے ناواقف تھا اور جنگی تیکنک سے ناواقفیت کی بنا پر اتحادی افواج کی قیادت کرنے میں ناکام رہا۔[1]

ادھر بیرونی دشمن سے کامیابی سے نبردآزمائی کے باوجود آنحضرت ﷺ اندرونی دوست نما دشمنوں یعنی

---

[1] دنیا کے عظیم تاریخی محاصرے از اخلاق احمد قادری

بنوقریظہ سے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ دینے کے خطرے سے آگاہ تھے مگر فوج کی قلت کی وجہ سے اندرونی دشمن سے دفاع کا خاطر خواہ انتظام نہ ہوسکا تھا۔ ابوسفیان کی عقابی نظریں بھی مسلمانوں کی اس کمزوری پر تھیں اور وہ ہر قیمت پر اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کو برادر یہود قبیلے بنوقریظہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر اتحادیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کریں۔ پہلے تو بنوقریظہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا مگر آخر وہ بھی یہودی ہی تھے اس لیے معاہدہ توڑنے پر آمادہ ہو گئے مگر اس نقض عہد کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو بھی آسمانی یا زمینی ذرائع سے بروقت مل گئی۔ آپ ﷺ نے فوراً اکابر انصار صحابہؓ کو ان کے پاس بھیجا اور انہیں معاہدہ توڑنے سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر مفاد پرست یہودی دھوکہ دینے کے فن اور بدعہدی میں یکتا تھے۔ بنوقریظہ نے اپنے دیرینہ حلیف اور ہمسائے انصار مدینہ کی ایک نہ سنی اور ان سے صاف کہہ دیا کہ ہم میں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کوئی عہدو پیمان سرے سے ہے ہی نہیں۔

اگرچہ بنوقریظہ کے پاس یہ سفارت انتہائی رازداری سے بھیجی گئی تھی اور انصار صحابہ نے بڑی احتیاط سے یہ فریضہ ادا کیا تھا مگر اس کے باوجود بنوقریظہ کی بدعہدی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس سے مجاہدین میں بددلی اور انتشار پھیلنے کا خطرہ تھا۔ کچھ لوگ تو واقعی غداری پر آمادہ بھی ہو گئے اور گھر واپس لوٹنے کی باتیں کرنے لگے اگرچہ یہ صورتحال انتہائی خطرناک اور شکیب ربا تھی مگر آپ ﷺ میں اس صورتحال سے بھی کامیابی سے نمٹنے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔[1] قرآن کریم کی سورۃ احزاب میں جو اسی غزوہ میں موجود اتحادی افواج کی وجہ سے الاحزاب کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگی کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو (ابھی ابھی) اس نے کیا ہے جب فوجیں تم پر چڑھ آئیں تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر روانہ کیے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے ....

اس سماوی امداد کے بعد جس چیز سے یہ جنگ جیتی گئی وہ آنحضرت ﷺ کی سیاسی بیدار مغزی تھی۔ آپ ﷺ نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے بنوغطفان کو مدینہ منورہ کے پھلوں کی آدھی سالانہ پیداوار دینے کی تجویز سے قریش سے بالکل اسی طرح توڑنے کی کوشش کی جس طرح قریش نے آپ ﷺ سے بنوقریظہ کو توڑ لیا تھا۔ بنی غطفان سے معاہدہ تو نہ ہوا مگر اس کی تشہیر خوب ہوگئی جس کے نتیجے میں یہود بنی غطفان سے بدگمان ہو گئے۔ یہ بدگمانی اتحادیوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے کافی رہی۔ اس کامیاب کارروائی کے بعد دنیا کے سب سے عظیم تر دانشمند انسان ﷺ نے بنی قریظہ اور اتحادیوں میں بدگمانی پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے لیے ایک نومسلم نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا کہ انہوں نے بعض مصلحتوں کی بنا پر اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا اور آنحضرت ﷺ ان میں سیاسی جوڑ توڑ کرنے کی صلاحیت کی موجودگی سے بھی

---

[1] پیغمبر اعظم و آخر' ڈاکٹر نصیر ناصر

واقف تھے۔ بہرحال وہ بنی قریظہ کے پاس گئے اور انہیں بنی غطفان اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ہونے والے مذاکرات سے آگاہ کیا اور انہیں ہر طرح سے یہ باور کرایا کہ عنقریب اتحادی محاصرہ اٹھا کر واپس لوٹ جائیں گے۔ اس صورت میں ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا مگر تمہاری شامت آجائے گی کیونکہ تمہیں تو ان کے جانے کے بعد مدینہ ہی میں رہنا ہے۔ لہٰذا تم اس وقت تک اتحادیوں کی طرف سے جنگ میں حصہ نہ لو جب تک اتحادی اپنی چند ممتاز شخصیتوں کو محاصرہ نہ اٹھانے کی گارنٹی کے طور پر تمہارے پاس بحیثیت یرغمال نہ بھجوا دیں۔ یہ بات ان بے وقوفوں کے دل میں گھر کر گئی اور انہوں نے اتحادیوں سے یرغمالی شخصیتوں کا مطالبہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سفارتی فتح کے بعد حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنوغطفان اور قریش کی ہائی کمان سے ملے اور انہیں رازداری سے بتایا کہ بنوقریظہ تو بیٹھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور مسلمانوں سے دوبارہ معاہدہ کرنے کا سوچ رہے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ عنقریب تم سے تمہارے ممتاز آدمیوں کو بطور یرغمال طلب کریں گے اور لگتا ہے پھر ان آدمیوں کو مسلمانوں کے حوالے کر کے اپنی وفاداری کا مسلمانوں کو یقین دلائیں گے لہٰذا ذرا احتیاط سے کام لیجیے۔ اس طرح حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے اپنی سفارتی کارروائی سے اتحادیوں کو بنی قریظہ سے بدگمان کر دیا۔

پھر جب اتحادیوں نے بنوقریظہ کو منصوبہ کے مطابق مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کا کہا تو انہوں نے یرغمال کا مطالبہ کر دیا۔ اتحادی چونکہ بدگمان ہو چکے تھے اس لیے بنوقریظہ کے اس مطالبے پر انہیں یقین ہو گیا کہ بنوقریظہ ان سے دہری چالیں چل رہے ہیں۔ انہوں نے بدکتے ہوئے بنوقریظہ کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا ادھر بنوقریظہ کو بھی قریش کے اس انکار سے حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی سچائی کا یقین ہو گیا اور انہیں اتحادیوں کے چلے جانے کے بعد اپنی شامت آنے کا یقین ہو گیا اور یوں اتحادیوں کا مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کا منصوبہ خاک میں مل گیا اور ان کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی۔

محاصرے کی آخری رات بڑی سرد اور تاریک تھی۔ اس رات یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں جلد ہی ان ہواؤں نے آندھی اور طوفان بادوباراں کی شکل اختیار کر لی۔ جس سے اتحادیوں کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں' چولہے اور ہانڈیاں الٹ گئیں اور لشکریوں میں افراتفری مچ گئی ابوسفیان جیسے ماہر حرب کو بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا بہانہ مل سکتا تھا کہ اس کی بہادری پر حرف بھی نہ آئے اور محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ اس نے فوراً محاصرہ اٹھانے کا اعلان کر دیا اور دشمن کی فوجیں رات کے اندھیرے ہی میں میدان چھوڑ کر واپس لوٹ گئیں۔ جب صبح آپ ﷺ نے میدان صاف پایا تو ایک بڑا تاریخی جملہ ارشاد فرمایا ''کہ قریش اب تم پر کبھی یہ چڑھائی نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم (اے مسلمانو) ان پر چڑھائی کرو گے۔'' تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی سچ ہو کر سامنے آئی۔[1]

---

[1] دنیا کے عظیم تاریخی محاصرے از اخلاق احمد قادری

15 اپریل 627ء / 23 ذیقعدہ۔ غزوہ بنی قریظہ

15 اپریل 627ء / 23 ذی قعدہ کو آپ ﷺ نے اس اعصاب شکن محاصرے کی کیفیت سے انتہائی کامیابی کے ساتھ گذرنے کے بعد مجاہدین کو گھروں کو واپس لوٹ جانے کی اجازت عنایت فرمائی۔ ظہر کے وقت آپ ﷺ خود بھی گھر تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے ابھی تشریف نہیں رکھی تھی کہ جبرائیل امین علیہ السلام پیام خداوندی لے کر حاضر ہوئے کہ ابھی ہتھیار نہ اتارے جائیں کہ ابھی اس جنگ کا ایک مرحلہ باقی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ بنوقریظہ کا حساب چکا دیا جائے۔ عین دورانِ جنگ ان کا معاہدۂ حلف توڑ دینا سراسر غداری تھا جس کی سزا دینا ضروری ہے۔ دوسرے بنوقریظہ مملکت اسلام کے خطرناک دشمن ہیں اور سر پر مسلط بھی فوجی نقطہ نظر سے اس خطرے کا استیصال ضروری ہے چنانچہ اس حکم خداوندی کے ملتے ہی آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو بھی یہ اعلان سنے' اسے چاہیے کہ وہ عصر کی نماز ہمارے ساتھ بنی قریظہ کی بستی میں ادا کرے۔۱ اس اعلان کے بعد آپ ﷺ نے ہراول دستہ حضرت علی ؓ کے زیر کمان بنوقریظہ کی طرف روانہ کر دیا اور اس دستے کے پیچھے پیچھے خود فوج لے کر وہاں پہنچ گئے۔ بنوقریظہ کی بستی کا محاصرہ کر لیا گیا جبکہ وہ خود اپنے قلعوں میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ محاصرہ اگلے تین ہفتے تک جاری رہا اور بالآخر اس بات پر ختم ہوا کہ محصورین نے یہ درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاد ؓ جو فیصلہ کریں وہ انہیں قبول ہوگا۔ حضرت سعد ؓ اور ان کا قبیلہ بنو اوس عہد جاہلیت میں بنوقریظہ کے حلیف اور ہم عہد تھے اس لیے بنوقریظہ کو توقع تھی کہ شاید حضرت سعد ؓ ان کی طرفداری کریں گے' تاہم بنوقریظہ نے عین جنگ کے وقت عقب سے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپا تھا اور وہ غداری کے مرتکب ہوئے تھے لہٰذا ان کا یہ جرم اتنا سنگین تھا کہ اسے معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں نے ماضی میں ایسے مواقع پر بنوقینقاع اور بنونضیر سے لطف و کرم کا برتاؤ کیا تھا اور یہی دو قبائل غزوہ خندق یا محاصرہ مدینہ کے باعث بنے تھے۔ ان حالات میں حضرت سعد ؓ کو بنوقریظہ کا فیصلہ ان کی الہامی کتاب تورات کے مطابق کرنا پڑا اور انہیں ان کی غداری کی سزا خود ان کی الہامی شریعت کے مطابق دی گئی اور فتنہ یہود سرزمین مدینہ سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ غزوہ خندق کی طرح غزوہ بنوقریظہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان تھا کہ بنوقریظہ مرعوب ہو گئے اور ان سے لڑے بغیر جنگ جیت لی گئی اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر بھی خصوصی طور پر سورۃ احزاب میں آیت نمبر 26 اور 27 میں کیا ہے۔

بنوقریظہ سے فراغت کے ساتھ ہی اسلامی مملکت مدینہ ہر قسم کے خس و خاشاک سے پاک ہو گئی اور اسے صحیح

۱ پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

معنوں میں آزادی اور خود مختاری حاصل ہو گئی۔ اندرونی خطرہ بھی بیرونی خطرات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ ادھر بیرونی محاذ پر عرب کی متحدہ قوتوں کی شکست کے بعد ان کا زعم بھی ختم ہو گیا اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور معلم انسانیت ﷺ کو اب چین سے بیٹھ کر علم و حکمت کی تعلیم دینے کے مواقع حاصل ہو گئے اور آپ ﷺ اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود آپ ﷺ قبائل عرب پر بھی کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ اگر کوئی قبیلہ سرکشی کرے تو دوسرا قبیلہ اس کی حمایت میں نہ اٹھے بلکہ جارحانہ کارروائی کرنے سے پہلے ہی بغاوت فرد کر دی۔

20 اپریل 627ء 28 ذیقعد 5ھ حضرت ابولبابہ ؓ کی توبہ قبول ہوئی

غزوہ بنوقریظہ کے ایام ہی میں ایک صحابیؓ حضرت ابولبابہ ؓ بن عبدالمنذر الانصاری کی توبہ قبول ہوئی۔ غزوہ بنوقریظہ میں جب آنحضرت ﷺ اور مسلمان بنوقریظہ پر غالب آئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں بنوقریظہ نے درخواست کی کہ حضرت ابولبابہ ؓ کو ان کے پاس بھیج دیا جائے وہ ان سے کچھ صلاح و مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بنوقریظہ کی یہ درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت ابولبابہ ؓ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ابولبابہ ؓ سے بنوقریظہ کی جان پہچان قدیمی تھی۔ اسی بنا پر انہوں نے انؓ سے دریافت کیا کہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنے کی شرائط پر قلعہ سے نکلنا منظور کر لیں تو آپ ﷺ ان سے کیسا سلوک کریں گے۔ ان کے جواب میں ابولبابہ ؓ نے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ کہا بلکہ گردن کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کے قتل عام کا حکم دیں گے۔ اس پر سورۃ الانفال یہ آیات نازل ہوئیں۔ **یاایھاالذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول و تخونوا آمنتکم** (۱) اس ارشاد خداوندی پر حضرت ابولبابہ ؓ کو شبہ ہوا کہ بنوقریظہ کو اشارہ کر کے وہ اللہ والرسولؐ کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ چنانچہ جب وہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی توبہ کی قبولیت نازل نہیں ہوگی وہ خود کو باندھے رکھیں گے۔ تقریباً پندرہ دن کے بعد ان کی معافی کے اعلان میں سورۃ التوبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ **و آخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا اعلاً صالحاً و اخر سئیاً** (۲) ''اور کچھ لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں جنہوں نے ملے جلے عمل کیے کچھ بھلے کچھ برے۔''

۱ القرآن' الانفال: 27

۲ التوبہ: 102

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انہیں کھولا مسجد نبوی ﷺ کا یہ ستون آج بھی اس واقعہ کی یاد میں ستون ابی لبابہ رضی اللہ عنہ کہلاتا ہے۔[1]

28- 627ء/سال 6 ہجری کے اہم وقائع وغزوات

یکم جون 627ء/ 10 محرم الحرام سریہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ' سریہ نجد

اس کامیاب عسکری مہم میں نجد کے قبیلہ کے حنفیہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرکے مدینہ لایا گیا اور آنحضرت ﷺ کے حکم پر مسجد نبوی ﷺ کے ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس دوران وہ مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا اور پیغمبر اسلام ﷺ کے طرز وعمل کا مطالعہ کرتا رہا۔ تیسرے روز آپ ﷺ اس کے پاس گئے اور پوچھا اے ثمامہ تمہارا کیا حال ہے اور تم اپنے متعلق کیا رائے رکھتے ہو۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ اگر آپ ﷺ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی کو قتل کریں گے۔ اگر آپ ﷺ مجھے رہا کریں گے تو یہ آپ ﷺ کا مجھ پر احسان ہوگا۔ آپ ﷺ نے اسے آزاد کردیا۔ وہ آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے اتنا متاثر ہوا کہ آزاد ہوتے ہی اس نے اسلام قبول کرلیا۔

نجد کا علاقہ یمامہ غلے کی منڈی تھا اور ثمامہ اس علاقے کا سردار تھا اہل مکہ یمامہ سے غلہ حاصل کرتے تھے۔ ثمامہ نے وطن واپس جا کر اہل مکہ کو غلہ کی ترسیل روک دی جس سے مکہ میں قحط پڑ گیا۔ قریش نے مجبور ہوکر آپ ﷺ کی وساطت سے غلہ حاصل کرنے کی درخواست کی۔ رحمۃ للعالمین انسانیت کو قحط زدہ بھلا کیسے دیکھ سکتے تھے۔ آپ ﷺ کے حکم پر ثمامہ نے اہل مکہ کو غلہ کی ترسیل بحال کردی۔

آنحضرت تحریک اسلام کے آغاز ہی سے چاہتے تھے کہ قریش دائرہ اسلام میں شمولیت اختیار کریں۔ مکہ میں قحط پڑنے کے بعد آپ ﷺ نے از راہ لطف وکرم اور اہل مکہ کی تالیف قلوب کے لیے قریش کو 500 اشرفیاں بطور مالی امداد بھجوائی کہ انہیں مفلوک الحال لوگوں میں تقسیم کردیا جائے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے مدینہ کی غذائی مصنوعات اور زرعی پیداوار بھی اہل مکہ کو تحفہ کے طور پر بھیجیں اور دشمنوں کے دل موہ لیے۔ اسی پر بس نہیں' آپ ﷺ نے قریش سے کھالیں خریدنے کی پیش کش کرکے ان سے تجارتی تعلقات بھی قائم کیے اور دوستانہ مراسم قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے سردار مکہ ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہؓ سے شاہ نجاشی کے توسط سے غائبانہ عقد کرلیا۔

۱۔ عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

21 جولائی 627ء/ یکم ربیع الاول 6ھ غزوہ بنولحیان

اس عسکری مہم کا مقصد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے قراء کا انتقام لینا تھا۔ اس عسکری مہم کی قیادت آپ ﷺ نے بنفس نفیس خود فرمائی۔ بنولحیان لشکر اسلام کی آمد کی خبر سن کر پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ اس پر آپ ﷺ نے مکہ کی حدود میں داخل ہونے کے بعد واپسی فرمائی۔ مکہ کی حدود میں داخل ہوکر آپ ﷺ نے اہل مکہ کو مرعوب کیا۔

اگست' ستمبر 627ء/ ربیع الآخر 6ھ غزوہ ذی قرد:

ذی قرد مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر واقعہ ایک چشمہ کا نام تھا اسے غابہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ کے کچھ دودھ دینے والی اونٹنیاں رکھی گئی تھیں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ ایک مرتبہ انہوں رضی اللہ عنہ نے مدینہ آنے کی اجازت مانگی ایک دن آپ ﷺ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ انہوں نے جب بڑی منت وسماجت کی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ گویا بنوغطفان تم پر حملہ کررہے ہیں اور انہوں نے تمہارا بیٹا بھی شہید کردیا۔(۱) آخر جب حضرت ابوذر وہاں سے مدینہ آئے تو اس چراگاہ پر عبدالرحمن بن عیینہ نے چھاپہ مارا اور چرواہے اور حضرت ابوذرؓ کے ایک بیٹے کو شہید کردیا اور آنحضرت ﷺ کے اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ آپ ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ ان چھاپہ ماروں کا تعاقب کیا' لڑائی ہوئی تو اونٹ چھڑا لیے گئے۔ چھاپہ مار مشرکین کے چند آدمی مارے گئے اور باقی فرار ہوگئے۔ اس واقعہ کی اطلاع سب سے پہلے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کو ہوئی تھی وہ ایک ماہر تیرانداز تھے انہوں نے اکیلے ہی لشکر اسلام کی آمد سے پہلے ان لٹیروں کا تعاقب کیا تھا۔ ان کی تیراندازی سے چھاپہ مار کچھ اونٹنیاں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔[2]

ستمبر 627ء/ ربیع الآخر 6ھ سریہ عکاشہ بن محصن اسدی:

اس عسکری مہم میں حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کو چالیس افراد کے ساتھ بنواسد کے خلاف مقام غمر کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ مہم غمر بھی کہلاتی ہے۔ جب بنی اسد کو ان کے آنے کی خبر ملی تو وہ اپنے گھروں سے فرار ہوگئے۔ جب مسلمان ان کی بستی میں پہنچے تو وہاں کوئی ذی روح سوائے ایک شخص کے موجود نہیں ملا اس کو امان دی گئی اور راہبری پر متعین کیا گیا۔ اس مہم میں 200 اونٹ بطور مال غنیمت ہاتھ آئے جنہیں لے کر عکاشہ رضی اللہ عنہ واپس مدینہ منورہ آئے۔[3]

۱۔ مدارج نبوت' شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۲۔ پیغمبر اعظم وآخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
۳۔ مدارج نبوت' شیخ عبدالحق محدث دہلوی

ستمبر 627ء/ربیع آخر 6ھ مہم ذوالقصد یا سریہ محمد بن مسلمہ دوم

یہ سریہ یا عسکری مہم بنوثعلبہ و بنوغوال کی شورش کو فرد کرنے کے لیے بمقام ذوالقصد کی طرف محمدؓ بن مسلمہ کی بھیجی گئی۔ اس مختصر فوجی مہم میں حضرت محمدؓ بن سلمہ کے ساتھ 10 مجاہدین شامل تھے۔ ذوالقعد میں قیام کے دوران دشمن نے مجاہدین کی اس جماعت پر شب خون مارا جس میں یہ جماعت شہید کردی گئی۔ صرف حضرت محمدؓ مسلمہ شدید زخمی حالت میں زندہ بچے اور انہوں نے واپس مدینہ منورہ آ کر کیفیت بیان کی۔

ستمبر 627ء/ربیع الآخر سریہ بنوثعلبہ یا دوسری مہم ذوالقعد

اس عسکری مہم کا مقصد بنوثعلبہ کے شوریدہ سروں سے شہدائے ذوالقصد کا انتقام لینا تھا۔ دوسری مہم کی ذوالقعد میں آمد کے بعد بنوثعلبہ پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ اس عسکری مہم کو سریہ ذوالقصد ثانی بھی کہتے ہیں۔

ستمبر 627ء/ربیع الآخر 6ھ سریہ جموم:

جموم مدینہ منورہ سے 48 میل کی مسافت پر بطن نخل کے نواح میں واقع ایک آبادی تھی جہاں بنی سلیم رہتے تھے۔ اس عسکری مہم کی قیادت حضرت زید بن حارثہؓ نے کی تھی۔ اس مہم کے دوران چوپائے اور بہت سے جنگی قیدی ہاتھ آئے۔[1]

ستمبر، اکتوبر 627ء/جمادی الاول 6ھ سریہ عیص

اس عسکری مہم کے بھیجے جانے کا مقصد قریش کی تجارتی ناکہ بندی توڑنے کی کوشش کو ناکام بنانا تھا۔ اس کے قائد بھی حضرت زیدؓ بن حارثہ تھے۔ عیص مدینہ منورہ سے 4 رات کی مسافت پر واقع تھا۔ آپ ﷺ کو خبر ملی تھی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس قافلے کی آمد کو روکنے کے لیے حضرت زید بن حارثہؓ کو 70 مجاہدین کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے اہل قافلہ کو قید کرکے ان کے تمام اسباب تجارت پر قبضہ کرلیا۔ اس قافلے سے گرفتار کیے جانے والے قیدیوں میں داماد رسول ﷺ، ابوالعاص بن الربیع بھی تھے۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور لوگوں میں اس کا اعلان کیا جس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو رہا کرکے ان کا مال واپس کردیا۔[2]

1. فرہنگ سیرت، سید فضل الرحمٰن
2. فرہنگ سیرت از سید فضل الرحمٰن

نومبر، دسمبر 627ء/رجب 6ھ سریہ وادی القری

اس سریہ کی قیادت بھی حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد کی گئی تھی۔ اس مہم میں ان کے ساتھ بارہ مجاہدین شریک تھے۔ بنی فزارہ نے وادی القری میں اچانک اس جماعت پر گھات مار کر نو افراد کو شہید اور ایک کو زخمی کردیا۔[1]

جنوری 628ء/شعبان 6ھ سریہ دومۃ الجندل

شام اور مدینہ منورہ کے درمیان جبل طی قریب واقع ایک بستی اور قلعہ جہاں بہت سے عیسائی آباد تھے دومۃ الجندل کہلاتی تھی۔ یہاں آپ ﷺ خود ربیع الاول 5ھ میں ایک عسکری مہم کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ شعبان 6ھ میں دومۃ الجندل کی طرف عسکری مہم بھیجنے کا مقصد وہاں آباد عیسائیوں کو دعوت اسلام دینا تھا۔ اس مہم کے قائد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے جن کے ہمراہ سات سو مجاہدین ومعلم تھے۔ تین دن کی تبلیغی سرگرمیوں کے بعد وہاں کے عیسائی سردار اصبغ بن عمر نے اپنے بہت سے آدمیوں کے ہمراہ اسلام قبول کرلیا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو اس عیسائی قبیلے کے ساتھ رشتہ صہر قائم کرنے کی ہدایات دی تھیں جن کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے رئیس قبیلہ کی بیٹی تماخر سے شادی کرلی۔ یہ مہم بڑی کامیاب رہی۔[2]

جنوری 628ء/شعبان 6ھ سریہ فدک

مدینہ منورہ سے 6 رات کی مسافت پر خیبر کے قریب واقع ایک بستی کو عہد نبوی ﷺ میں فدک کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا آج کل یہ الحائط کہلاتی ہے۔ جنوری 628ء میں خبر ملی کہ بنی سعد بن بکر نے یہود کی مدد کے لیے ایک فوج اکٹھی کر رکھی ہے۔ اس بروقت اطلاع کے بعد آپ ﷺ نے ایک عسکری مہم یا سریہ حضرت علیؓ کی قیادت میں فدک بھیجا۔ اس مہم میں دو مجاہدین شریک تھے۔ حضرت علیؓ نے سرعت کے ساتھ پیش قدمی کر کے دشمنوں کو جالیا۔ وہ اس اچانک حملے کی وجہ سے بدحواس ہو کر روپوش ہوگئے۔[3]

1. فرہنگ سیرت از سید فضل الرحمٰن۔ پیغمبر اعظم و آخر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
2. فرہنگ سیرت از سید فضل الرحمٰن (عہد نبوت کے ماہ وسال)
3. نبی رحمت از مولانا سید ابوالحسن ندوی

جنوری، فروری 628ء / رمضان المبارک 6ھ سریہ ام قرفہ

بنی فزارہ کے خلاف یہ عسکری مہم ان کی سرکوبی کے لیے بھیجی گئی تھی کہ انہوں نے اپنی سردار ام قرفہ کی قیادت میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر کے ان کے کچھ ساتھی شہید کر دیے تھے اور مال چھین لیا تھا۔ یہ عسکری مہم کامیاب رہی بنو فزارہ عدنانیوں کے قبیلہ بنو غطفان کے بطن تھے۔ یہ لوگ نجد میں وادی القری میں رہتے تھے۔[1]

مارچ 628ء / شوال 6ھ سریہ عبداللہ بن رواحہؓ

یہودیوں کے سردار امیر بن رزام کی جنگی تیاریوں کی اطلاع پا کر آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو 30 مجاہدین کے ہمراہ امیر بن رزام کے پاس بھیجا تا کہ اس معاملہ پر گفت وشنید کرنے کے لیے اسے مدینہ لے آئیں۔ امیر بن رزام اپنے ساتھ 30 آدمی لے کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ کے لیے روانہ ہوا مگر راستے میں یہودیوں نے غداری کی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس کے بعد شدید لڑائی ہوئی جس میں تقریباً تمام یہودی مارے گئے صرف ایک زندہ بچا۔ امیر رزام بھی قتل ہوا مگر تمام مسلمان مامون رہے۔[2]

مارچ 628ء / شوال 6ھ سریہ کرز بن جابر الفہری

قبیلہ عکل اور عرینہ کے آٹھ افراد خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ سے باہر ایک سرکاری چراگاہ میں رہنے کے لیے بھیج دیا۔ وہاں انہوں نے یہ حرکت کی کہ آنحضرت ﷺ کے چرواہے کو کہ جس کا نام یسادہ تھا قتل کر ڈالا اور اونٹ بھگا کر لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت کرز رضی اللہ عنہ بن جابر الفہری کی سرکردگی میں 20 مجاہدین کا ایک دستہ ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مرتدین راستہ بھول گئے اور حضرت کرز رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ انہیں مدینہ لایا گیا انہیں مجرمین اور مرتدین کے بارے میں سورہ المائدہ کی آیت 33 نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں۔[2] اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کا حکم اور ان کی آنکھوں میں بھی گرم سلاخیں پھیری گئیں کیونکہ انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے چرواہے کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ اسی چرواہے کے قصاص میں انہیں حرہ میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ یہ واصل جہنم ہو گئے۔[3]

1. نبی رحمت از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
2. فرہنگ سیرت از مولانا فضل الرحمن عہد نبوت کے ماہ و سال
3. عہد نبوت کے ماہ و سال

مارچ 628ء / شوال 6ھ سریہ عمروؓ بن امیہ ضمری

سال 6ھ میں ابوسفیان کی اس قبیح حرکت کہ اس نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا تھا کہ موقع پا کر آنحضرت ﷺ کو شہید کر دے کے جواب میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری کو مکہ بھیجا گیا تا کہ وہ دشمن رسول ابوسفیان کو قتل کر دے۔ مکہ میں ابوسفیان تو ان کی دسترس میں نہ آ سکے البتہ مکہ سے باہر اس نے دو کافروں، عمرو بن عبیداللہ اور ایک دوسرے شخص کو قتل کر دیا اس کے بعد اس کی ملاقات ایسے دو اشخاص سے ہوئی جنہیں قریش نے مدینہ جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا تھا عمرو رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو قتل بھی کر دیا۔[1]

13 مارچ 628ء / یکم ذیقعد معاہدہ حدیبیہ، فتح مبین

بیت اللہ کے مکہ میں واقع ہونے کی وجہ سے قریش پورے عرب میں مرکزی حیثیت کے حامل تھے۔ جب تک مکہ پر اسلام کا جھنڈا نہ لہرایا جاتا قبائل عرب سے اسلام دشمنی کے امکانات کو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بہت سی عسکری مہمات بھیجنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی توجہ کا مرکز مکہ بن گیا چونکہ آپ ﷺ اس شہر امین میں خون خرابہ نہیں چاہتے تھے اس لیے قریش کے خلاف آپ ﷺ نے سرد جنگ کی حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی۔ آپ ﷺ قریش کو نفسیاتی طور پر زخم خوردہ کر کے بغیر مزاحمت کے مکہ فتح کرنا چاہتے تھے۔ غزوۂ خندق کے بعد سے قریش بے دل اور پست ہمت ہو چکے تھے اور اب ان میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی سکت نہیں تھی۔ دوسرے جنگی مصارف اور تجارتی ناکہ بندی کی وجہ سے مالیاتی طور پر بھی وہ کمزور ہو چکے تھے اور کسی بڑی جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر فتح مکہ کے لیے انتہائی رازداری کے ساتھ منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے مکہ کی طرف مسلسل عسکری مہمات بھجوائیں اور مکہ تک کے جغرافیاتی ماحول کا بغور مطالعہ کیا تا کہ فتح مکہ کے لیے بھیجی جانے والی عسکری مہم نامعلوم راستوں سے گذر کر وہاں پہنچ سکے۔ پورے عرب میں دعوت اسلام کی تکمیل اسی وقت مکمل ہو سکتی تھی جب مکہ فتح کر لیا جاتا۔ آپ ﷺ نے اس شہر کو فتح کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ٹھوس، مؤثر اور مدبرانہ اقدام کرنے کی ضرورت تھی۔ بروقت اور برمحل اقدام کرنا آپ ﷺ کا حسن عمل تھا۔ چنانچہ سنہ 6ھ میں جب عمرے کا موسم آیا تو آپ ﷺ نے عمرے کا قصد کیا۔ مملکت مدینہ کی سیاسی حیثیت مستحکم ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے یکم ذیقعد 6ھ 1400 مسلمانوں کی معیت میں عمرہ پر روانگی کے لیے مدینہ منورہ میں احرام باندھا۔ قربانی کے جانور ساتھ لیے

1. عہد نبوت کے ماہ و سال

اور تقریباً غیر مسلح حالت میں عازم مکہ ہوئے۔ چونکہ قریش کے حملے کو غیر متوقع قرار نہیں دیا جا سکتا تھا اس لیے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ازراہ احتیاط مدینہ منورہ سے ہتھیاروں کا مخزن منگوالیا۔ اب مکہ کے لیے غیر مانوس راستوں سے پیش قدمی شروع کی تا کہ اہل مکہ کو قبل از وقت آپ ﷺ کی آمد کی خبر نہ مل سکے۔ ادھر قریش کا احوال جاننے کے لیے آپ ﷺ نے کچھ جاسوس بھی ہراول دستے کے طور پر روانہ کر دیے۔ ذیقعد عرب اُمّہ میں حرمت کا مہینہ تھا جس میں جدال وقتال کی ممانعت تھی اور دوست دشمن تمام قبائل عرب کو اجازت عام تھی کہ وہ مکہ میں عمرہ وحج ادا کریں۔ عرب کی اسی روایت کے پیش نظر آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کے شہر میں غیر مسلح ہو کر احرام کی حالت میں جانے کا فیصلہ کیا تھا جو آپ ﷺ کا ایک انتہائی جرأت مندانہ اقدام تھا۔ قریش کو جب پیغمبر اسلام ﷺ کی عمرہ کے لیے آمد کی خبر ملی تو وہ حیران رہ گئے۔ مگر چونکہ کسی کو عمرے سے روکنا اور عرب روایات کے خلاف اور قریش کے لیے خصوصی طور پر بدنامی کا باعث تھا اس لیے وہ خاموش رہے۔ ادھر پیغمبر اسلام ﷺ کا بھاری جمعیت کے ساتھ بے خوف وخطر مکہ کے لیے نکلنا بھی قریش کے لیے بدر کی شکست اور غزوہ خندق کی ناکامی سے زیادہ سوہان روح تھا۔ وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت سے تو پہلے ہی خوفزدہ تھے اب چونکہ آپ ﷺ نے ان کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اس لیے وہ بلبلا اٹھے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ تمام عرب رویات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کو عمرے کی ادائیگی کے لیے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے انہوں نے خالد بن ولید کو 200 سواروں کے دستے کے ساتھ مسلمانوں کی طرف بھیجا اور خود مکہ میں جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

قریش کی کارکردگیوں کی اطلاعات آپ ﷺ کو مسلسل مل رہی تھیں۔ جب خالد بن ولید کے دستے کے بڑھنے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے تصادم سے بچنے کے لیے راستہ تبدیل کر لیا اور دوسری راہ سے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو دشمن کی طرف سے حملے کی صورت میں ایک موزوں دفاعی مقام تھا۔ حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام تھا جس سے متصل اسی نام کا ایک گاؤں بھی آباد ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے صرف 9 میل کے فاصلے پر ہے۔ فوجی نقطہ نظر سے اس طرح اچانک آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ قریش کے سر پر پہنچ گئے اور آپ ﷺ کو عسکری فوقیت حاصل ہو گئی مگر آپ ﷺ قریش سے عسکری تصادم کے لیے تشریف نہیں لائے تھے۔ پھر آپ ﷺ کو ذیقعد کی حرمت کا بھی خیال تھا' آپ ﷺ کسی طور بھی عرب روایات کو توڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے حسن تدبر سے کام لیتے ہوئے قریش کو مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کے لیے رضامند کر لیا اور جنگ کے بادل دُور کر کے آپ ﷺ نے دشمنوں کو بساط سیاست پر مکمل طور پر مات دی جو مسلمانوں کے لیے آئندہ فتح مکہ کا پیش خیمہ تھی۔ یہ عہد نبوی ﷺ کا سب سے اہم واقعہ تھا جس کے دوررس اثرات مسلمانوں کی سیاسی اور عسکری تاریخ پر پڑے۔

مارچ 628ء/ذیقعد 6ھ جاں نثاری کا عہد و پیمان' بیعت رضوان

اس موقع پر قریش سے سفارتی سطح پر بات چیت کرنے کے لیے پہلے آپ ﷺ نے حضرت عمر ؓ کو منتخب کیا' انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! مکہ میں میرے قبیلے کا ایک آدمی بھی موجود نہیں کہ جو وہاں میری حمایت کر سکے' آپ ﷺ حضرت عثمان ؓ کو وہاں جانے کا حکم فرمائیں کہ نہ صرف ان کا پورا خاندان وہاں موجود ہے بلکہ سالار مکہ ابوسفیان خود رشتے میں ان کے چچا ہیں۔ اس طرح وہ اس سفارتی پیغام رسانی کا فریضہ احسن طریقے پر انجام دے سکتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ مکہ ان دنوں بدنظمی کا شکار تھا خود امیر قریش ابوسفیان تجارت کی غرض سے چھپ چھپا کر شام گیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے حضرت عثمان ؓ کو اپنے سفارتی مشن کی تکمیل کے لیے وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا پڑا۔ حضرت عثمان ؓ کے مکہ میں اس طویل قیام کو مؤرخین نے آپ ؓ کی گرفتاری یا نظربندی پر محمول کیا ہے۔ دوسری طرف آپ ﷺ کے مصالحت آمیز رویہ کے باوجود قریش سے مسلح تصادم کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اسی اثناء میں افواہ پھیلی کہ حضرت عثمان ؓ کو مکہ میں شہید کر دیا گیا ہے۔ سفیر کو قتل کرنا کسی طور پر بھی روا نہیں۔ آپ ﷺ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ہرگز کہ آپ ﷺ اور مسلمان لڑنے کی نیت سے نہیں آئے تھے مگر حفظ ماتقدم کے طور پر آپ ﷺ نے مجاہدین سے جنگ ہو جانے کی صورت میں قصاص عثمان ؓ کے لیے آخر دم تک لڑنے اور کسی بھی صورت شکست قبول نہ کرنے کی بیعت لی۔ یہ بیعت آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے حضرت عثمان ؓ کی طرف سے خود اپنا دست مبارک پر اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر لی۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ یہ بیعت اتنی غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی کہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ الفتح کی آیت نمبر 10 میں اس طرح کیا ہے' اے پیغمبر! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں' ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے'' .... بیعت رضوان کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تیزی سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور مجاہدین کو اسلحہ سے لیس کر کے ہوشیار رہنے کا حکم دے دیا۔ جب اس صورت حال کا قریش کو پتہ چلا تو وہ غزوہ خندق کی ناکامی کے بعد اب خود اپنے ہی گھر میں کسی طرح بھی جنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنے سفیر بھیجے۔ سیرت نگاروں نے سفارتی سطح پر اسے آپ ﷺ کی بے مثال فتح قرار دیا ہے۔ قریش نے عرب کے مشہور شعلہ بیان مقرر سہیل بن عمرو کو اختیار کلی دے کر بھیجا۔ اس نے قریش کی طرف سے باقاعدہ صلح کی شرائط پیش کیں جو دیکھنے میں مسلمانوں کے حق میں نظر نہیں آتی تھیں لیکن درحقیقت میں وہ خود مشرکین مکہ کے خلاف تھیں اور ان میں اسلام کی آئندہ کامیابی کے عوامل پنہاں تھے۔ آپ ﷺ

کی نظر بھی اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پہ تھی اس لیے آپ ﷺ نے قریش کی یہ شرائط منظور کر لیں لیکن بعض صحابہؓ چونکہ ان شرائط کے الفاظ پر نظر رکھتے تھے اور ان کے مضمرات ان کی نظر میں نہیں تھے اس لیے ان شرائط کو نا قابل قبول سمجھتے تھے۔ اس معاہدہ کو ضابطہ تحریر میں لانے کا کام حضرت علی ؓ کے سپرد کیا گیا جب حضرت علیؓ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو قریش کے سفیر نے اعتراض کیا اور اہل مکہ کی روایت کے مطابق ''باسمک اللھم'' لکھنے پر اصرار کیا' اسی طرح وہ ''رسول اللہ'' کے لفظ پر بھی اعتراض کناں ہوا اور اس نے معاہدے میں محمد بن عبداللہ لکھوایا اور کہا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو رسول اللہ مان لیتے تو پھر جھگڑا کیا تھا۔ مسلمانوں کو سفیر قریش کے یہ اعتراض سخت نا گوار گذرے مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کو ان پر کوئی اعتراض نہیں تھا اس لیے یہ خاموش رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ معاملہ اس پر کیا ہے کہ تم لوگ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہ ہو اور ہم بیت اللہ کا طواف کر لیں۔ سہیل نے کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ قبائل عرب یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے یہ معاہدہ دب کر کیا ہے' ہاں آئندہ سال آپ طواف کر سکیں گے۔ اس طرح یہ شق بھی معاہدے میں درج کر لی گئی۔ سہیل نے کہا کہ یہ بھی لازم ہوگا کہ ہم میں سے کوئی شخص اگر آپ ﷺ کے ہاں چلا جائے تو خواہ وہ آپ ﷺ کے مذہب پر ہو آپ اسے واپس بھیج دیں گے۔ ابھی یہ شق طے پا رہی تھی کہ ابو جندل ؓ بن سہیل بیڑیوں سمیت گرتا پڑتا وہاں پہنچ گیا۔ سہیل بن عمر نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے محمد ﷺ! یہ پہلا شخص ہے جس کی واپسی کا مطالبہ میں از روئے معاہدہ کرتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی معاہدہ احاطۂ تحریر میں مکمل طور پر نہیں آیا۔ سہیل نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو پھر میں آپ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ یوں ناچار ابو جندل ؓ کو واپس بھیجنا پڑا۔ اسی معاہدے کے تحت فریقین میں دس سال کے لیے جنگ بندی طے پا گئی تا کہ فریقین امن و امام سے رہ سکیں۔ اس معاہدے کی تکمیل کے بعد اس پر گواہان نے دستخط ثبت کیے۔ گواہان اسلام میں حضرت ابو بکر ؓ' حضرت عمر فاروق ؓ' حضرت عبدالرحمٰن ؓ بن عوف اور حضرت عبداللہ بن سہیل ؓ' حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ' حضرت محمد ؓ بن سلمہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ؓ شامل تھے جبکہ گواہان قریش میں مکرز بن حفص وغیرہ۔ معاہدہ طے پانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے قربانی کے جانور ذبح کیے اور اس کے بعد حلق کرایا اور آپ ﷺ احرام سے باہر آ گئے سب مسلمانوں نے آپ ﷺ کے اس عمل کی تقلید کی۔

صلح حدیبیہ تاریخ اسلام کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ یہ بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھی مگر یہی صلح مسلمانوں اور اسلام کی فتح مندی کا سبب بنی اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسے ''فتح مبین'' قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

انا فتحنا لك فتحاً مبينا (سورۃ فتح آیت نمبر 1 اے پیغمبر! ہم نے تم کو فتح دی صریح اور صاف۔)'' کچھ ہی عرصے بعد پیش آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا یہ صلح واقعی مسلمانوں کے حق میں فتح مبین تھی۔ قریش جس کے سامنے کوئی نصب العین نہیں تھا وہ اس صلح کے بعد غفلت کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ادھر اسلام کو اس زمانہ امن میں عرب کے گوشے گوشے تک پھیلنے کے مواقع میسر آ گئے۔ قریش نے معاہدہ میں یہ شرط اولین رکھی تھی کہ مکہ کا کوئی مسلمان بھی اب مدینہ جا کر نہیں رہ سکے گا ہوا یہ کہ ابو جندل ؓ اور ابو بصیر ؓ وغیرہ مکہ سے فرار ہو کر ساحل سمندر کے قریب عیص نامی مقام پر بستے چلے گئے۔ اس مقام سے قریش کی شاہراہ تجارت گذرتی تھی ان باغی مسلمانوں کی کارروائیوں نے اس شاہرہ تجارت کو خطرہ میں ڈال دیا اور قریش کو آخر رسول اللہ ﷺ کو تحریری طور پر درخواست دینا پڑی کہ معاہدہ حدیبیہ کی اس شرط اولین کو معاہدہ سے خارج کیا جائے اور مکہ سے بھاگنے والے مسلمانوں کو مدینہ آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ [۱]

اپریل 628ء/ذوالحجہ 6ھ مشرک عورتوں سے مناکحت کی ممانعت:

صلح حدیبیہ کے بعد اہلِ مکہ اور ان کے مشرک حلیفوں سے مدینہ کے مسلمانوں کا میل جول بڑھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا۔ اس طرح اسلامی معاشرے کے سربستہ راز مشرکوں تک پہنچ جانے کا خطرہ تھا جو اس ممانعت کے حکم سے ٹل گیا۔

اپریل' مئی 628ء/ذوالحجہ 6ھ حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح

رئیسِ مکہ ابوسفیان کی بیٹی رملہ' ام حبیبہؓ اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں۔ حبشہ میں قیام کے دوران ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور غریب الوطنی میں ان کے بیوہ ہو جانے کی خبر جب بارگاہ نبوت ﷺ میں پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کی اور ان کے والد ابوسفیان کی تالیفِ قلب کے لیے حضرت ام حبیبہؓ سے شاہ نجاشی کے توسط سے نکاح کیا۔ شاہ نجاشی نے بڑے احترام کے ساتھ اس ام المومنینؓ کو آنحضرت ﷺ کے نمائندہ خصوصی' حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ہمراہ مدینہ روانہ کر دیا۔ [۲]

مئی 628ء/ذوالحجہ 6ھ/حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کا قبول اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد سنہ 6ھ کا اہم ترین واقعہ مؤرخین نے حضرت خالد بن ولید ؓ اور حضرت عمرو ؓ بن

---

۱ پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ''نبی رحمت'' از مولانا ابوالحسن ندوی

۲ ''عہد نبوت کے ماہ و سال'' از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

العاص کا اسلام لانا لکھا ہے۔ اسلام کے یہ دو عظیم سپہ سالار اور فاتحین تاریخ عالم کے اہم ترین سالاروں اور فاتحین میں سے ایک تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خود آنحضرت ﷺ نے "سیف اللہ" کا لقب مرحمت فرمایا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ فاتح شام کہلاتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عرب کے نامور سیاست دان تھے اور آپ فاتح مصر کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

مئی 628ء/ ذوالحجہ 6ھ آیات ظہار کا نزول

سال 6ھ کے آخر میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کے بھائی اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ خولہ بنت ثعلبہ انصاریہ سے جوان کی عم زاد بھی تھیں، ظہار کیا۔ یاد رہے یہ تاریخ اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔ ظہار کو عہد جاہلیت میں طلاق کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اسی واقعہ کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات "ظہار" نازل ہوئیں۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَّاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ (۱) ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی "یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی......... جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کر لیں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے اس کے ذریعے تم نصیحت کیے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

حضرت خولہؓ اپنے خاوند کے ظہار سے بہت پریشان ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے کچھ توقف فرمایا جس پر وہ بحث و تکرار کرتی رہی۔ اس وقت تک اس معاملے کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو یہ معاملہ واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ظہار کے متعلق واضح حکم دیا کہ تمہارے کہہ دینے سے تمہاری بیویاں تمہاری مائیں نہیں بن جائیں گی یہاں مفسرین نے یہ نکتہ بھی واضح کیا ہے کہ اگر کوئی ماں کے علاوہ اپنی بیٹی یا

1. المجادلہ:1:3

بہن کی پیٹھ کہہ دے تو یہ سرے سے ظہار نہیں ہوگا۔ تاہم امام مالک اور امام ابوحنیفہ اسے بھی ظہار کی کیفیت ہی قرار دیتے ہیں مگر دوسرے آئمہ کرام اسے ظہار نہیں مانتے۔[1]

628ء/ 6ھ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ

مولانا ہاشم ٹھٹھوی نے اپنی تصنیف "بذل القوہ فی حوادث سنی النبویہ" میں لکھتے ہیں کہ سال 6ھ میں آنحضرت ﷺ نے گھوڑ دوڑ کا ایک مقابلہ منعقد کروایا جس میں مضمر یعنی چھریرے بدن والے گھوڑوں کے لیے زیادہ اور غیر مضمر گھوڑوں کے لیے کم مسافت تجویز فرمائی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مضمر گھوڑوں کے درمیان جو مقابلہ کروایا تھا وہ حیفہ سے ثنیۃ الوداع اور مسجد زریق تک منعقد ہوا تھا اور خود ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اس گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں شریک تھے۔

مئی 628ء/ 6ھ ذوالحجہ اونٹوں کی دوڑ کا انعقاد:

سال 6ھ ہی میں آنحضرت ﷺ نے اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ بھی منعقد کروایا تھا جس میں ایک بدو کے مریل سے اونٹ نے آنحضرت ﷺ کی ناقہ قصواء پر سبقت حاصل کی تھی۔ قصواء پر کسی جانور کے سبقت حاصل کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس لیے یہ صحابہ کرامؓ کو ناگوار گذرا۔ جب آنحضرت ﷺ سے صحابہ کرام نے اس گرانی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ بات لے رکھی ہے کہ دنیا کی جس چیز کو بھی اونچا کریں اسے نیچا بھی کر دکھائیں۔"

628ء/ 6ھ لبید بن اعصم کا آنحضرت ﷺ پر سحر کرنا

لبید بن اعصم یہودی نے جو بنی زریق کے حلیفوں میں سے ایک تھا۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر سحر کیا۔ اس نے یہ گھناؤنی حرکت یہود کی تحریک پر کی تھی، یہود نے اس گھناؤنی حرکت کا معاوضہ لبید کو 300 دینار کی صورت میں دیا تھا۔ یہ واقعہ ذوالحجہ 6ھ میں حدیبیہ سے واپسی پر پیش آیا تھا۔ اسی سحر کی رد کے لیے مفسرین کے مطابق "معوذتین" نازل ہوئی تھیں جب یہ سحر ایک کنوئیں سے برآمد ہوا تھا۔ ارباب سیر کے مطابق یہ سحر ایک دھاگے پر کیا گیا تھا جس میں گیارہ گرہیں لگائی گئی تھیں۔ معوذتین کی ایک ایک آیت سے ایک ایک گرہ کھلتی گئی چنانچہ روایت ہے کہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیات پڑھنے سے تمام گرہیں کھل گئیں تھیں اور لبید یہودی کا سحر دور ہو گیا تھا جو آپؐ پر بحیثیت انسان اثر انداز ہوا تھا اور بحیثیت پیغمبر آپ مامون رہے تھے۔

1. عہد نبوت کے ماہ و سال

مارچ 628ء/ذی قعدہ 6ھ حدیبیہ میں معجزات نبوی ﷺ کا ظہور

جب آپ ﷺ نے 1400 صحابہ کرام کے ساتھ حدیبیہ کے کنوئیں کے نزدیک قیام فرمایا تو بئیر حدیبیہ میں معمولی مقدار میں پانی موجود تھا جسے صحابہ کرامؓ نے ڈولوں سے نکال لیا۔ یہ کنواں قریباً خشک ہوگیا جس پر صحابہ کرام نے پانی کی نایابی اور قلت کی شکایت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر عنایت فرمایا جو اس کنوئیں میں گاڑ دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے وضو سے بچا ہوا پانی عطا فرمایا جو اس تیر پر ڈال دیا گیا۔ اس کی برکت سے کنوئیں میں پانی ابلنے لگا اور صحابہ کرام خوب سیر ہوئے۔ حدیبیہ میں قیام کے دوران ہی اسی نوعیت کا ایک دوسرا معجزہ بھی ظاہر ہوا۔ مولانا جامی نے شواہد نبوت میں لکھا ہے کہ حدیبیہ میں پانی کی قلت تھی ایک بار پھر آپ ﷺ سے پانی کی قلت کی شکایت کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک کو پانی کے ایک پیالے (کوزے) میں رکھ دیا تو انگشتان مبارکہ سے پانی چشموں کی طرح پھوٹنے لگا۔ پورا لشکر سیراب ہوگیا۔ حضرت جابرؓ سے جو اس واقعہ کے راوی ہیں جب پوچھا گیا کہ آپ حضرات کتنی تعداد میں وہاں موجود تھے؟ تو حضرت جابرؓ نے کہا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو یہ پانی ہمیں کافی رہتا مگر ہماری تعداد اس وقت قریباً پندرہ سو تھی۔[1]

[1] ''شواہد نبوت'' جامی' عہد نبوت کے ماہ وسال

29-628ء/سال 7ھ کے اہم وقائع اور غزوات

11 جولائی 628ء/یکم محرم الحرام 7ھ الرسالات النبویہ" بنام شاہان عالم"

صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو دس سال برائے امن دیے تھے اور مملکت مدینہ کو قریش سے لاحق خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا تھا۔ اپنی عسکری مصروفیات سے فراغت پاتے ہی آنحضرت ﷺ نے مشن رسالت کی تکمیل کی طرف توجہ فرمائی۔ اب آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ شاہانِ عالم کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اسلام کو عالمگیر بنایا جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے ہم عصر شاہان وسرداران عالم کے نام خطوط ارسال فرمائے۔ اس کے لیے خصوصی طور پر انگوٹھی میں نصب ایک مہر بنوائی۔

یکم محرم الحرام 7ھ بمطابق 11 جولائی 628 کے عہد آفرین دن

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور نبی پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح اختلاف رائے نہ کرنا۔ اٹھو اور میری طرف سے شاہان عالم کو پیغام حق پہنچاؤ۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ حکمرانان عالم کے نام خطوط سفیران نبوی ﷺ کے ذریعے ارسال فرمائے۔ ان چھ حکمرانوں کے نام سیرت نگاروں نے یہ دیے ہیں۔

حکمران عالم	سفیران رسول ﷺ
قیصر روم	حضرت دحیہ بن خلیفۃ الکلبیؓ
نجاشی، شاہ حبشہ	حضرت عمروؓ بن امیہ ضمریؓ
خسرو پرویز، کسریٰ ایران	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ
مقوقس، عزیز مصر	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ

روسائے یمامہ (نجد)	حضرت سلیط بن عمرو عامری
حارث غسانی، امیر حدود شام	حضرت شجاع بن وہب الاسدی

الرسلات نبویہ کی ترسیل میں یہ بات اہم ہے کہ یہ سفیران رسول جس جس علاقے میں بھیجے گئے وہ اس علاقہ کی زبان اور جغرافیہ سے بخوبی واقف تھے۔

النجاشی، شاہ حبش کے نام: سب سے پہلے حضور نے اپنے سفیر برائے حبشہ، حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو شاہ حبشہ کی طرف روانہ کیا اور النجاشی کے نام دو خطوط ارسال فرمائے۔ ایک میں اسے دعوت اسلام دی تھی اور قرآن کریم کی چند آیات پیش کی تھیں۔ خطوط کا متن کچھ یوں تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: از جانب محمد رسول اللہ

بنام نجاش اصحم، شاہ حبشہ۔

"سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی طلب و آرزو رکھتا ہے۔" واضح ہو کہ میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بادشاہ (الملک) ہے۔ ہر قسم کے نقص سے منزہ (القدوس) خود سلامت (اسلام) امن دینے والا (المومن) اور نگہبان (المھیمن) ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور کلمہ ہیں۔ اللہ نے اسے پاکدامن کنواری مریم کی طرف القا کیا، جس سے وہ حاملہ ہوئیں تو اللہ نے عیسیٰ کو اپنی روح اور نفخ سے پیدا کیا جس طرح آدم کو کیا تھا اور میں تم کو اور تمہارے حبش کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور نصیحت کر دی۔ تم میری نصیحت قبول کرو اور سلام اس پر جو اللہ کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔" (مہر ثبت کی گئی)

اللہ
محمد
رسول

شاہ حبشہ النجاشی نے حضور کا نامہ مبارک وصول کر کے آنکھوں سے لگایا اور از راہ احترام اپنے تخت شاہی سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔(۱) پھر اس نے آپ کے نامہ مبارک کا جواب تحریر کرایا جس میں آنحضرت کی رسالت کی توثیق کی اور جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر اپنے اسلام کا اظہار کیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جب نجاشی کے انتقال کی خبر آئی تھی تو رسول اللہ نے اظہار رنج وحزن فرمایا اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھی تھی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جو دوسرا خط آنحضرت نے النجاشی کو ارسال فرمایا تھا اس میں حکم دیا تھا کہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان سے آپ کا عقد کر دے النجاشی نے

آپ کے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ ام حبیبہؓ سے 400 دینار مہر کے عوض رسول اللہ کا نکاح کرا دیا اور مسلمانوں کو ہر قسم کی سہولت و زاد راہ واپسی کے سفر کے لیے مہیا کر دیا۔ اسی سفر میں حضرت ام حبیبہؓ کے ہمراہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری بھی واپس مدینہ آئے تھے۔ پھر نجاشی نے آنحضرت کے دونوں خطوط ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں محفوظ کرا دیے اور کہا کہ جب تک یہ دونوں خطوط ہمارے درمیان رہیں گے حبشہ تمام آفات سے محفوظ رہے گا یاد رہے ان میں سے ایک اصل خط بیسویں صدی میں دریافت ہو چکا ہے جو اکتوبر 1938ء میں دمشق میں کسی شخص نے حبشہ کے ایک پادری سے خریدا تھا اور اس کی جانچ پڑتال برٹش میوزیم کے ماہرین نے کی تھی۔ آنحضرت کے دو اور خطوط انیسویں صدی میں دریافت ہوئے تھے۔ یہ خطوط مقوقس والی اسکندریہ اور المنذر بن مساوی کے نام ہیں۔ ان خطوط میں سے آخر الذکر کا عکس پہلی بار 1863ء میں جرمن میگزین ZDMG میں چھپا تھا۔ بعد ازاں المنذر بن ساوی گورنر بحرین کے نام خط رسول اللہ دمشق کے قوتلی خاندان میں محفوظ تھا۔

قیصر روم، ہرقل کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ بنام ہرقل، "عظیم روم"

سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ ازاں بعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو تمہاری جاہل رعایا کا گناہ بھی تمہارے سر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آؤ (اختلاف و نزاع کی تمام باتیں چھوڑ کر) اس بات پر آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مسلم ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر اس اصول سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے (مسلمان) ہیں۔ مہر نبوت ثبت شدہ۔

اللہ
محمد
رسول

آپ کا یہ مکتوب گرامی قدر حضرت دحیہ کلبی نے امیر بصرہ کی وساطت سے قیصر روم، ہرقل کو دیا جو ان دنوں ایران کے کسریٰ کو شکست فاش دینے کی خوشی میں بیت المقدس میں سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ ہرقل

۱ کتاب الوفا، تاریخ طبری جلد سوم

نے نامہ گرامی سن کر اہل دربار سے دریافت کیا کہ کیا اس مدعی نبوت کی قوم کا کوئی شخص اس شہر میں موجود ہے؟ اسے دربار میں پیش کیا جائے اس پر قریش مکہ کی ایک جماعت کے رئیس' ابوسفیان کو دربار قیصر میں پیش کیا گیا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق کئی ایک سوالات پوچھے۔ ابوسفیان نے بعدازاں بیان کیا کہ اس خوف سے کہیں میں اپنے ساتھیوں کے سامنے جھوٹ بول کر بدنام نہ ہو جاؤں میں نے ہر سوال کا جواب سچ میں دیا۔ سیرت نگاروں نے قیصر روم کے سوالات اور ابوسفیان کے جوابات کا خلاصہ کچھ اس طرح پیش کیا ہے۔ محمد ﷺ عالی نسب ہیں۔ آپ ﷺ کے خاندان میں نہ تو کوئی بادشاہ گذرا ہے اور نہ کسی نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ دعویٰ نبوت سے پہلے بھی کبھی محمد ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا اور کبھی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا۔ آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے کمزور لوگ تھے ان کی تعداد گھٹنے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کے ساتھ جنگ میں کبھی وہ غالب آتے ہیں اور کبھی ہم۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں کبھی عہد شکنی نہیں کی۔ اب حال ہی میں ان سے ہم نے ایک معاہدہ کیا ہے دیکھیے اب آپ ﷺ کیا کرتے ہیں۔ ابوسفیان کی زبان سے اپنے سوالات کے یہ جوابات سن کر قیصر روم نے برملا اعتراف کیا کہ یہ تمام علامتیں ایک سچے نبی کی ہیں۔ اس نے مزید پوچھا کہ محمد ﷺ کس بات کا حکم دیتے ہیں۔ ابوسفیان نے بتایا کہ آپ ﷺ نماز' روزہ' صلہ رحمی اور عفاف کا حکم دیتے ہیں۔ ہرقل نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہ صحیح ہے تو آپ ﷺ بالیقین نبی ہیں۔ اس بات کا تو ہمیں علم تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے مگر ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ اس کا ظہور تم لوگوں میں ہوگا۔ اس نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا مگر وہ اسلام نہ لایا۔ اگرچہ قوت وحکومت کے نشے میں سرشار ایسے بااثر لوگ کم ہی اسلام لا سکتے تھے مگر آپ ﷺ کے نامہ مبارک کا دربار قیصر روم میں پہنچنے کا فائدہ یہ ہوا اسلام کا تعارف ہو گیا اور دشمنوں نے بھی آپ ﷺ کی صداقت کی تصدیق کر دی' اس لیے مؤرخین اس واقعہ کو تاریخ اسلام ہی کا نہیں بلکہ تاریخ عالم کا اہم واقعہ تسلیم کرتے ہیں۔ قیصر روم نے نہ صرف گرامی نامے میں دلچسپی لی جو معنی خیز تھی۔ بلکہ اس نے آپ ﷺ کے گرامی نامے کا جواب بھی دیا جو کچھ یوں ہے۔

قیصر روم کا جوابی خط:

بحضور احمد رسول اللہؐ جن کے ظہور کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے بھی دی۔ من جانب قیصر روم۔

آپ ﷺ کا فرمان آپ ﷺ کے سفیر کے توسط سے ملا۔ میں آپ ﷺ کے رسول (برحق) ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ ﷺ کے ظہور کی بشارت عیسی ابن مریم نے انجیل میں دی ہے۔ میں نے اپنی رومی رعایا کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی' لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ حضور! کاش! میں

آپ ﷺ کی خدمت میں باریاب ہو سکوں اور آپ ﷺ کے پاؤں دھوؤں۔''

رسول اللہ ﷺ نے جب قیصر روم کے نام خط لکھا تو اصحاب نے کہا کہ جس خط پر مہر نہ ہو اسے یہ (ایرانی و رومی بادشاہ) نہیں پڑھتے تب آپ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جو بیضوی شکل کی تھی اس پر اوپر ''اللہ'' درمیان میں ''رسول'' اور نیچے کی سطر میں محمد لکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنے خطوط وفرامین پر یہی مہر ثبت فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ انگشتری اور مہر نبوی خلفائے راشدین کے پاس محفوظ رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ ان کے ہاتھ سے اریس نامی کنویں میں گر گئی تھی۔ انہوں نے اسے بہت تلاش کیا مگر نہیں مل سکی تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہ کنواں ہی پٹوا دیا تھا۔

کسریٰ ایران کے نام:

انہیں چھ سفیروں میں سے ایک عبداللہ بن حذافہ بن قیس السہمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہیں آنحضرت ﷺ نے ایک نامہ دے کر ایران کے شہنشاہ کسریٰ بن ہرمز کے پاس بھیجا تھا اور اس خط میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک دیا وہ اسے پڑھ کر سنایا گیا پھر اس (گستاخ) نے نامہ مبارک پڑھنے والے کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ بات بیان کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔'' **الھم عزق ملکه** '' اے اللہ! اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے۔

نامہ مبارک سے گستاخی کے بعد اسی مغرور نے یمن میں اپنے گورنر باذان کو لکھا کہ وہ اپنے پاس سے دو تگڑے آدمی اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے پاس حجاز میں بھیج دے تاکہ وہ اسے گرفتار کر کے (نعوذ باللہ) میرے پاس لائیں۔ چنانچہ باذان نے اپنے قہرمان (وزیر داخلہ) کو ایک اور شخص کے ساتھ بھیجا جس کا نام مؤرخین بابویہ یا خرخسرہ بتایا ہے۔ ان دونوں کے ساتھ ایک خط بھی بھیجا۔ یہ مدینہ منورہ آئے اور گورنر باذان کا خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ مسکرائے اور ان دونوں کو اسلام لانے کی دعوت دی۔ اس وقت ان دونوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں چلے جاؤ کل پھر میرے پاس آنا تو اس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ میرا ارادہ کیا ہے۔ یہ دونوں جب دوسرے دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' تم دونوں اپنے آقا (باذان) تک یہ میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرے رب نے اس کے کسریٰ کو آج رات سات گھڑی گذرنے پر ہلاک کر دیا ہے۔''

یہ جمادی الاول کی دسویں یا تیرھویں تاریخ تھی۔ جب یہ دونوں سفیر واپس یمن پہنچے تو انہیں آپ ﷺ کی بات کی تصدیق ہو گئی کہ خسرو پرویز' کسریٰ اسی رات بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تھا۔ اس پر باذان اسلام لے آیا۔ کسریٰ کے نام نامہ مبارک کا متن یہ ہے۔

من محمد عبداللہ ورسولہ الی کسریٰ عظیم فارس۔

سلام علی من اتبع الهدی و آمن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له و ان محمداً عبده ورسوله. ادعوك بدعایته الله فاننی انا رسول الله الی الناس كافةً لا نذر من كان حیائو یحق القول علی الكافرین اسلم تسلم فان ابیته فانما علیك اثم المجوس. مہر نبوت ثبت شدہ

اللہ

محمد

رسول

اللہ کے بندے اور رسول ﷺ کی طرف سے عظیم فارس' کسریٰ کے نام سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں جسے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور یہ بات کافروں پر بہت گراں ہے۔ تم اسلام قبول کرو۔ سلامت رہو گے اور روگردانی کرو گے تو سارے مجوسیوں کا عذاب تمہارے سر پر ہوگا۔

بیسویں صدی میں جہاں رسول اللہ ﷺ کے اور مکتوبات دریافت ہوئے وہیں نامہ مبارک بنام کسریٰ پرویز بن ہرمز بھی اپنی اصلی حالت میں (چاک شدہ) دریافت ہو چکا ہے۔ اس کی اطلاع مئی 1963ء کے اخبارات عالم نے دی تھی۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد جو عربی مخطوطات کے ایک مستند عالم ہیں انہوں نے اس مکتوب کا عکس بیروت کے روزنامہ الحیاۃ (22 مئی 1963ء) میں یہ شائع کیا تھا۔ بعدازاں یہ خط بیروت کے ایک سابقہ وزیر خارجہ ہنری فرعون نے دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفیوں کے عوض خریدا تھا۔(1)

مقوقس' عزیز مصر کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد ﷺ کی جانب سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ مقوقس کے نام جو قبط (مصر) کا حکمران ہے۔

سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بعدازیں میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرو' سلامتی پاؤ گے۔ اسلام قبول کرو' اللہ تمہیں دہرا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو اہلِ قبط کا وبال تم پر ہوگا۔

---

1 رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آ ؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں کو اللہ کے برابر بنائیں گے۔ پھر اگر اس سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ کے فرمانبردار بندے (مسلمان) ہیں۔ مہر نبوت ثبت شدہ

اللہ

محمد

رسول

حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ یہ نامہ مبارک لے کر عزیز مصر مقوقس کے دربار میں پہنچے اور اس موقع پر انہوں نے اس سے مؤثر و بلیغ انداز میں خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

مصر میں پہلے بھی ایک ایسا شخص ہو گزرا ہے جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ اس کے انجام سے نصیحت پکڑو۔ مقوقس نے اس نامہ مبارک کو پڑھا اور کلمہ خیر کہا اور اس خط کو لے کر ایک ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ کر سر بند اور اپنی ایک کنیز کو اس خط کو محفوظ کرنے کا حکم دیا۔ اگرچہ وہ ایمان تو نہیں لایا مگر اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبداللہ کے نام' مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔

سلام ہو آپ ﷺ پر۔ امابعد' میں نے آپ ﷺ کا مکتوب پڑھا اور اس میں جو کچھ آپ ﷺ نے ذکر کیا ہے اور جس بات کی طرف آپ ﷺ بلاتے ہیں' اس کو سمجھا۔ مجھے یہ علم تھا کہ ایک نبی کا ظہور ابھی باقی ہے مگر میرا گمان تھا کہ اس کا ظہور بلاد شام میں ہوگا۔ میں نے آپ ﷺ کے سفیر کی عزت و تکریم کی اور آپ ﷺ کی خدمت میں دو کنیزیں بھیجی ہیں۔ جن کا مقام قبط میں بلند ہے۔ میں نے آپ ﷺ کے لیے خلعت اور سواری کے لیے ایک خچر تحفے کے طور پر بھیجے ہیں۔ والسلام علیک۔"

ان کنیزوں کا نام ماریہ اور سیرین تھا جبکہ خچر کو دلدل کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ جانور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہا۔ مقوقس نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بھی خلعت اور ایک سو مثقال سونا بھی عطا کیا۔

اگرچہ مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا مگر مصر میں اسلام کا غائبانہ تعارف ہو گیا اور اس کی سرزمین میں آئندہ کے لیے اسلام کے بیج بونے کے امکانات روشن ہو گئے۔

حاکم یمامہ ہوذہ کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از محمد ﷺ رسول اللہ بنام ہوذہ بن علی سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چوپائے اور گھوڑے جا سکتے ہوں۔ اسلام قبول کر لو تو سلامتی ہوگی (تم سے تعرض نہ کیا جائے گا) اور جو علاقہ تمہارے ماتحت ہے اسے تمہارا بنا دیں گے۔ مہر نبوت ثبت شدہ۔

اللہ
محمد
رسول

سفیر رسول ﷺ حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کو ہوذہ کے دربار میں پورے سفارتی آداب سے بٹھایا گیا۔ ہوذہ نے آپ ﷺ کے نامہ مبارک کو بھی بڑی غور سے سنا اور جواب یہ دیا۔ اتنی اچھی اور حسین بات ہے جس کی طرف آپ ﷺ بلاتے ہیں۔ عرب میرے رتبے کا احترام کرتے ہیں۔ بعض اختیارات مجھے عنایت فرمائیں، ہم اتباع کریں گے۔'' ہوذہ نے نہ صرف نامہ مبارک کا جواب میں اپنا خط حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ کے ہاتھ خدمت نبوی ﷺ میں بھجوایا بلکہ کچھ تحائف بھی ارسال کیے۔ آپ ﷺ نے جب اس کا یہ جوابی خط سنا تو فرمایا: ''جا اگر وہ مجھ سے ایک بالشت زمین بھی طلب کرے تو اس کو نہیں دی جائے گی، جو کچھ اس کی تحویل میں ہے وہ جانے والا ہے'' آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی بہت جلد پوری ہوئی۔[1]

حارث غسانی کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

از محمد رسول اللہ ﷺ بنام الحارث ابن ابی شمر سلامتی ہو اس پر جو ہدایت پر عمل پیرا ہو اور اس پر جو ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ، جو واحد ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس طرح تمہارا ملک تمہارے پاس رہے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان چھ خطوط کے علاوہ بھی خطوط اور فرامین حکمرانان عالم اور قبائلی سرداروں کے نام لکھے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد کی ان دستاویزات کی تعداد جواب تک ہمیں ملتی ہے۔ مؤرخین اور محققین نے تقریباً ڈھائی سو سے زیادہ بتائی ہے۔ ان تمام وقیقوں کا متن حواشی کے ساتھ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے اپنی کتاب ''الوثائق سیاسیہ'' میں یک جا کیا ہے۔ آپ ﷺ کے مکتوبات کی چار اصلیں اب تک دریافت ہو چکی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان تبلیغی خطوط کے ساتھ دیار غیر میں اسلام کا جو بیج بویا وہ جلد یا بدیر ایک گھنے سایہ دار درخت میں بدل گیا اور اس کے ثمرات آج چہار سو عالم میں پائے جاتے ہیں۔

---

1. زاد المعاد، اصح السیر، پیغمبر اعظم و آخر، نقوش رسول نمبر جلد 2

آپ ﷺ کے الرسلات یا تبلیغی خطوط تاریخ عالم میں ایک انتہائی اہم، مستند دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخ کے سینے میں مدفون یہ اہم ریکارڈ عالمی تشکیک پسندوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان خطوط نے مستشرقین کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کی تکذیب بھی کی ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔

جون، جولائی 628ء / محرم 7ھ غزوہ خیبر

صلح حدیبیہ کے ساتھ قریش کی طرف سے خطرہ ٹل گیا تھا مگر اہل یہود کے سینوں میں ابھی تک مملکت مدینہ کے خلاف عداوت، حسد اور انتقام کی آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے غزوہ خندق میں اپنی ناکامی سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی بلکہ وہ برابر سازشوں میں مصروف رہے۔ 6ھ کے اواخر میں انہوں نے اسلامی مملکت مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے اپنے ہمسایہ اور حلیف قبیلہ بنو غطفان کو مدینے پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا۔ پھر ان دونوں نے مل کر آس پاس کے چھوٹے عرب قبائل کو مال غنیمت کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

آپ ﷺ یہود کی ان ریشہ دوانیوں پر کڑی نظر رکھتے تھے اور آپ ﷺ کو جاسوسوں کے ذریعے اس نئے خلاف اسلام اتحاد کے منصوبوں کی پوری خبر تھی۔ اگر یہود اور ان کے اتحادیوں کو مدینہ پر حملے کا موقع مل جاتا تو مدینہ منورہ کا دفاع خطرے میں پڑ سکتا تھا۔ دوسری طرف داخلی محاذ پر عبداللہ بن ابی کی انگیخت پر منافقان مدینہ بھی دشمنوں سے ساز باز میں مصروف تھے اور انہیں جارحانہ کارروائی کرنے پر اکسا رہے تھے۔ مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ دراصل عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اور وہ مدینہ منورہ میں یہود کا سب سے بڑا ایجنٹ تھا جیسے آج کل بھی بہت سے مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہود کے اس تباہ کن منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے ایک جوابی منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبے کی عسکری اہمیت یہ تھی کہ اس میں یہود اور ان کے حلیفوں کی افواج کو اکٹھے اور متحد ہونے سے پہلے ہی شکست دے دی جائے تاکہ وہ مدینہ کی طرف پیش قدمی نہ کر سکیں۔ عسکری تیاریوں کے بعد آپ ﷺ نے اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے محرم 7ھ میں آپ ﷺ نے یہودیوں کے علاقے خیبر کی طرف انتہائی سرعت کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی۔ اس دوران آپ ﷺ نے مدینے میں نظام حکومت چلانے کے لیے حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ لشکر اسلام میں مجاہدین کی تعداد 1600 تھی، جن میں 200 سوار اور باقی پیادے تھے۔ اس عسکری مہم کے لیے پہلی مرتبہ تین علم تیار کیے گئے۔ اس لشکر میں پہلی مرتبہ زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے عورتوں کی ایک جماعت بھی شامل تھی۔

ایک تیر سے دو شکار

اپنے عسکری منصوبے کے مطابق آنحضرت ﷺ نے سرعت کے ساتھ مقام رجیع پر پہنچ کر چھاؤنی ڈال

دی۔ رجیع وہ مقام تھا جہاں سے بنوغطفان سے خیبر جانے والی شاہراہ گذرتی تھی۔ اسی شاہراہ کو کاٹ دینا آپ ﷺ کا مقصود تھا تا کہ یہود اور بنوغطفان متحد نہ ہوسکیں۔ دوسرے خیبر کی طرف پیش قدمی سے پہلے آپ ﷺ عقب سے بنوغطفان کی طرف سے کیے جانے والے ممکنہ حملے کے امکانات کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ادھر بنوغطفان کو جب یہ اطلاع ملی کہ مسلمان خیبر پر فوج کشی کے ارادے سے مدینہ سے نکل چکے ہیں تو وہ عقب سے مسلمانوں پر حملے کے ارادے سے مسلح ہوکر نکلے ان کا ارادہ لشکر اسلام پر شب خون مارنے کا تھا مگر جب رجیع کے مقام پر انہوں نے مسلمانوں کو جارحانہ دفاعی انداز میں صف آرا دیکھا تو وہ اپنے جارحانہ عزائم سے باز آئے اور مجاہدین اسلام سے اتنے مرعوب ہوئے کہ مسلمانوں کے تیور دیکھ کر انہیں اپنے گھروں کو بچانے کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ چنانچہ وہ تیزی سے واپس لوٹ کر اپنے علاقے میں مورچہ بند ہوگئے' ادھر آنحضرت ﷺ بھی دوطرفہ محاذ آرائی کو پسند نہیں فرماتے تھے جب آپ ﷺ نے بنوغطفان کو واپس لوٹتے ہوئے دیکھا تو وہ ان کے تعاقب میں نکلنے کی بجائے پہلے خیبر کے فتنے کو فرو کرنے کا فیصلہ کیا اور رجیع کو اپنا عسکری مرکز قرار دے کر حضرت عثمانؓ کو اس کا CARE TAKER بنایا اور خواتین کے نرسنگ دستے کو بھی یہیں متعین کیا اور ان کی حفاظت کا انتظام کر کے خود انتہائی رازداری سے لشکر اسلام کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے۔ ادھر یہود خیبر چونکہ خود مدینہ پر چڑھائی کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ انہیں اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ مسلمان خود ان پر خیبر میں حملہ آور ہوں گے۔ جب انہوں نے لشکر اسلام کو خیبر کے قلعوں کی فصیلوں کے نیچے دیکھا تو وہ بڑے حیران ہوئے اور جوابی کارروائی کے طور پر قلعوں میں محصور ہوکر بیٹھ گئے۔ خیبر میں یہودیوں کے آٹھ قلعے تھے جن میں سے النطاۃ' صعب بن معاذ الشق اور الناعم ایک طرف تھے جبکہ الکتیبہ' الوطیح' السلالم اور القموص کے قلعے دوسری طرف واقع تھے۔ القموص مشہور یہودی ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا اور اپنے غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی وجہ سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے پہلے یہود کو دعوت اسلام دی اور جب وہ پھر بھی آمادہ جنگ ہی رہے تو آپ ﷺ نے ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر اسلام نے سب سے پہلے قلعہ النطاۃ پر حملہ کیا اور اسے سر کرلیا۔ اس کے بعد قلعہ الناعم تسخیر کیا گیا۔ اس قلعے کے محاصرے کے دوران ہی حضرت محمد بن مسلمہ ؓ شہید ہوئے تھے۔ مرحب نامی یہودی نے انہیں قلعہ کی دیوار کے نیچے سوتا دیکھ کر اوپر سے پتھر گرا کر شہید کر دیا تھا۔ اس کے بعد صعب نامی قلعہ سر ہوا جو سامان رسد سے بھرا ہوا تھا۔ اس قلع کو فتح کرنے کے بعد جب رات کو مجاہدین نے عرب کے قدیم رواج کے مطابق اہلی گدھوں کا گوشت پکایا تو آنحضرت ﷺ نے اس گوشت کو نجس قرار دے کر ناقابل طعام چیز کے طور پر پھینکنے کا حکم دیا۔

ان قلعوں کی تسخیر کے بعد قلعہ قیموص کی باری تھی۔ یہ یہود خیبر کے چند ناقابل تسخیر قلعوں میں سے ایک تھا۔ اسے تسخیر کرنا بہت دشوار کن ثابت ہوا اور محاصرے نے طول پکڑلیا۔ اس موقع پر سب سے پہلے اسلام کا جھنڈا حضرت

عمر ؓ کو عطا کیا گیا مگر قیموص کو فتح کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس روز خود آنحضرت ﷺ درد شقیقہ میں مبتلا تھے اس لیے اپنے خیمے سے باہر تشریف نہ لاسکے۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی سرکردگی میں لشکر بھیجا گیا لیکن سخت ترین معرکہ لڑنے کے باوجود قلعہ فتح نہ کیا جاسکا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ نے دوسری بار کوشش کی مگر یہ قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں علم اسلام ایسے بہادر کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا اور کسی حال میں میدان جنگ سے ناکام واپس نہیں آئے گا اور خدا اور رسول ﷺ سے دوست رکھتے ہوں گے۔''

پیغمبر اسلام ﷺ کے یہ فرمانے سے اہل اسلام میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی ہر ایک کے دل میں یہ امنگ جاگی کہ علم اسلام کسی بھی صورت میں مجھے ہی ملنا چاہیے۔ (ا) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے سرداری کا حوصلہ آج کے دن سے زیادہ کبھی نہ ہوا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ رات صحابہ کرامؓ نے انتہائی بے چینی میں گذاری اور علی الصبح سب نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ زبان رسالت مآب ﷺ سے ''این علی بن ابی طالب؟'' کی آواز بلند ہوئی' لوگوں نے کہا حضور ﷺ وہ تو آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں اور آ نہیں سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں بلاؤ۔ جب آواز رسالت ﷺ امیر المومنین تک پہنچی تو آپ ؓ اصحاب کے کندھوں کا سہارا لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے امیر المومنین کا سر اپنے زانوں پر رکھا اور آنکھوں میں لعاب دہن نبوی ﷺ ڈالا۔ آشوب چشم جاتا رہا حکم ہوا۔ ''علی میدان جنگ میں جاؤ۔ آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو اس دن علم اسلام عطا فرمایا اور کہا قلعہ قموس کو فتح کرو۔''

جب آپ ؓ میدان جنگ میں نکلے تو مرحب نامی یہودی بہادر آپؓ کے مقابلے میں نکلا' آپ ﷺ نے اسے قتل کردیا۔ مرحب کے قتل کے ساتھ ہی یہودیوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں تاہم جنگ جاری رہی اور عنتر ربیع' یاسر جیسے بہادر میدان میں آئے اور موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اسی جنگ میں جب حضرت علی ؓ کی ڈھال زمین پر گری تو آپ ؓ نے اس قلعہ خیبر کے آہنی دروازے کو اکھاڑ کر ڈھال بنالیا جس کے بعد مجاہدین قلعے کے اندر جانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس معرکے میں حضرت علی ؓ نے غیر معمولی جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ یہود آپؓ کے حملوں کی تاب نہ لاسکے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور صلح کی درخواست کی جسے آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس معرکے میں 93 یہودی مقتول ہوئے اور 20 مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔[1]

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم

جب ایک جانب کے تمام قلعے سر ہو چکے تاہم دوسرے جانب قلعے الکتیبہ' الوطیح اور السلالم ابھی فتح کیے جانے باقی تھے۔ ان قلعوں میں باقی مقامات کے یہود آ کر پناہ گزین ہو گئے تھے اور اپنا مال و دولت ان قلعوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ کے حکم پر ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ چودہ دن کے محاصرے کے بعد محصورین نے ہتھیار ڈال دیے اور خیبر[1] کا پورا علاقہ فتح ہو گیا۔[2] رحمۃ للعالمین ﷺ نے فتح کے بعد اہل خیبر سے لطف و کرم سے پیش آئے اور کسی کو اہل خیبر کی جان و آبرو سے تعرض کرنے کی اجازت نہیں دی۔ سب سے بڑھ کر خیبر کی اراضی نصف بٹائی کے قاعدے پر انہیں کے پاس رہنے دی۔ چونکہ شر انگیزی' فتنہ گری اور عہد شکنی یہود کا شیوہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے یہ سب کچھ مشروط طور پر منظور کیا اور تحریری طور پر ان پر واضح کر دیا کہ انہوں نے شیوۂ فتنہ گری کو ترک نہ کیا تو اسلامی حکومت ان سے اراضی واپس لینے اور انہیں ملک بدر کرنے کی مجاز ہو گی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اسی مشروط معاہدے کے خلاف جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہود خیبر نے فتنہ گری شروع کی تو یہ اراضی ان سے واپس لے لی گئی اور انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔

تالیفِ قلوب آپ ﷺ دشمنوں کی بھی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اہل خیبر سے نہ صرف یہ کہ رواداری اور احسان سے کام لیا بلکہ آپ ﷺ نے ان کے سردار حیئ بن اخطب کی صاحبزادی سے نکاح فرما کر یہود خیبر سے رشتہ صہر بھی قائم کیا۔ خیبر کے نزدیک ہی اہل فدک آباد تھے جب انہوں نے یہود خیبر کا حال سنا تو انہوں نے بھی ایسی ہی شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ چونکہ آپ ﷺ اسلامی ریاست مدینہ کے سربراہ تھے اس لیے کچھ مصارف آپ ﷺ کے بطور سربراہ مملکت بھی تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فدک کی آمدنی اسی مد کے لیے مخصوص کر دی۔

سیاسی و معاشرتی نقطہ نظر سے فتح خیبر کے نتائج بڑے دوررس ثابت ہوئے جہاں اہل یہود کے پھیلائے ہوئے بہت سے سیاسی فتنے اس فتح سے ختم ہو گئے وہیں اہل یہود کی بہت سے میدانوں میں اجارہ داری جاتی رہی اور ان میدانوں میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے کے مواقع حاصل ہوئے خیبر کے بعد وادی القری کے یہودیوں نے بھی مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیے اور اسلامی رعایا بن گئے۔

جولائی 628ء/محرم الحرام 7ھ ایک یہودیہ کی زہر خورانی کی سازش:۔

غزوہ خیبر کے ایام میں ایک یہودی عورت' زینب نے ایک بکری بریاں کر کے اس میں زہر ملا دیا۔ خاص طور پر سینہ اور کندھوں کے گوشت کو خاص طور پر مسموم کیا کیونکہ اس نے سنا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بکری کے ان اعضا کا گوشت

---

[1] طبقات ابن سعد

[2] سیرت ابن ہشام

خاص طور پر پسند ہے۔ جب آپ ﷺ نے اس گوشت کو کھانا شروع کیا تو بذریعہ وحی یا فراست نبوی ﷺ سے آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ یہ گوشت زہر آلود ہے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ روک لیا جبکہ آپ ﷺ کے شریک طعام' حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس مسموم گوشت کا ایک لقمہ تناول کر چکے تھے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی نے ابھی لقمہ تناول نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے حضرت بشر رضی اللہ عنہ اس زہر کے اثر سے جانبر نہ ہو سکے اور شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے بدلے میں اس یہودی عورت کو قتل کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔

جولائی' اگست 628ء/صفر 7ھ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیئ سے نکاح:

صفر 7ھ میں غزوہ خیبر سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے سردار خیبر' حیئ بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیئ سے عقد فرمایا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خیبر کے قیدیوں میں شامل تھیں۔ آپ ﷺ ان کی تالیف قلب کے لیے ان کو اپنی ذات کے لیے منتخب فرمایا۔ جب یہ اسلام لے آئیں تو انہیں آزاد کر کے آپ ﷺ نے شرف زوجیت بخشا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ تاہم آئندہ حیض کی آمد کے بعد تک ان سے ازدواجی تعلق قائم نہیں فرمایا۔ خیبر سے واپسی کے سفر میں جب لشکر اسلام ''سد الصہبا'' نامی مقام پر پہنچا جو بجانب خیبر مدینہ منورہ سے ایک برید کے فاصلے پر واقع تھا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے ایام سے فارغ ہوئیں تو اس مقام پر زفاف ہوا۔ بعد از زفاف آپ ﷺ نے تین دن تک صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ دی۔ اس مقام پر تین دن قیام کے بعد آپ ﷺ وہاں سے مدینہ تشریف لے آئے۔

جولائی' اگست 628ء/صفر 7ھ رجعت شمس کا معجزہ:

حضرت مولانا جامی ''شواہد نبوت'' میں رقمطراز ہیں کہ حضرت اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ لشکر اسلام کے ساتھ خیبر سے واپسی پر وادی القری کی طرف جاتے ہوئے مقام صہبا پر پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوئے تو ایک دن جب آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانوئے مبارک پر رکھا تو وحی کا سلسلہ ایسے وقت میں شروع ہوا کہ غروب آفتاب سے پہلے ختم نہ ہوا۔ جب سلسلہ وحی منقطع ہوا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''اے علی رضی اللہ عنہ! آپؓ نے نماز عصر بھی پڑھی یا کہ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ آپ ﷺ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا اور وحی کا سلسلہ جاری تھا ان حالات میں نماز کیسے پڑھ سکتا تھا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے دست دعا بلند کیے اور فرمایا۔ ''بارِ الٰہ علی رضی اللہ عنہ تیری اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت میں تھے اس لیے اب سورج کو حکم دے کہ واپس لوٹ آئے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں سورج غروج ہو چکا تھا لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ پھر طلوع ہوا اور دشت و

جبل اس کی کرنوں سے منور ہو گئے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ واقعہ معجزات نبوی ﷺ میں سے ایک ہے۔

جولائی' اگست 628ء/صفر 7ھ لیلۃ التعریس کے وقائع

سنہ 7ھ میں خیبر سے واپسی کے موقع پر لیلۃ التعریس کا واقعہ پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے آخر شب میں نزول فرمایا تو سب کی ایسی آنکھ لگی کہ سورج نکل آیا اور نماز فجر فوت ہو گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے آفتاب کی زردی ختم ہو جانے کے بعد اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرمائی اور اس میں جہری قراءت فرمائی۔

التعریس۔ مسافر کے رات کے آخری حصے میں اترنے اور سونے کو کہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر سے واپسی کے سفر میں آنحضرت ﷺ نے ایک رات خواب واستراحت کے لیے آخری حصے میں قیام اور حضرت بلالؓ کو تاکید فرمائی کہ صبح ہونے پر ہمیں جگا دینا تاکہ نماز فجر نہ قضا ہو۔ اس رات آپ ﷺ نے تہجد کی نماز سونے سے پہلے ادا فرمائی تھی۔ ادھر حضرت بلالؓ جاگتے رہے اور نماز پڑھتے رہے۔ مگر آخر شب حضرت بلالؓ نے کجاوہ سے ٹیک لگائی تو حضرت بلالؓ کی نیند سے بوجھل آنکھیں بے اختیاری میں بند ہو گئیں اور آپؓ سو گئے۔ سورج چڑھ آیا کسی کی آنکھ نہ کھل سکی۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت بلالؓ سے پوچھا بلالؓ تم کیوں سو گئے حضرت بلالؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ میں کیا عرض کروں کہ مجھے بھی اس چیز نے مغلوب کیا جس کا آپ ﷺ پر غلبہ تھا۔ اس کے بعد اس مقام سے کوچ کر کے جب آفتاب کی زردی ختم ہو گئی تو نماز فجر ادا کی گئی۔[1]

جولائی' اگست 628ء/صفر 7ھ حضرت ابو ہریرہؓ کا قبول اسلام

اسی سال مسلمانوں کے مشہور راوی حدیث' حضرت ابو ہریرہؓ اسلام لائے۔ انہیں ابو ہریرہؓ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ کی بکریاں چراتے ہوئے دل بہلانے کے لیے اپنے ساتھ ایک بلی کا بچہ رکھا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ طفیل بن عمرو دوسیؓ کی تبلیغ سے ایمان لائے تھے۔ غزوہ خیبر کے ایام میں یمن سے قبیلہ دوس کا ایک وفد بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس وفد کے ساتھ یمن سے مدینہ آئے تھے۔ چنانچہ اسی وفد کو جب پتہ

[1] مدراج نبوت، عبدالحق محدث دہلوی

چلا کہ آپ ﷺ خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے ہیں تو یہ قافلہ بھی آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے لیے خیبر گیا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ کی عمر تیس سال تھی۔ قبول اسلام کے بعد تین سال تک آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہے اور اصحاب صفہ میں شامل تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے کل 5304 یا 5375 احادیث مروی ہیں۔ 78 برس کی عمر میں 57ھ میں بمطابق 676ء میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ابو ہریرہؓ علم کا ظرف ہیں۔

نومبر 628ء/جمادی الاول 7ھ کسریٰ ایران خسرو پرویز کا قتل

ایران خسرو پرویز کا قتل 10 جمادی اول 7ھ کو ہوا تھا۔ اس پر تمام مؤرخین اسلام کا اجماع ہے۔ اس گستاخ رسول ﷺ کو خود اس کے بیٹے شیرویہ نے تلوار سے اس کا پیٹ چاک کر کے ہلاک کر ڈالا۔

مارچ 629ء/ذی قعد 7ھ عمرۃ القضا' پہلا ورود مکہ

صلح حدیبیہ کے بعد سے آپ ﷺ کو مسلمانوں کے ساتھ شہر الامین مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کا اشتیاق تھا اور انتظار بھی۔ صلح حدیبیہ کا سال گذرتے ہی آپ ﷺ نے مکہ جانے کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان مسلمانوں کو خاص طور سے اپنے ساتھ کیا جو سال گذشتہ عمرے کے سفر میں آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے مگر معاہدہ حدیبیہ کی وجہ سے عمرہ ادا نہیں کر سکے تھے ان کے علاوہ جو بھی چاہتا ہو وہ شریک ہو جائے۔ یہ بھی حکم نبوی ﷺ تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور دو ہزار صحابہ کے ساتھ ایک سو گھوڑوں اور 60 قربانی کے جانور لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر گھوڑے حضرت محمد بن مسلمہؓ کے سپرد کر دیے اور اسلحہ حضرت بشرؓ بن سعد کے سپرد کر دیا۔ اس سفر میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ ﷺ کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے۔

جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو قریش نے شہر خالی کر دیا اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے عمرہ کی ادائیگی کا نظارہ کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے معاہدے کے مطابق تین روز وہاں قیام فرمایا اور عمرہ ادا کیا۔ مکہ پر قبضہ کرنے کا یہ زریں موقع تھا لیکن معاہدے سے انحراف کرنا آپ ﷺ کے شایان شان بھلا کب تھا؟ قیام کے ان تین دنوں میں آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے کسی مسلمان سے کوئی قابل اعتراض بات سرزد نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ کی قیادت میں مسلمان ایک منظم قوم کی حیثیت سے مکہ میں رہے اور انہوں نے مکہ اور بیت اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کی۔ آپ ﷺ کے اس رویہ سے مشرکین مکہ کے دل پسیج گئے اور ان کے دلوں میں اسلام کا بیج پھوٹنے لگا۔ (مدارج نبوت' پیغمبر اعظم وآخر)

مارچ' اپریل 629ء/ذی قعد 7ھ حضرت میمونہؓ سے نکاح

عمرہ کی ادائیگی کے دوران یا بعد آپ ﷺ نے حضرت جعفر ؓ بن ابی طالب کے ذریعے حضرت میمونہ بنت حارثؓ کو پیغام نکاح پہنچایا۔ چونکہ حضرت میمونہؓ کی ہمشیرہ ام الفضل حضرت عباس ؓ بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں اس لیے حضرت میمونہؓ نے اپنا وکیل حضرت عباس ؓ کو مقرر کیا۔ بعدازاں حضرت عباس ؓ نے حضرت میمونہؓ کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا۔ اس قول میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے کہ یہ نکاح آپ ﷺ نے احرام کی حالت میں کیا تھا یا احرام سے نکل کر۔ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج نبوت'' میں لکھا ہے کہ مکہ میں قیام کے تیسرے دن قریش نے آپ کی خدمت میں حضرت علی ؓ کے توسط سے کہلا بھیجا کہ مکہ شریف سے باہر تشریف لے جائیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کو کہلا بھیجا کہ سیدہ میمونہؓ کا ولیمہ کرنے کی مہلت دیں مگر وہ رضامند نہ ہوئے۔ قریش کی درشت گوئی جب حد سے بڑھی تو حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے جو اس مجلس میں موجود تھے کہا کہ ہم اس وقت یہاں سے جائیں گے جب ہماری مرضی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ حضرت سعد ؓ کی یہ بات سن کر متبسم ہوئے اور حضرت سعد ؓ کو تسلی دی اور اس اعلان کا حکم دیا کہ کوئی بھی صحابی رات کو مکہ میں نہ رہے' اسی بنا پر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت میمونہؓ سے آنحضرت ﷺ کا زفاف مقام سرف پر ہوا تھا۔[1]

مارچ' اپریل 629ء/ذی قعد 7ھ امامہ بنت حمزہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ عمرۃ القضا کی ادائیگی کے بعد مکہ سے باہر تشریف لے جانے لگے تو حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی امامہ بنت حمزہ ؓ یا بقول بعض عمارہ جو کمسن تھیں اور اپنی والدہ حضرت سلمی بنت عمیسؓ کے ساتھ مکہ میں رہا کرتی تھیں آپ ﷺ کو چچا پکارتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے آئیں حضرت علی ؓ نے گود میں اٹھا لیا اور اس کو اپنی پرورش میں لینے کی تمنا کی مگر چونکہ اس بچی کی خالہ حضرت جعفر ؓ کے نکاح میں تھیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفر ؓ کے حق میں فیصلہ دیا۔

---

[1] مدارج نبوت از عبدالحق محدث دہلوی' نبوت کے ماہ وسال

629-630ء/سال 8ھ کے اہم وقائع اور غزوات

مئی' جون 629ء/محرم الحرام 8ھ منبر نبوی ﷺ کی ابتداء

اس سال تاریخ اسلام میں سب سے پہلا منبر تیار کیا گیا۔ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے لیے عائشہ انصاریہ نے تین درجے کا یہ منبر اپنے رومی غلام ''باقوم'' نامی سے تیار کروایا تھا۔ آپ ﷺ کے منبر پر خطبہ دینے سے آپ ﷺ سے جدا ہو جانے پر وہ کھجور کا تنا رونے لگا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا دست شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ جب مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر نو ہوئی تو ابی بن کعبؓ اس تنے کو اپنے گھر لے گئے۔ وہ اس وقت اتنا بوسیدہ ہو چکا تھا کہ اس سے آٹا نکلنے لگا تھا۔ آخر انہوں نے اسے مدفون کر دیا۔[1]

جولائی 629ء/صفر 8ھ حضرت سیدہ زینبؓ کا انتقال

سنہ 8 ھ کے آغاز کے وقائع میں ارباب سیرت نے سیدہ حضرت زینبؓ سب سے بڑی صاحبزادی رسول ﷺ کا انتقال پر ملال لکھا ہے۔ حضرت سیدہ زینبؓ نبوت کے آغاز سے دس سال پہلے یعنی 30 میلاد النبی میں پیدا ہوئیں تھیں۔ مولانا ہاشم ٹھٹھوی نے ''عہد نبوت کے ماہ وسال میں لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ کی وفات کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ اور ان کے ساتھ سیدہ کو غسل دینے والی خواتین سے فرمایا کہ تین' پانچ یا سات بار یا اس سے زیادہ جتنا تم مناسب سمجھو' انہیں بیری کے پتوں والے پانی سے غسل دو اور آخری بار میں کافور ملا لو۔ جب یہ خواتین سیدہ کو غسل دے کر فارغ ہوئیں تو انہیں تہہ بند عنایت فرما کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ انہیں کفن کے اندر کی جانب سے پہناؤ۔''

اگست' ستمبر 629ء/جمادی الاول 8ھ سریہ موتہ

موتہ شام کی سرحد پر واقع تھا۔ قیصر روم کی طرح ہی آنحضرت ﷺ نے شام یا بصری کے حکمران کو بھی اپنے

---

[1] شواہد نبوت (از مولانا جامی) عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی

نامہ مبارک کے ذریعے دعوت اسلام دی۔ آپ ﷺ کے اس نامہ مبارک کو لے کر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ جانب شام روانہ ہوئے۔ سرحد پر بلقاء کا علاقہ واقع تھا۔ اس علاقے کا حاکم ایک سرکش و مغرور عرب سردار شرجیل بن عمرو تھا۔ وہ مذہباً عیسائی تھا اور قیصر روم کا باجگزار بھی۔ حضرت حارثؓ اسی شرپسند کی وساطت سے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک شام کے حکمران کو پہنچانا چاہتے تھے۔ شرجیل نے عالمی سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کو شہید کر دیا اور انتہائی رعونت سے پیش آیا۔

اسلامی مملکت مدینہ کے سفیر کو سفارتی آداب کی پرواہ کیے بغیر شہید کر دینا ایک ایسا جرم تھا جس کا ارتکاب کرنے کے بعد شرجیل ایک عرب ہونے کی حیثیت سے جانتا تھا کہ عرب مسلمان اب قصاص لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے اس لیے اس نے قیصر روم کو بھی مسلمانوں کے خلاف آمادۂ جنگ کر لیا اور خود بھی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا جب آپ ﷺ کو اس شرپسند عرب سردار کی ان معاندانہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مدبرانہ طور پر ایک عظیم ماہر حربیات کے طور پر فیصلہ کیا کہ شرجیل اور قیصر روم کو سرزمین عرب کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی ان کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا موقع دیا جائے بلکہ ان کا مقابلہ شام کی سرحد پر کیا جائے اس کے لیے آپ ﷺ نے 3 ہزار مجاہدین کا ایک لشکر تیار کیا اور اسے شرجیل کی معاندانہ کارروائیوں کو روکنے کے لیے شام کی سرحد کی طرف روانہ فرمایا۔ اس لشکر کا سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

شرجیل ابھی عسکری تیاریوں میں مصروف تھا کہ اسے مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی۔ اس وقت تک وہ ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل لشکر تیار کر چکا تھا اور اسے قیصر روم کی طرف سے مزید کمک ملنے کی بھی توقع تھی۔ تاہم اسے اپنے علاقے سے نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ انہیں دنوں قیصر روم بھی شرجیل کی حمایت میں ایک لشکر جرار اسی طرح لے کر بلقا کے قریب ایک عسکری اہمیت کے مقام تاب میں خیمہ زن تھا جس طرح آج کل امریکہ اپنے دوستوں کی مدد کے لیے اکثر اپنا ساتواں بحری بیڑا بھیج دیتا ہے۔

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو مسلمانوں سے تینتیس گنا بڑے لشکر اور تقریباً اتنے ہی گنا ہی کمک کو وہاں موجود پایا تو مجلس شوریٰ طلب کی، اپنے ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوئے حضرت زیدؓ چاہتے تھے کہ دربار نبوی ﷺ سے مزید نئے احکام طلب کیے جائیں مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ توقف کی زحمت اٹھائے بغیر دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہتے تھے ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پہلے احکامات پر عمل پیرا ہونا ہی اطاعت رسول ﷺ تھا۔ اس مشاورت کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر مجاہدین کے اس چھوٹے سے لشکر کو دشمن کی ایک لاکھ فوج پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ شام کی سرحد کے نزدیک موتہ کے مقام پر ایک خونریز جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے تین عظیم سپہ سالار، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ان تینوں کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا گیا۔ انہوں نے میدان جنگ میں ایسی عسکری قابلیت اور جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا کہ دشمن دنگ رہ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دشمن کی صفیں درہم برہم کر کے رکھ دیں۔ دوسری طرف اتنے بڑے لشکر کو شکست دینے کے لیے مزید کمک کی ضرورت تھی جو میسر نہ آ سکتی تھی۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے دشمن کو مرعوب کر کے مجاہدین کو اس کے نرغہ سے نکال لینا ہی بہتر سمجھا۔ ادھر دشمن مسلمانوں کی بہادری سے اتنا ہراساں اور مرعوب ہو چکا تھا کہ اس نے اپنی بڑی تعداد کے باوجود مٹھی بھر مجاہدین کے تعاقب میں نکلنے کا حوصلہ نہ کیا۔ موتہ کے میدان میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بے مثال عسکری قابلیت اور جرأت و بہادری سے خوش ہو کر آنحضرت ﷺ نے انہیں ''سیف اللہ'' کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔

جنگ موتہ تاریخ اسلام میں اتنی اہم ہے جتنی جنگ احد تھی۔ اتنے بڑے دشمن سے نبرد آزمائی کوئی آسان کام نہیں تھا مگر مجاہدین نے اپنے ولولہ اور شوق شہادت سے لشکر شرجیل کو مرعوب کر کے وہی فوائد حاصل کر لیے جو جنگ احد سے مسلمانوں کو پہنچے تھے۔

اس جنگ میں اس زمانے کی دوسری بڑی عسکری طاقت رومہ کو اپنے لامحدود وسائل اور کثیر افواج کے باوجود ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور مٹھی بھر مجاہدین نے اس عظیم عسکری طاقت کو مدینہ پر چڑھائی کرنے سے روک دیا تھا اور دشمن کو اپنی عسکری مہارت اور جنگی قابلیت سے اتنا متاثر کر دیا تھا کہ اس کو مٹھی بھر اسلامی فوج کے تعاقب میں نکلنے کی جرأت نہ ہو سکی تھی اور یہی مسلمانوں کی سب سے بڑی کامیابی تھی کیونکہ اس عظیم الشان کامیابی کے بعد کسی بیرونی دشمن کو مدینہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ ہو سکی تھی۔

اگست، ستمبر 629ء، جمادی الاول 8ھ سریہ موتہ کے دن آنحضرت ﷺ کا مشاہدہ

سریہ موتہ میں آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو امیر لشکر بنا لیا جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنایا جائے۔ جس دن لشکر اسلام کا سامنا موتہ کے مقام پر دشمنوں سے ہوا تو آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ شریف میں منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا ''علم جنگ زید رضی اللہ عنہ نے پکڑا اور شہید ہوئے، پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے تھاما اور شہید ہوئے،

1 پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، مدارج نبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، بدر سے باٹا پور تک۔

بعدازاں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پکڑا اور شہید ہوئے۔ باری باری شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر لشکر مقرر ہوئے جن کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ پھر فرمایا اے اللہ! لاریب وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے سو تو اس کی مدد فرما۔'' اس دن آپ ﷺ نے اس خطبہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو ''سیف اللہ'' کا لقب عطا کیا۔ بعدازاں جب حضرت یعلی بن منبہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ کے متعلق خبریں لے کر مدینہ پہنچے اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے اس سے فرمایا۔ اے یعلی! میں تجھے حالات واقعات کی اطلاع دوں یا تو مجھے مطلع کرے۔'' حضرت یعلیؓ نے کہا ''حضور ﷺ آپ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ موتہ میں پیش آنے والے تمام حالات واقعات سنائے تو حضرت یعلیؓ نے عرض کیا کہ 'قسم پروردگار کی جس نے آپ ﷺ کو صادق و مصدق بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے ایک ایک بات درست بتائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سرزمین موتہ میری نظروں کے سامنے کر دی گئی یہاں تک کہ میں نے جنگ میں پیش آنے والے حالات وواقعات کا مشاہدہ کیا۔''[1]

اگست، ستمبر 629ء/ جمادی الاول 8ھ ماتم وآہ وبکا کی ممانعت

غزوہ موتہ کے بعد جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ان کی خواتین نے آہ وبکا شروع کی تو ایک شخص نے اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں روک دو جب اس شخص نے حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کو ایسا کرنے سے روکا تو وہ نہ رکے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔''[2]

اکتوبر، نومبر 629ء/ جمادی الاخری سریہ ذات سلاسل

جمادی الاخری 8 اکتوبر نومبر 629 میں خبر آئی کہ وادی القری میں جو مدینہ منورہ سے دس دن کی مسافت پر واقع تھی۔ بنو قضاعہ کے چند لوگ فتنہ پردازی میں مصروف ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جمادی الاخری 8ھ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو تین سو صحابہ کرام کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ وادی القری پہنچ کر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اطلاع دی کہ فتنہ پردازوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے کمک بھیجی جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کو دو سو آدمی کی کمک کے ساتھ ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ روایت ہے کہ ان لوگوں نے خود کو پابہ زنجیر کیا ہوا تھا تاکہ میدان جنگ چھوڑ کر نہ بھاگ سکیں اسی بنا پر اس سریہ کو ذات السلاسل کہا جاتا ہے علامہ مخدوم ہاشم سندھی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس میدان میں ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا جو ایک دوسرے سے اس طرح مربوط تھے کہ

1. شواہد نبوت از مولانا جامی
2. عہد نبوت کے ماہ وسال، مولانا ہاشم ٹھٹھوی

پاؤں میں زنجیر کی طرح آگے قدم بڑھانے میں مانع ہوتے تھے اس لیے انہیں سلاسل کہا گیا تھا۔ اسی سریہ کے ایام میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو رات کے وقت جنابت لاحق ہوئی۔ رات نہایت سرد تھی پانی سے غسل کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر فجر کی نماز تیمم کر کے پڑھی۔ جب مدینہ واپسی ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے دریافت کیا کہ یہ مسئلہ تم نے کہاں سے اخذ کیا کہ اگر سردی جان لیوا ہو تو غسل کی بجائے تیمّم کر لیا جائے۔ اس پر حضرت عمروؓ نے عرض کیا اس آیت سے ''لاتقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما. (النساء:29) ترجمہ۔ ''اپنے آپ کو قتل نہ کرو...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے تبسم فرمایا اور خاموش رہے۔[1]

دسمبر 629ء/ شعبان 8ھ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا فیہ خط

8ھ میں فتح مکہ کے لیے روانگی سے پہلے جب آنحضرت ﷺ خفیہ طور پر فتح مکہ کے لیے عسکری تیاریوں میں مصروف تھے تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن بلتعہ کہ جن کے بال بچے مکہ میں تھے۔ اہل مکہ کے نام ایک خفیہ خط لکھا جس میں قریش کو آنحضرت ﷺ کے مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریوں سے آگاہ کیا گیا تھا۔ یہ خط اس نے ایک سارہ نامی عورت کے ہاتھوں مکہ بھجوایا تھا جو قریش کی باندی تھی آنحضرت ﷺ کو معجزاتی طور پر اس خط کے بھجوانے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک اور صاحب کو بھیجا اور اس عورت کی نشاندھی کے ساتھ ساتھ بتایا کہ وہ تمہیں روضہ خاخ کے مقام پر ملے گی یہ حضرات اس عورت کے تعاقب میں نکلے تو عین اسی مقام پر وہ عورت مل گئی مگر اس نے خط کی موجودگی سے انکار کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار میان سے نکال کر اسے دھمکایا کہ خط واپس کر دے ورنہ اچھی طرح تلاشی ہوگی۔ اس پر اس نے اپنے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکال کر دیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھ گچھ پر انہوں نے اپنی مجبوری بیان کی تو آنحضرت ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور فرمایا کہ حاطب نے معرکۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ اہل بدر کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے وہ چاہے جو بھی کریں۔

یکم جنوری 630ء/ 10 رمضان 8ھ فتح مکہ

فتنۂ یہود کو فرو کرنے کے بعد اسلام کی راہ کا سب سے بڑا کانٹا قریش تھے جو آغاز اسلام سے اپنی معاندانہ روش سے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکا رہے تھے۔ فتح مکہ اس لحاظ میں تاریخ اسلام کا سب سے اہم سنگ میل ہے۔ آپ ﷺ

1. نبوت کے ماہ وسال

نے فتح مکہ کے لیے غزوہ احزاب کے بعد سے سرد جنگ کی حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی اور آپ ﷺ اس شہر امین کو ایک قطرہ خون بہائے بغیر فتح کرنا چاہتے تھے۔

بنوخزاعہ پر حملہ:

صلح حدیبیہ کے بعد سے آپ ﷺ کو یقین تھا کہ قریش مکہ دس سالہ معاہدۂ امن کی خلاف ورزی بالضرور کریں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس سلسلے میں انتہائی رازدارانہ طریق پر تیاریاں شروع کر رکھی تھیں، فتح مکہ سے آپ اسلامی معاشرے کی تکمیل کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ ﷺ کے سامنے ایک انتہائی نصب العین تھا جبکہ قریش کا کوئی نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے بعد سے وہ غفلت کا شکار ہوتے چلے گئے اور غفلت کے نتیجے میں قریش نے اپنے حلیف قبیلے بنوبکر کی شراکت میں مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اور نتائج و عواقب کی پرواہ نہیں کی اور اس حد تک بڑھے کہ بنوخزاعہ کے لوگوں کو انہوں نے حرم کے اندر بھی تہہ تیغ کرنے سے گریز نہیں کیا اور معاہدۂ حدیبیہ کی سنگین خلاف ورزی کے ساتھ خود حرم مکہ کی بے حرمتی میں شریک ہوئے۔

بنوخزاعہ کا ایک وفد عمرو بن سالم کی قیادت میں فریاد لے کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور قتل و غارت کی اس بھیانک واردات کے وقائع آپ ﷺ کے گوش گزار کیے۔ قریش مکہ کے اس جرم کے ارتکاب پر مسلمانوں میں قصاص، قصاص کے نعرے بلند ہونے لگے۔ آپ ﷺ نے اپنی بصیرت حکیمانہ سے کام لے کر اس مسئلے کو سب سے پہلے سفارتی سطح پر حل کرنے کی کوشش کی اور قریش مکہ کو اپنے سفیر کے ہاتھ تین شرائط بھجوائیں کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کر لیں۔ شرائط یہ تھیں:

(1) مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

(2) قریش بصورت دیگر اپنے حلیف قبیلے بنوبکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

(3) یا مندرجہ بالا دونوں شرائط قبول نہ کرنے کی صورت میں معاہدہ حدیبیہ کے ٹوٹ جانے کا اعلان کریں۔

قریش نے ظالمانہ اطوار اختیار کرتے ہوئے اور غفلت کا شکار ہو کر یہی تیسری شرط منظور کی اور قریش کے ترجمان، قرط بن عمر نے معاہدۂ حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کر دیا۔ مگر جب سفیر رسول ﷺ مکہ سے واپس چلے گئے تو قریش کی آنکھیں کھلیں اور انہیں صلح حدیبیہ کو منسوخ کرنے کے خطرناک نتائج کا احساس ہوا۔ وہ اپنے اس عمل پر شرمندہ ہوئے، لڑنے کی قوت اب قریباً ختم تھی، پچھلے معرکوں میں ان کے اہم ترین جنگجو افراد ان سے چھن چکے تھے۔ معیشت کمزور ہو جانے کی وجہ سے عسکری طاقت بھی مضمحل تھی۔ ان کی معاون یہود غزوہ خیبر کے بعد سے سر اٹھانے کے قابل نہ رہے

تھے۔ مدینہ اپنی دعوتی مہمات کی بنا پر اپنا حلقہ اثر ورسوخ وسیع کر چکا تھا کہ مکہ کے اردگرد مسلمانوں کے حلیف قبائل کا گھیرا تھا۔ اب قریش جارحانہ اقدام تو کیا کر سکتے تھے اپنے دفاع کی سکت بھی کھو چکے تھے۔ ایسے میں بچاؤ کا راستہ صرف معاہدہ حدیبیہ کی تجدید تھا۔

ابوسفیان کی سفارت:

اس لیے مکہ کی ریاست کا عہد جاہلیت کا سب سے بڑا سردار ابوسفیان تجدیدِ عہد کے لیے مدینہ پہنچا تو اسے ایسی حوصلہ شکن فضا کا سامنا کرنا پڑا کہ شاید اس کے تصور میں بھی نہ آئی ہوگی۔ خود اس کی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اسے آنحضرت ﷺ کے بستر پر بیٹھنے سے منع کر دیا اور کہا کہ تم مشرک ہو اس وجہ سے خدا کے رسول ﷺ کے پاک بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔ پھر جلیل القدر صحابہؓ حضرت عمرؓ، ابوبکرؓ، حضرت علیؓ سے مدد کا ملتمس ہوا مگر بات نہ بنی۔ صاحبزادی رسول ﷺ حضرت فاطمہؓ سے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفارش کے لیے کہا مگر جب یہ بھی نہ ہوا تو امام حسنؓ (کم سنی کے باوجود) کو رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت فاطمہؓ کی اجازت سے لے کر جانا چاہا مگر ناکام رہا۔ ان حالات میں اس پر بدحواسی طاری ہوگئی اور حضرت علیؓ سے مشاورت کے بعد اس نے مسلمانوں کے مجمع میں اپنی یک طرفہ مصالحت کا اعلان کیا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے جوابی قبولیت حاصل کیے بغیر بے نیل و مرام عازم مکہ ہوا غزوہ احزاب کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کہ اہل مکہ اب کبھی مدینہ پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے کی تکمیل کا وقت آ چکا تھا۔ صلح حدیبیہ دراصل فتح مکہ کا دیباچہ تھا۔ جلد ہی آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کی تیاریاں شروع کر دیں مگر ان تیاریوں سے قریش کو ہر ممکن طور پر بے خبر رکھا گیا۔ 10 رمضان المبارک 8ھ کو آپ ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ مگر عسکری تدابیر پر عمل کرتے ہوئے عام شاہراہ اختیار نہ کی۔ پھر مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر مرالظہران کے مقام پر چھاؤنی ڈال دی۔ فوجوں کو اس ترتیب سے پھیلایا کہ قریش ان کی تعداد سے مرعوب ہو جائیں اور خوفزدہ ہو کر بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیں اور ایسا ہی ہوا۔

قریش جو ذہنی طور پر جنگ کے لیے پہلے ہی تیار نہ تھے جب انہوں نے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دیکھی تو ان میں لڑنے کا حوصلہ نہ رہا مگر اس کے باوجود انہوں نے مسلمانوں کی عسکری منصوبہ بندی کی نوعیت جاننے کے لیے ابوسفیان، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کو بھیجا۔ ابوسفیان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تاہم آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ ان حالات میں ابوسفیان نے اپنی جان کے خوف سے یا رضامندی سے اسلام قبول کر لیا۔

آپ ﷺ نے مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے سے پیشتر اعلان کرایا کہ آج جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، یا

ابوسفیان کے گھر یا خانہ کعبہ میں پناہ لے لے گا یا اپنے گھر کا دروازہ ہی بند کر لے گا اسے معاف کر دیا جائے گا۔

یہ عام معافی کا اعلان عام تھا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اہل مکہ جو پہلے ہی لشکر اسلام کی کثرت سے مرعوب ہو چکے تھے اب انہوں نے اس اعلان معافی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا جس کے بعد مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی قیادت میں بلا مزاحمت مکہ فتح کر لیا اور قریش کی مزاحمت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ آپ ﷺ پہلے ہی اہل مکہ کے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے الفاظ میں عفو طلب کرنے پر جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر کی تھی، انہیں حضرت یوسفؑ والا جواب دے چکے تھے یعنی "تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں ہے، خدا تمہیں معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔" حضور ﷺ مکہ میں اس شان کے ساتھ داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کی سواری کے آگے آگے حضرت زبیرؓ بن عوام علم تھامے ہوئے چل رہے تھے۔ ایسے میں حضور ﷺ کو جب حضرت سعد بن عبادہؓ کے نعرے لگانے کی اطلاع ملی اور فرمایا کہ "آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔" یوں آپ ﷺ فاتحین عالم کے تکبر اور نخوت کی بجائے خدا کے حضور میں سر عجز کے ساتھ جھکا کر اس عالم میں مکہ میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کی پیشانی کجاوے کو چھو رہی تھی اور زبان پر سورۂ فتح کی آیات جاری تھیں۔

اس موقع پر عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو نے خندمہ پہاڑ میں قریش کے چند کوتاہ اندیش اوباشوں کو آمادہ شرارت کیا حماس بن قیس بھی ان لوگوں سے مل گیا۔ جو صحابیؓ لشکر سے الگ کہیں جا رہے تھے کہ ان اوباشوں نے ان کو شہید کر دیا۔ یہ حضرت کرز رضی اللہ عنہ بن جابر الفہری اور حبیشؓ بن خالد بن ربیع تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو ملی تو فوراً ان کی سرکوبی کی بارہ آدمی مارے گئے اور بقیہ بھاگ نکلے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے انصار کا دستہ طلب فرمایا اور انہیں قریش کی یہ شرانگیزی دکھائی اور حکم دیا کہ اگر مزاحمت کریں تو ان کا پوری طرح صفایا کر دیا جائے۔ ابوسفیان کو جب آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی اطلاع ملی تو وہ دوڑا دوڑا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی "یا رسول اللہ ﷺ! قریش تو پہلے ہی تباہ حال ہیں، ایسا نہ ہو کہ ان کا نام ونشان دنیا سے مٹ جائے۔"

خانہ کعبہ کی صفائی:

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کا اولین کارنامہ حرم کعبہ اور خانہ کعبہ کو مورتیوں اور بتوں اور نیز بت پرستانہ مناظر والی تصاویر سے پاک کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے حرم کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا اور حضرت

بلال رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ خدا کا گھر اس دن پہلی مرتبہ تکبیروں سے گونج اٹھا۔ نماز وذکر ربی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے اس موقع پر بڑا جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

"ایک خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اس اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔

آج تمام کبر وغرور، خون کے تمام دعوے، مالیاتی مطالبے میرے پاؤں کے نیچے ہیں (یعنی منسوخ وممنوع قرار پائے) البتہ حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانے کے مناصب اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

اے گروہ قریش! آج کے دن اللہ نے تم سے جاہلیت کا غرور چھین لیا اور آباؤ اجداد کے بل پر چلنے والی نسبی فکر کو مٹا دیا۔ تمام انسان اولاد آدم ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں منقسم کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ بلاشک اللہ دانا اور باخبر ہے۔[1]

آپ ﷺ کا یہ خطبہ جتنا مختصر تھا اتنا ہی جامع اور بلاغت کا حامل ہے۔ اس کے اختتام پر آپ ﷺ نے اہل مکہ سے پوچھا "تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں" قریش کو اپنے ظلم وکبر کا احساس تو تھا مگر انہیں آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین اور مجسم رحم وکرم ہونے کا شعور بھی تھا۔ سب یک زبان ہو کر بولے "اخ کریم وابن اخ کریم" یعنی آپ ﷺ بخشش وکرم کرنے والے بھائی اور بخشش وکرم کرنے والے بھائی کے بیٹے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے برملا فرمایا "**لا تثریب علیکم الیوم اذھبونا تتم الطلقاء**" "آج تم پر کوئی الزام ومواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔" فتح مکہ سے آپ ﷺ کا مقصود کشور کشائی نہیں بلکہ تسخیر قلوب تھا جو پورا ہوا۔ آپ ﷺ اہل مکہ سے بیعت لینے کے لیے کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور ایک بلند مقام پر بیعت کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر آپ ﷺ اور صحابہ کرام اس عظیم فتح کے دن بھی اسلام کے سنہرے اصول "**لا اکراہ فی الدین**" پر قائم رہے اور کسی کو بھی جبراً قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا۔ شرک وبت پرستی کے مرکز کو مرکز اسلام میں بدلنے کا اثر کفار کے قبائل نے بڑی تیزی سے لیا۔ ان کی خود اعتمادی متزلزل ہو کر رہ گئی وہ اب خود کو دیار عرب میں بے یار ومددگار تصور کرنے لگے لیکن اس کے باوجود ان میں جذبہ حمیت اتنا مضبوط تھا کہ ان میں سے بیشتر نے اسلام کا مقابلہ آخر دم تک کرنے کا فیصلہ کیا۔[2]

---

۱ الحجرات 13 ۲ پیغمبر اعظم وآخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

جنوری، فروری 630ء/شوال 8ھ غزوہ حنین یا قبائل ثقیف وہوازن کی بغاوت

فتح مکہ کے دیگر قبائل پر اثرات یہ مرتب ہوئے کہ اہل مکہ کے جن دیگر قبائل کے ساتھ معاہدات تھے وہ خود بخود کالعدم قرار پائے۔ ادھر کئی ہمسایہ قبائل اہل مکہ کے بلامزاحمت اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان سے متنفر ہوگئے۔ انہیں قبائل میں بنوہوازن اور بنوثقیف تھے جو اہل مکہ کی طائف میں واقع جائیدادوں اور باغات پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ دونوں قبائل عالم عرب میں اپنی مبارزت طلبی، جنگی مہارت اور تیر افگنی کے لیے مشہور تھے۔ تاہم یہ قبائل مسلمانوں کی طرف سے جوابی کارروائی کیے جانے کے خطرے کا احساس بھی رکھتے تھے۔ انتہائی سوچ وبچار کے بعد ان قبائل نے مکہ معظّمہ پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ اس شہر عظیم پر قبضہ کرکے بہت سے مفادات حاصل کرسکیں بلکہ مکہ معظّمہ کو ایک بار پھر بت پرستی کا مرکز بنادیں۔

آپ ﷺ جیسے بیدار مغز اور مدبر سپہ سالار بھلا کب دشمنوں کے ان جارحانہ عزائم سے غافل رہ سکتے تھے۔

آپ ﷺ کو جیسے ہی ان قبائل کے مکہ معظّمہ پر حملے کی تیاریوں کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ آپ ﷺ نے دشمن کو پہل نہ کرنے دینے کی اپنی سنت کے مطابق فوراً ان قبائل کے خلاف جوابی کارروائی کا منصوبہ تیار کرلیا۔ اس منصوبہ کا خاص نکتہ بھی یہی تھا کہ مرکز امن، مکہ پر ان قبائل کو حملہ کرنے کی مہلت نہ دی جائے۔ فتح مکہ کے بعد سے لشکر اسلام کا مورال بہت بلند ہوچکا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ شوال 8ھ میں ان شوریدہ سر قبائل کی باغیانہ سرگرمیوں کو فرو کرنے کے لیے نکلے اور آپ ﷺ نے طائف کی طرف پیش قدمی کی۔

معرکہ حنین:

قبائل ثقیف وہوازن نے اس جنگ میں دو قبائل بنی مضر اور بنی بلال کو اپنا حلیف بنالیا تھا لیکن وہ بنوکعب اور بنوکلاب کو اپنے ساتھ ملانے میں ناکام رہے تھے۔ تاہم پھر بھی ان کا لشکر چار ہزار عرب بہادروں پر مشتمل تھا جس میں عرب کے بہترین تیرانداز بھی شامل تھے۔ اس لشکر کا سالار مالک بن عوف نامی عرب کا مشہور زمانہ ماہر حرب تھا۔ درید بن اصمہ کو اس کا مشیر مقرر کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سن کر کفار کا یہ لشکر مکہ کی طرف بڑھا....... مالک بن عوف نے وادی حنین میں مسلمانوں سے جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ درید بن اصمہ نے اسے کھلے میدان کی بجائے زیادہ محفوظ پہاڑی مقام پر چھاؤنی ڈالنے کا مشورہ دیا جسے اس نے تکبر کے ساتھ ٹھکرادیا۔ ادھر درید بن اصمہ نے بنوکعب کی اس جنگ میں شمولیت اختیار نہ کرنے کو بھی بدشگونی قرار دیا تھا۔ مالک بن عوف نے اگرچہ اپنی بہادری کے زعم میں کھلے میدان میں جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس نے اپنے لشکر کی حفاظت کے لیے وادی کی تین اطراف میں تیراندازوں کو متعین کردیا تھا۔ یہ تیرانداز گھاٹیوں، دروں اور چٹانوں کی اوٹوں میں چھپائے گئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کا پتہ

نہ چل سکا دوسری طرف مؤرخین کے نزدیک یہ پہلا موقع تھا جب لشکر اسلام کو نصرت الٰہی کی بجائے اپنی کثرت تعداد کے باوجود وہ دشمن کی عسکری چالوں سے غافل ہوگئے تھے۔ معرکہ کی صبح اسلامی لشکر کے ہراول دستے نے جس میں زیادہ تر اہل مکہ کے نومسلم اور منافق اور غیر مسلم حلیف نوجوان شامل تھے، حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں دشمن پر حملہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے اپنی روایتی سرعت سے کام لیتے ہوئے دشمن پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ پیچھے ہٹتا چلا گیا مؤرخین کے نزدیک یہ شاید مالک بن عوف کی عسکری چال کا ایک حصہ تھا۔ ایسی ہی چال ابوسفیان نے غزوہ احد میں چلی تھی۔ اسلامی لشکر جوش وخروش میں آگے بڑھتا چلا گیا اور بالآخر تیراندازوں کے نرغہ میں آگیا۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ غزوہ احد ہی کی طرح مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوگئے جونہی وہ مال غنیمت کی طرف لپکے چھپے ہوئے تیراندازوں کے دستوں نے ان پر تیروں کی بارش کردی۔ ان حالات میں مسلمان سراسیمہ ہوکر بھاگے۔ اسی بھگدڑ کے مچ جانے کی وجہ سے لشکر اسلام کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ قریب تھا کہ لشکر اسلام کو مالک بن عوف کے ہاتھوں شکست ہو کہ آنحضرت ﷺ کی بے مثال جرأت اور استقلال نے صورت حال کو بدل ڈالا۔ شمع رسالت ﷺ نے اپنے پروانوں میں حوصلہ عزم پیدا کردیا۔ ادھر بدلتی ہوئی صورتحال کے تحت آپ ﷺ نے بھی ایک جنگی منصوبہ تیار کیا اور برق رفتاری سے لشکر اسلام کی صفیں درست کرادیں اس مرتبہ مقدمۃ الجیش میں انصار اور مہاجرین کی تجربہ کار شخصیات کو رکھا اور دشمن کے دوسرے حملہ سے پہلے ہی دشمن پر بھرپور حملہ کرادیا، نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں مسلمانوں نے دشمن کا اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ کفار مسلمانوں کے اس حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ اس حملے کی وجہ سے دشمن کے تیرانداز بھی بے بس ہوکر اپنے مورچے چھوڑ گئے۔

میدان سے بھاگنے کے بعد دشمن کا لشکر دو حصوں میں منقسم ہوگیا ایک حصہ نے درید بن اصمہ کی قیادت میں اوطاس کے مقام پر پناہ لی جبکہ دوسرا مالک بن عوف کی سرکردگی میں طائف میں محصور ہوگیا۔

آپ ﷺ نے انتہائی سرعت اور تیز رفتاری سے دشمن کے دونوں حصوں کا تعاقب کیا پہلے اوطاس پر حملے کے لیے حضرت ابوعامر اشعریؓ کی قیادت میں فوج بھیجی۔ درید کے پاس لشکر ہزاروں میں تھا مگر مسلمانوں کی ہیبت اور دبدبہ اتنا تھا کہ دشمن انتہائی بددلی سے لڑے اور نتیجتاً شکست فاش کھائی اور بڑی تعداد میں جنگی قیدی بنالیے گئے۔[1]

---

[1] ماخذ: ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پیغمبر نعیم محسن صدیقی، محسن انسانیت، نبوت کے ماہ وسال ترجمہ از مولانا محمد یوسف الدھیانوی نقوش رسول نمبر جلد 1 اردو سیرت النبی ابن ہشام جلد دوم، سیرت النبی، انسائیکلوپیڈیا قاسم محمود جلد اول مقالہ محمد ﷺ اردو دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی، فرہنگ سیرت از سید فضل الرحمٰن

جنوری 630ء/رمضان 8ھ آنحضرت ﷺ کا ایک یادگار فیصلہ

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کے قیام مکہ کے دوران فاطمہ بنت اسود المخزومیہ نے کسی عورت کا زیور چوری کرلیا۔اس پر آنحضرت ﷺ نے ''قطع ید'' کی سزا جاری فرمائی جب اس کی سفارش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی ہوتی تو یہی سزادی جاتی۔

فروری 630ء/شوال 8ھ محاصرہ طائف

طائف اس وقت کی عرب دنیا کا ایک حصار بند شہر تھا۔جس کا ایک بڑا مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا۔اس شہر کے رؤسا وسردار مکہ کے رؤسائے قریش کے ہم سر تھے۔طائف کے لوگ خوشحال' تندخو اور جنگجو تھے۔ان میں سے اکثر نے یمن جاکر فنون حرب کی تربیت پائی تھی۔ملک بن عوف غزوہ حنین میں شکست کھانے کے بعد طائف آکر اس کے قلعے میں محصور ہوگیا۔محصور ہوتے وقت اس نے قلعہ کی ضروری مرمت کروائی' ایک سال کے لیے سامان رسد جمع کیا اور قلعہ کے اہم مقامات پر منجنیقیں نصب کیں اور تیراندازوں کو متعین کرکے قلعہ کو ناقابل تسخیر بنانے کا سامان کیا۔شہر کی فصیل کی بھی مرمت کرادی گئی۔ادھر لشکر اسلام کا اصل ہدف بھی یہی شہر بن گیا۔آنحضرت ﷺ نے ایسی حکمت عملی اختیار فرمائی کہ بنو ہوازن کی مدد سے اہل طائف کو مزید رسد و کمک سے محروم کردیا طائف کی طرف پیش قدمی ایسی سمت کی گئی کہ اس سمت سے اہل طائف کو کسی حملے کی توقع نہیں تھی۔لشکر اسلام کی قیادت آپ ﷺ خود فرما رہے تھے۔آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو مقدمہ الجیش کا سالار بنا کر پہلے روانہ کیا۔ان کے پیچھے پیچھے آپ ﷺ پورے لشکر کے ساتھ طائف پہنچے۔اسلامی لشکر نے تاریخ میں پہلی مرتبہ قلعہ شکن آلات' اور منجنیق استعمال کیں۔مگر محصورین بھی فنون عسکری کے ماہر تھے۔پھر وہ قلعہ کے بلند مقامات پر متعین تھے اور لشکر اسلام زیریں مقام پر تھا۔اس لیے محصورین ہر وقت کارروائی کرکے محاصرین کو نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کردیتے تھے۔محاصرہ بیس دن جاری رہا مگر محصورین کو باہر آکر لشکر اسلام سے لڑنے کی جرأت نہ ہوئی ادھر محاصرے کو طول دینا آپ ﷺ کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں تھا۔اس لیے آپ ﷺ نے مجلس شوریٰ طلب فرمائی۔صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ محصورین ذہنی طور پر اپنی شکست تسلیم کرچکے ہیں اور ان کی معیشت تباہ ہوچکی ہے لہٰذا ان کی طرف سے کسی بڑی عسکری کارروائی کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔زیادہ بہتر یہی ہے کہ ان کی اقتصادی ناکہ بندی کرکے سرد جنگ کی حکمت عملی سے اس قلعہ کو تسخیر کیا جائے۔چونکہ مشورہ انتہائی معقول تھا آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور محاصرہ اٹھالیا اس موقع پر بعض صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کو بنو ثقیف کے لیے بددعا کرنے کی درخواست پیش کی مگر رحمۃ للعالمین کو بھلا یہ کب گوارا تھا آپ ﷺ نے تو سفر طائف میں زخم کھا کر بھی اہل طائف کو بددعا نہیں دی تھی۔اس کی

بجائے رحمت عالم ﷺ نے اہل طائف کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔یہی آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین ﷺ ہونے کی وجہ سے زیبا تھی۔

طائف کا محاصرہ اٹھانے کے بعد آپ ﷺ لشکر کے ساتھ واپس جعرانہ تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ نے مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم فرمایا۔چونکہ قریش اقتصادی طور پر بہت غیر مضبوط ہوچکے تھے اس لیے آپ ﷺ نے ان کی خصوصی طور پر تالیف قلب فرمائی۔یہ آپ ﷺ کا حسن تدبر تھا آپ ﷺ نے قریش کو کثیر حصہ عطا فرمایا۔مگر انصار مدینہ بھی چونکہ انسان تھے انہیں آپ ﷺ کی اس عطائے کثیر سے رنج پہنچا۔اس موقع پر رحمت عالم ﷺ نے انصار کی تالیف قلوب کرتے ہوئے ایک بڑا تاریخی جملہ ارشاد فرمایا۔''اے گروہ انصار!تم وہ ہو کہ جب میری قوم نے میری تکذیب کی تو تم نے تصدیق کی۔آج کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔''انصار بے ساختہ پکار اٹھے ہمیں اور کچھ نہیں صرف محمد ﷺ چاہئیں۔''[1]

آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارکہ کے بعد شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کا عجب حال تھا' داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں۔لبوں پر آہ و فغاں اور احساس ندامت سے ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔مگر آپ ﷺ کی زبان مبارکہ سے یہ نوید جانفزا سن کر کہ محمد ﷺ ان کے ہیں ان کے دل شاد ہوگئے۔اس کیفیت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل مکہ نومسلم ہیں ان کو حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیفِ قلوب کی خاطر مال دیا گیا ہے۔''آپ ﷺ کی یہ ناصحانہ بات حضرات انصار کے دلوں میں اتر گئی اور دیوانہ رسول ﷺ اس بات کے یاددلانے پر کہ رحمت عالم ﷺ ہمیشہ کے لیے ان کے ہیں' دونوں جہاں کی یہ متاع بے بہا پانے پر ان کے دلوں پر طمانیت اور مسرت چھاگئی۔اہل دل جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے قیام کی وجہ سے آج بھی مدینہ مہبط انوار وملائکہ ہے اور جنت سے بڑھ کر جنت ارضی ہے اور آپ ﷺ تاابد اس شہر میں قیام فرما رہیں گے۔

مارچ 630ء/ذیقعد 8ھ/جنگی قیدیوں کی بلاشرط رہائی

معرکہ حنین وطائف کے بعد آپ ﷺ کے پاس تقریباً چھ ہزار جنگی قیدی تھے۔رحمت عالم ﷺ نے عفو ودرگذر فرماتے ہوئے ان سب کو بلافدیہ اور بلاشرط رہا کردیا۔ان جنگی قیدیوں میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماؓ بھی تھیں۔آپ ﷺ نے ایک مدت کے بعد ان کو دیکھا تو پہچانتے ہوئے آپ ﷺ کی آنکھیں جوش محبت سے اشکبار ہوگئیں۔آپ ﷺ نے ان کے احترام میں خود اپنی روائے مبارک بچھائی اور انہیں چند اونٹ اور بکریاں مرحمت فرمائیں

1۔ طبقات ابن سعد' جلد دوم

اور نہایت احترام کے ساتھ ان کے اہل خانہ کے پاس بھیج دیا اس موقع پر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے قبیلہ کے لوگوں کے ایک وفد کی آمد کے بعد آپ ﷺ نے اور تمام مسلمانوں نے ان کے قبیلے کے تمام جنگی قیدی خصوصاً رہا کیے تھے۔(1)

اپریل 630ء/ذی الحجہ 8ھ حضرت ابراہیمؑ بن رسول اللہ ﷺ کی پیدائش

سال 8ھ اہم واقعات میں سے ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک فرزند عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے صاحبزادے کا نام ابراہیم ؓ رکھا۔ ساتوین دن ان کا عقیقہ فرمایا جس میں دو مینڈھے ذبح کیے اور صاحبزادے کے سر کے بال اتارنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ابو ہند البیاضی نے جو بنو بیاض کے موالی تھے ان کے بال اتارے آپ ﷺ نے بالوں کے ہم وزن چاندی مساکین میں صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرادیا' حضرت ابراہیم ؓ کی ولادت کے دوران دایہ کے فرائض حضرت سلمیٰ ؓ نے انجام دیے وہ آپ (بحوالہ صحیح بخاری شریف) کی آزاد کردہ باندی تھیں۔ ولادت کے بعد جب حضرت سلمیٰ ؓ نے اپنے شوہر کو صاحبزادے کی ولادت کا بتایا تو حضرت ابورافع ؓ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں جا کر صاحبزادے کی مبارک باد دی تھی تو آپ ﷺ نے انہیں ایک غلام مرحمت فرمایا تھا۔

اپریل 630ء/ذی الحجہ 8ھ امیر مکہ کا تقرر

فتح مکہ کے بعد اس سال حضرت عتاب بن اسید ؓ کے قبول اسلام کے بعد آپ ﷺ نے انہیں نماز اور حج کے لیے امیر مکہ مقرر فرمایا۔ چنانچہ اس سال حج ان کی قیادت میں کیا گیا۔

اپریل 630ء/8ھ فاطمہ بنت ضحاک سے نکاح اور علیحدگی

اسی سال ذی القعدہ میں آنحضرت ﷺ نے بنو کلب کی ایک خاتون فاطمہ بنت ضحاک سے نکاح فرمایا۔ جب یہ رخصت ہو کر کاشانہ نبوت بحوالہ صحیح بخاری شریف پہنچیں اور آپ ﷺ اس کے قریب گئے تو وہ بولیں۔'' میں آپ ﷺ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر فرمایا کہ تو نے بڑی ذات کی پناہ مانگی۔ اب تو اپنے میکے چلی جا۔'' یعنی آپ ﷺ نے اس کو طلاق دے دی۔

1 بحوالہ صحیح بخاری شریف

630ء/8ھ ام المومنین حضرت سودہ ؓ بنت زمعہ نے اپنی باری حضرت عائشہ ؓ کو دی

8ھ میں حضرت سودہ ؓ بنت زمعہ نے اپنی باری حضرت عائشہ ؓ کو ہبہ کردی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی کبرسنی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت سودہ ؓ نے اس پر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے اٹھوں۔ میں اپنی باری حضرت عائشہ ؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور انہیں طلاق نہیں دی۔

630/8ھ میں فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے

8ھ میں فتح مکہ کے ایام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد جناب ابوقحافہؓ اسلام لائے۔ ان کی کنیت ابوقحافہ تھی اور اصل نام عثمان بن عامر تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر ؓ اپنے والد کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بارگاہ نبوی ﷺ میں لے آئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے بعد جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت حارث ؓ بن ہشام بن مغیرہ المخزومی' یہ ابوجہل کے سگے بھائی تھے' وحشی ؓ بن حرب' حضرت حمزہ ؓ کے قاتل' حکیم بن حزام ؓ' حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کے بھتیجے فتح مکہ سے ایک دن پہلے اسلام لائے۔ ان کے چار صاحبزادے ہشام ؓ' خالد ؓ' عبداللہ ؓ' یحییٰ ؓ بن حکیم بھی ان کے بعد اسلام لائے۔ سہیل ؓ بن عمرو' یہ وہی تھے جنہوں نے صلحنامہ حدیبیہ میں ''محمد رسول اللہ ﷺ'' لکھنے پر احتجاج کیا تھا۔ مروان ؓ بن حکم' خلفائے خاندان بنوامیہ کے جد اعلیٰ۔ بدیل ؓ بن ورقہ بن عبدالعزی مخزومی' حضرت معاویہ ؓ بن ابوسفیان اور ان کے باپ شریک بھائی یزید ؓ بن ابوسفیان اپنے والد کے چند دن بعد اسلام لائے۔ خواتین میں حضرت ام ہانی ؓ بنت ابوطالب ان کا نام فاختہ تھا' ہند ؓ بنت عتبہ' حضرت ابوسفیان ؓ کی بیوی اور حضرت معاویہ ؓ کی والدہ۔ فتح مکہ کے بعد ہی ابولہب کے دو بیٹے عتبہ وغیرہ بھی اسلام لائے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

31-630ء/سال 9ھ کے اہم وقائع اور غزوات

مئی 630ء/محرم الحرام 9ھ مختلف قبائل سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عاملین کا تقرر

سنہ 9ھ کے آغاز میں آنحضرت ﷺ نے یکم محرم الحرام کو مختلف قبائل سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عاملین کا تقرر فرمایا۔

(1) بنوتمیم کے علاقے سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عینیہ رضی اللہ عنہ بن حصن کو عامل مقرر فرمایا۔

(2) بنوغفار اور بنواسلم کے علاقے سے زکوٰۃ کی وصولی کا کام بریدہ رضی اللہ عنہ بن حصیب اسلمی یا کعبؓ بن مالک کے سپرد کیا گیا۔

(3) بنوسلیم اور بنومزینہ سے زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ پہنچانے کے لیے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔

(4) بنوجہنیہ کے علاقے سے زکوٰۃ اکٹھی کرنے کے لیے رافع رضی اللہ عنہ بن مکیث کو مقرر فرمایا۔

(5) بنوفزارہ سے زکوٰۃ کی وصولی کا عامل حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو مقرر فرمایا۔

(6) بنوکلاب سے زکوٰۃ کی وصولی ان کے ایک ہم قبیلہ ضحاک رضی اللہ عنہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے ذمے آئی۔

(7) بنوکعب کے علاقے سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بسر بن سفیان الکعبی رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا یاد رہے کہ بنوکعب بنوخزاعہ کی ایک شاخ تھی۔

(8) بنوذبیان سے زکوٰۃ کی وصولی کا کام حضرت عبداللہ بن لتبیہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ بنوذبیان قبیلہ ازد کی شاخ تھی۔

عام الوفود:

630ء سنہ 9ھ عام الوفود' یہ وہ سال ہے جب عرب کے تقریباً تمام قبائل نے اپنے وفود مدینہ بھیجے

بنوتمیم کے وفد کی آمد:۔ قبیلہ بنوتمیم کا وفد بڑے کروفر سے مدینہ آیا۔ اس قبیلے کے بڑے بڑے رؤسا' اقرع بن حابس' زبرقان' عمرو بن الاہتم' نعیم بن یزید' اور عینیہ بن حصن فراری اس وفد میں شریک تھے۔ اس وفد کی آمد سے مدینہ منورہ میں خاصی رونق رہی' اس وفد کے ارکان نے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو کر بڑے اکھڑ طریق پر حجرہ نبوی ﷺ کے قریب آکر آپ (بحوالہ صحیح بخاری شریف) کو آواز دی" محمد ﷺ اے محمد ﷺ باہر آؤ" ان کا آواز دینے کا یہ طریق خداتعالیٰ کو ناگوار گذرا چنانچہ سورۃ حجرات کی آیت نمبر 4 نازل ہوئی۔ ترجمہ۔" بے شک جو لوگ آپ ﷺ کے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے۔"[1] اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے کے لیے شائستگی کا درس دیا۔ اگر چہ یہ لوگ پہلے ہی مطیع اسلام ہو کر اپنے گھروں سے آئے تھے مگر ابھی ان میں عرب مفاخرت کا رنگ باقی تھا۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ فریقین کے خطباء اور شعرا لوگوں کے سامنے فصاحت اور معنی آفرینی کے جوہر دکھائیں۔ درحقیقت عرب کے بعض ہائی لیول قبائل کسی کی سیادت میں تبھی آسکتے تھے جب وہ اس کی ذہنی برتری کے قائل ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے ان کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اس مخاطبت اور مفاخرت کی دعوت کو قبول فرمایا۔

عطارد بن حاجب بنوتمیم کا نامور خطیب ومقرر تھا۔ اس نے اپنے قبیلہ کی قیادت وسیادت اور دولت وجاہ کو اپنے خطاب میں بڑے رنگین انداز میں پیش کیا۔ اور کہا کہ جو ہماری ہمسری کا دعویٰ کرے وہ ایسے خصائص واوصاف سامنے لائے کہ ہم قائل ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ کے اشارے پر ایک خطیب اسلام' حضرت ثابتؓ بن قیس جوابی خطاب کے لیے اٹھے اور انہوں نے ایک پرزور خطبہ دیا جس میں ہلکے سے رنگ مفاخرت کے ساتھ دعوۃ اسلام کو واضح کیا اور اسی کو اسلامی معاشرہ کا سرمایہ افتخار قرار دیا۔ ان کے بعد قبیلہ تمیم کے شاعر زبرقان بن بدر نے اپنے قبیلے کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ جس میں ایک بار پھر دہرایا کہ ہم اشراف عرب ہیں کوئی اور قبیلہ ہماری ہمسری نہیں کر سکتا' ہم تاجدار ہیں اور معبد تعمیر کرتے ہیں......

شاعر نبوی ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت اس وقت بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر نہیں تھے اس لیے بلوائے گئے پھر آنحضرت ﷺ نے انہیں فرمایا" اٹھو حسان! اس شخص کی شاعری کا جواب پیش کرو۔" ابن ہشام نے اپنی سیرت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا پیش کردہ یہ جوابی قصیدہ نقل کیا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس قصیدے میں کچھ اس طرح مدحت رسول ﷺ کی کہ بنوتمیم کا وفد پکار اٹھا کہ ہمارے خطیب اور شاعر سے رسول اللہ کے خطیب وشاعر برتر ہیں۔ اس اعتراف کے بعد قبیلہ بنوتمیم کے اس وفد نے اسلام قبول کرلیا۔

---

[1] القرآن

وفد بنی عبدالقیس کی آمد

خلیجی علاقے بحرین میں دعوت اسلام کا آغاز منقذ بن حبان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا جب اسلام کا حلقہ اثر بڑھا تو تیرہ ارکان پر مشتمل ایک وفد بہ اختلاف مؤرخین 5ھ یا 9ھ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے دریافت فرمانے پر انہوں نے جواب دیا ہم خاندان ربیعہ کے افراد ہیں تو حضور ﷺ نے ''مرحبا! لاخذایا ولا ندامی'' ارشاد فرما کر ان کی توقیر کی۔ اس وفد نے درخواست پیش کی کہ چونکہ ہمارا علاقہ بہت دور واقع ہے اور راستے میں دشمن قبائل حائل اس لیے ہم حرمت کے چار مہینوں کے علاوہ سفر نہیں کر سکتے لہٰذا ہمیں چند معین باتیں بتا دیجیے۔ جن پر ہم کاربند رہیں اور اپنے لوگوں کو بھی بتائیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں توحید، نماز، روزہ اور ادائے خمس کی تلقین فرمائی اور شراب سازی سے اجتناب کے لیے چار قسم کے مروج برتنوں، دباء، حنتم، نقیر اور مزفت کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ اس وفد کے اراکین بحرین کی جاہلی ثقافت کے متعلق آنحضور ﷺ کی معلومات سن کر حیران ہوئے۔ مگر شاید انہیں علم نہیں تھا کہ نظام حیات دنیاوی واخروی کو زیر وزبر کرنے والی تحریک کے سربراہ کا مقام کیا ہے؟ اس وفد میں ایک مسیحی، جارود بن العلا بھی شامل تھا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک مذہب پر عمل پیرا ہے اور اگر وہ اس مذہب کو چھوڑ کر آنحضرت ﷺ کے دین پر آ جائے تو کیا آپ ﷺ ضامن ہو جائیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں میں ضامن ہوں۔'' کیونکہ جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں وہ تمہارے مذہب سے افضل ہے۔'' اس پر وہ ایمان لے آیا۔

وفد بنو سعد:

یہ وفد نمائندہ واحد پر مشتمل تھا جس کا نام ضمام بن ثعلبہ تھا۔ یہ نمائندہ شتر سوار تھا اور بدوی انداز میں مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ تم میں سے عبدالمطلب کا فرزند کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کی سمت میں اشارہ کیا اور کہا کہ وہ کہ وہ اجلی رنگت والے چہرے کے حامل رسول خدا ﷺ ہیں۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ ''اے عبدالمطلب کے بیٹے! کچھ باتیں اگر سختی سے پوچھوں تو آپ ﷺ برا نہ مانیے گا۔ آپ ﷺ نے اس کو اجازت مرحمت فرمائی۔ اس نے قسم دلا دلا کر دین کی چند نکات توحید، رسالت، نماز، زکوٰۃ، حج کے بارے میں سوال کیے۔ حضور ﷺ کی اس کی ان نکات کے بارے میں تصدیق کرتے چلے گئے۔ سارے جوابات کے تسلی بخش جوابات پا کر اس نے کہا کہ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھے میری قوم نے نمائندہ بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے میں اس میں ذرہ بھر کمی و اضافہ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ واپس چلا گیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔ اس نے جا کر اپنے قبیلے میں پر جوش تقاریر کیں جس کے بعد اس کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

وفد اشعریین (یمن):

اشعریین یمن کا ایک معزز قبیلہ تھا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسی قبیلے کے ایک فرد تھے۔ اس قبیلے کو اسلام کی دعوت مکی دور میں ایک سردار طفیل دوسی رضی اللہ عنہ کے ذریعے پہنچ چکی تھی۔ اس قبیلے کے تین افراد نے ہجرت کا عزم کر کے مدینہ میں آنحضرت ﷺ سے فیضان کا اکتساب کرنے کا فیصلہ کیا۔ بحری سفر کے ذریعے عازم عرب ہوئے مگر باد مخالف کے چلنے سے ان کا جہاز حبش کے ساحل سے جا لگا۔ وہاں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین حبشہ کی صحبت پائی۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں غزوہ خیبر کے زمانے (7ھ) میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کی زیارت سے اتنی مسرت ہوئی کہ نغمہ مسرت ان کی زبانوں پر آ گیا۔ ع کل ہم اپنے رفیقوں سے جا ملیں گے یعنی محمد ﷺ سے اور ان کی جماعت سے۔ شمع رسالت ﷺ نے بھی اپنے ان پروانوں کی خوب قدر افزائی فرمائی اور فرمایا ''ایمان ہے تو یمن کا! حکمت ہے تو یمن کی!''

وفد ثقیف (طائف):

آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کی مہم سے واپس مدینہ تشریف لائے تو عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود ثقفی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بنو ثقیف میں اسلام پھیلانے کا عزم ظاہر کیا۔ آپ ﷺ نے بنو ثقیف کے فخر وغرور کے پیش نظر ان کو احتیاط کا مشورہ دیا اور اندیشہ ظاہر فرمایا کہ کہیں وہ لوگ تمہیں اس کے لیے قتل نہ کر دیں۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اثر ورسوخ پر بڑا اعتماد تھا لہٰذا اصرار کر کے اجازت حاصل کر لی۔ واپس طائف پہنچ کر اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر اسلام کی تبلیغ شروع کی اس کے جواب میں بنو ثقیف کے شقی القلب لوگوں نے ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ ایک تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔ بنو ثقیف اپنے اس ظالمانہ فعل پر بعد ازاں نادم ہوئے اور ان کے ضمیر جاگ اٹھے انہوں نے اپنے ایک اجتماع میں اپنا ایک وفد بارگاہ نبوت ﷺ میں بھیجنے کا فیصلہ کیا اور عبد یالیل، سردار طائف اپنے حلیف قبائل کے نمائندوں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، حضرت اوس رضی اللہ عنہ بن عوف اور دیگر افراد کو ساتھ لے کر مدینہ میں حاضر ہوا۔ یاد رہے مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ وہی سردار طائف تھا جس نے آنحضرت ﷺ کے سفر طائف کے دوران آنحضرت ﷺ کی بات سننے سے انکار کر دیا تھا اور طائف کے اوباشوں کو آوازے کسنے کے لیے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا تھا۔

غزوۂ تبوک سے آنحضرت ﷺ کی واپسی پر یہ وفد مدینہ پہنچا تھا۔اس وفد کے لیے مسجد نبوی ﷺ سے متصل خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔خالد رضی اللہ عنہ بن سعید نے ان سے پہلے پہل گفتگو کی تو اس وفد کے شرکاء نے عجیب وغریب شرطیں رکھیں۔جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ آئندہ تین سال تک ان کا بت ''لات'' منہدم نہ کیا جائے پھر وہ اس مدت کو گھٹاتے ہوئے ایک مہینہ تک لے آئے۔انہوں نے یہ جاہلانہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر ان کے بتوں کو پتہ چل گیا کہ ان کو توڑا جانے والا ہے تو کہیں وہ انتقاماً تمام باشندوں کا خاتمہ نہ کر دیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی یہ جاہلانہ منطق سن رہے تھے' آپ رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے اور برملا فرمایا'' عبد یالیل کیسی جہالت کی باتیں کر رہے ہو؟ عبد یالیل یہ سن کر بھنایا اور اس نے کہا اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ ہم تم سے بات کرنے کے لیے نہیں آئے' ہمارا معاملہ رسول اللہ ﷺ سے ہے تاہم آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی یہ شرط قبول نہیں فرمائی تو انہوں نے کہا کہ کم از کم اس انہدام کی کارروائی سے تو ہمیں الگ رکھا جائے۔چنانچہ اس پر آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا۔

اب انہوں نے کہا کہ ہمیں نماز سے بھی مستثنیٰ رکھا جائے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔اس وفد کے ایک فرد نے تو یہاں تک جسارت کی یارسول اللہ! ہمیں زنا کی اجازت دیجیے۔اس کے بغیر تو ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔پھر کہنے لگے کہ صرف ہمارے لیے لین دین پر سود کی گنجائش رکھیں اسی طرح شراب کی چھوٹ بھی مانگی۔ان کے ان جاہلانہ مطالبات یا شرائط کے جواب میں حضور ﷺ نے قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں اور انہیں بتایا کہ یہ سب ضابطہ خداوندی کے خلاف ہیں جب ان کی تمام جاہلانہ شرائط مسترد کر دی گئیں تو پھر اہل وفد اپنی باہمی مشاورت سے اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر ہم اسلام قبول نہیں کرتے تو لازماً ہمارا حشر بھی اہل مکہ جیسا ہوگا اس لیے مجبوراً انہوں نے سر اطاعت خم کیا اور معاہدہ لکھا گیا جس میں حضور ﷺ نے ان کو دو باتوں میں رعایت دی۔یعنی کچھ مدت کے لیے ان سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی اور انہیں جہاد میں شریک نہیں کیا جائے گا۔لیکن جلد ہی آنحضرت ﷺ کی توقعات کے عین مطابق اسلام ان کے دلوں میں گھر کر گیا اور وہ تمام اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے لگے۔

وفد بنی حنیفہ:

یہ لوگ یمامہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان تک دعوت اسلام ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پہنچی تھی۔پھر یہ لوگ مدینہ آ کر فیضان نبوی ﷺ سے مستفید ہوئے اور اسلام لے آئے۔اسی وفد میں مسیلمہ بن کذاب بھی آیا تھا۔اس نے کہا کہ اگر آپ ﷺ مجھے اپنا جانشین بنائیں تو میں آپ ﷺ سے بیعت کروں گا۔آنحضرت ﷺ نے اس کا ذہن پڑھ لیا۔آپ ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک چھڑی تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا میں تو اس چھڑی کے عوض بھی تم سے

بیعت لینے کا خواہاں نہیں ہوں۔یہ وفد واپس چلا گیا۔واپس یمامہ پہنچ کر مسیلمہ کذاب نے علم جھوٹی نبوت بلند کر دیا اور اپنی شریعت میں نماز کی معافی اور زنا اور شراب کو مباح قرار دے دیا۔کہیں جا کر عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں اس کے فتنے پر قابو پایا جاسکا۔

وفد بنی طے : یمن سے قبیلہ طے کے لوگ اپنے سردار زید الخیل کی سرکردگی میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دل وجان سے اسلام قبول کیا۔زید الخیل کا نام آنحضرت ﷺ نے زید الخیر رضی اللہ عنہ رکھ دیا۔وہ شاعر اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر بھی تھا۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ عرب کے جس شخص کی تعریف میرے سامنے کی گئی اسے میں نے اس سے کم ہی پایا مگر یہ شخص اس بات سے مستثنیٰ ہے اس کے متعلق جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔

عدی بن حاتم بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔اسلام کے خلاف عسکری تیاریوں میں مصروف تھے۔جب اسلامی افواج یمن پہنچیں تو عدی فرار ہو کر شام چلے گئے۔ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ پہنچیں اور رسول اللہ ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہوئیں۔انہوں نے بااصرار عدی کو مدینہ بلوایا اور تاکید کی کہ جلد از جلد خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوں بعض مؤرخین کے مطابق یہ قبیلہ طے کے وفد کے ساتھ ہی مدینہ پہنچے تھے۔وہ مسلسل اس بات پر غور کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ ایک بادشاہ ہیں یا ایک نبی ہیں؟ جب مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ انہیں اپنے ساتھ گھر کی طرف لے چلے۔راستہ میں ایک ضعیف العمر خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے بات کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے خصوصی طور پر اسے وقت دیا اور پوری توجہ سے اس کی بات کو سنا پھر گھر پہنچے تو خود زمین پر تشریف رکھی اور عدی کو بااصرار گدے پر بٹھایا اور ان دو باتوں سے عدی کو یقین ہوگیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور محض دنیوی بادشاہ نہیں۔

گفتگو کے دوران آپ ﷺ نے جان لیا کہ ابھی عدی کے ذہن میں کچھ الجھنیں باقی ہیں۔آپ ﷺ نے بطریق احسن اس کی ذہنی اُلجھنوں کو دُور کر دیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے روکنے والی شے شاید اس کے ماننے والوں کی تنگ حالی ہے؟ خدا کی قسم عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ ان لوگوں کے اندر دولت کے فوارے چھوٹیں گے اور تم سن لو گے کہ ایک عورت تنہا اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے اس مسجد کی زیارت کے لیے چلے گی اور بخیریت پہنچے گی۔خدا کی قسم! ایسا عنقریب ہوگا کہ سرزمین بابل کے قصر ابیض مسلمانوں نے فتح کر لیے ہوں گے۔اس طرح جب عدی کا ذہن صاف ہوگیا تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔

وفد نجران:

آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کو دعوت اسلام کے خطوط بھجوائے تھے ان میں نجران کے عیسائی بھی شامل

تھے۔آپ ﷺ نے ان کے نام اپنے خط میں لکھا تھا کہ ''ابراہیم علیہ السلام ' اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے الٰہ (معبود) کے نام سے آغاز کرتا ہوں' پھر اس کے بعد تمہیں بندوں کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں۔اگر تم اس سے انکار کرو تو تم پر جزیہ (یعنی سیاسی اطاعت) لازم ہے اور اگر اس سے بھی انکار کرو تو اعلان جنگ ہے۔جب نجران کے اسقف (BISHIP) نے اس خط کو پڑھا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا اس نے پہلے اکابرین نجران سے مشاورت کی پھر ایک اجتماع طلب کیا جس میں مشورہ عام کے بعد یہ قرارداد منظور ہوئی کہ اکابرین نجران کا ایک وفد مدینہ جائے اور صاحب دعوت سے بات چیت کرے اور جائزہ لے۔چنانچہ شرجیل' عبداللہ اور جبار نامی سرداران کو خصوصی طور پر نامزد کیا گیا۔یہ پہلا وفد نجران تھا جو جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے امان نامہ حاصل کر کے واپس ہوا۔

یہ وفد فرمان لے کر واپس ہوا تو اسقف اور دیگر سردار اس کے استقبال کے لیے نجران سے باہر آئے۔فرمان نبوی ﷺ راستے ہی میں اسقف کو پیش کر دیا گیا اور اس نے راستے ہی میں اسے پڑھا۔اسقف کا ایک عم زاد بشر بن معاویہ اس درجہ اس فرمان سے متاثر ہوا کہ اونٹنی سے گر پڑا اور اس کی زبان سے نکلا کہ برا ہو اس شخص کا جس کی وجہ سے ہم اس مصیبت میں پڑ گئے۔'' جب اسقف نے اس کے یہ نازیبا الفاظ سنے تو اسے تنبیہ کی اور کہا کہ یہ کیا کہہ رہے ہو' اللہ وہ تو نبی مرسل ہیں۔'' یہ سن کر بشر کے دل میں انقلاب آ گیا اور اس نے عزم کیا کہ وہ اپنی اونٹنی کا پلان اسی وقت اتارے گا جب بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو جائے گا۔اگرچہ اسقف نے اسے سمجھایا کہ میں نے تو یہ بات قرین مصلحت سمجھ کر کہی تھی مگر بشر کے عزم میں کوئی فرق نہیں آیا اور وہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوا اور مدینہ ہی میں مقیم ہو گیا۔

ادھر نجران کا وفد جب واپس پہنچا تو ایک تارک دنیا راہب نے اس وفد کو پیش آنے والے حالات و واقعات سنے اور اسے معلوم ہوا کہ سرزمین عرب میں ایک نبی ایسا مبعوث ہوا ہے جو خدائے واحد پر ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے۔یہ راہب بھی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر مدینہ پہنچا اور اس نے ایک عصا' ایک چادر اور ایک پیالہ بطور تحفہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔کچھ عرصہ مدینہ میں قیام کر کے تعلیمات اسلام سے بہرہ مند ہوا اور حضور سے اجازت لے کر اور واپس آنے کا وعدہ کر کے نجران لوٹ گیا مگر حیات نبوی ﷺ میں واپس نہ آ سکا۔

کچھ دنوں بعد نجران کا اسقف ابوالحارث جو قیصر رومہ کی نظر میں قابل احترام تھا اور عیسائیوں میں اس سے سرزد ہونے والی کرامات کے چرچے تھے خود ایک وفد لے کر مدینہ پہنچا جس میں عیسائیوں کا ایک مفتی اور دیگر 24 اکابر شامل تھے۔یہ بات بھی مؤرخین نے لکھی ہے کہ یہ اسقف خود قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا اور مسیحیت قبول کر کے علم میں عبادات میں اس نے اتنی ترقی کی تھی کہ وہ عیسائیوں کا پیشوا بن گیا تھا۔

مدینہ میں قیام کے دوران اس نے مسجد نبوی ﷺ میں اپنے مذہب کے مطابق ادائے نماز کی جس پر بعض صحابہ نے اسے روکا مگر خود آنحضرت ﷺ نے اسے اجازت مرحمت فرمائی۔

اس وفد کی آمد پر عقیدہ تثلیث اور مسیح علیہ السلام کی حیثیت زیر بحث آئی۔قرآن کریم نے ان مسائل پر روشنی ڈال کر اس وفد کی بصیرت میں اضافہ کیا۔اس پر یہود نے شوشہ چھوڑا کہ حضور ﷺ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ لے کر اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں مگر اس کے جواب میں بھی اللہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ نے کہہ دیا کہ کوئی شخص جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز کیا ہو وہ لوگوں کو یہ کہنے کا مجاز ہے؟ ہرگز نہیں کہ میری پرستش کرو اور میرے بندے بن جاؤ۔پھر یہود اور اہل وفد کے درمیان یہ بحث چلی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس مذہب پر تھے؟ ایک فریق کا کہنا تھا کہ وہ یہودی تھے اور دوسرے فریق کا دعویٰ تھا کہ وہ عیسائی تھے۔قرآن کریم نے بڑی سادگی سے اس کی تردید کر دی اور واضح کیا کہ تورات اور انجیل دونوں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی تھیں بہرحال جب یہود کی شرانگیزیوں نے اہل وفد کی ہٹ دھرمی کو بڑھا دیا تو قرآن کریم نے ایک انتہائی فیصلہ کن صورت ان کے سامنے رکھی جو ''مباہلہ'' تھی۔حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ ان لوگوں سے یہ کہہ دو کہ ''آؤ ہم اپنی اولادوں اور اپنی مستورات کو بلالیں اور خود بھی میدان میں آ جائیں پھر خدا سے اپنے بارے میں فیصلہ چاہیں اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کی دعا کریں۔''(۱) جب اللہ تعالیٰ نے یہ صورت فیصلہ تجویز فرمائی تو اگلی صبح سرور کائنات ﷺ اپنی دختر سیدہ فاطمہ اور معصوم نواسوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر نکلے۔کیا عجیب منظر تھا کہ داعی حق ﷺ اپنی کل کائنات بساط مباہلہ پر لے آئے' ان نورانی چہروں کو دیکھ کر عیسائیوں کے دل پسیج گئے کہ اگر واقعی یہ نبی اللہ ہیں تو پھر ان سے مباہلہ کے بعد روئے زمین سے ہمارا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔انہوں نے سیاسی اطاعت اختیار کرنے کی پیشکش کی اور یہ اختیار بھی حضور ﷺ پر چھوڑا کہ جزیہ کی جو مقدار مناسب سمجھیں ان پر عائد کریں حضور ﷺ نے شان حلیمی سے عیسائیوں کی اتنی بڑی آبادی پر صرف دو ہزار اوقیہ مالیت کے بطور سالانہ جزیہ مقرر فرمایے مؤرخین کا قیاس ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا پہلا وفد عام الوفود 9ھ میں اور دوسرا وفد جس نے مباہلہ کی دعوت قبول کی تھی 10ھ میں مدینہ منورہ آیا تھا۔

وفد بنو اسد:

بنو اسد ایک جنگجو عرب قبیلہ تھا اور قریش کا دست راست تھا۔9ھ میں اس قبیلہ کا ایک وفد مدینہ پہنچا اور اس نے اپنا اسلام پیش کیا جس میں عربوں کا انداز مفاخرانہ موجود تھا۔اس وفد نے احسان دھرنے کے انداز میں حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ نے تو کوئی مہم ہماری طرف بھیجی ہی نہیں ہم تو از خود اسلام لائے ہیں۔ان کی اس ذہنیت کو بدلنے کے لیے وحی الٰہی نے حضور کی زبان سے کہلوایا کہ ''لا تمنوا علی اسلامکم ''یعنی اپنے اسلام لانے کا

۱ القرآن 61:3

احسان میری ذات پر نہ دھرو۔ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان نصیب کیا۔ پھر اس وفد نے پرندوں سے فال لینے' کہانت، امور مستقبل پر پیشین گوئیاں کرنا) اور ضرب الحصی (یعنی قیمت مقرر کرنے کے بعد گاہک جنس یا زمین کو دور ہی سے کنکری مارتا اور جس مال کو یہ کنکری لگ جاتی وہ اس کا ہو جاتا) کے بارے میں حکم دریافت کیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں امور کی مخالفت فرمائی۔ اسی وفد نے آخر میں خط یا تحریر کے بارے سوال کیا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس فن کا آغاز کسی نہ کسی نبی ہی نے کیا ہو گا اور اس سے اچھا علم اور کیا ہو گا؟

وفد بنو فزارہ:

بنو فزارہ ایک سرکش اور طاقتور قبیلہ تھا۔ عینیہ بن حصن اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ 9ھ میں جو آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو اس قبیلے کے وفد نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقے کے عام حالات دریافت فرمائے تو انہوں نے قحط سالی کا شکوہ کیا اور دردمند لہجے میں عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ ہماری بستیاں تباہ ہو گئیں' مویشی ہلاک ہو گئے' باغ اجڑ گئے اور بال بچے سوکھ کر کانٹا ہو گئے اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے سفارش کیجیے اور خدا آپ ﷺ سے ہماری سفارش کرے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ٹوکا کہ خدا سے تو میں تمہاری سفارش کرتا ہوں مگر وہ کون ہو سکتا ہے کہ جس کے آگے خدائے ذوالجلال سفارش کرے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کی عظمت جلال سارے آسمان و زمین کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے لیے باران رحمت کی دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور بنو فزارہ کا علاقہ سرسبز ہو گیا اور قحط سالی دور ہو گئی۔

وفد بنو عامر:

یہ قبیلہ عرب کے ایک مشہور قبیلے قیس عیلان کی ایک شاخ تھا۔ اس وفد میں ان کے تین بڑے سردار' عامر بن طفیل' اربد بن قیس اور جبار بن اسلمی بھی شامل تھے۔ اول الذکر دونوں سردار بڑے جاہ طلب تھے اور عامر بن طفیل پہلے ہی اپنی شر پسندی دکھا چکا تھا۔ وفد میں بھی یہ دونوں ایک خوفناک سازش تیار کر کے آئے تھے۔ جب یہ وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے حضور کو "سیدنا" کہہ کر مخاطب کیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے اس تکلم کی تردید فرماتے ہوئے کہا "السید اللہ" (آقا تو خدا ہی ہے) انہوں نے پھر کچھ تعریفی کلمات کہے تو آپ ﷺ نے انہیں متنبہ کیا کہ بات کرتے وقت اس بات کا خیال رکھو کہ شیطان کہیں بہکا نہ دے۔" یعنی حضور ﷺ ستائش پسند نہیں فرماتے تھے۔ عامر بن طفیل نے اپنی ذہنیت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے کام کو ملک گیری اور سلطنت سازی کا کام سمجھتے ہوئے

با قاعدہ سودا کرنے کے لیے شرائط رکھیں۔

(1) اہل بادیہ پر آپ ﷺ حکومت کریں جبکہ شہر میرے زیر اقتدار رہوں۔

(2) یا اپنے بعد مجھے اپنا جانشین نامزد کیجیے۔

(3) ورنہ میں غطفان کو لے کر چڑھائی کروں گا۔ عامر نے اپنے ساتھی اربد کو اس پر تیار کر رکھا تھا کہ جیسے ہی میں آنحضرت ﷺ کو باتوں میں الجھاؤں تم (نعوذ باللہ) ان کا کام تمام کر دینا۔ مگر دبدبہ نبوت ﷺ کی وجہ سے اربد بالکل ساکت و صامت ہو گیا اور دونوں ناکام واپس ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کی ذہنیت کو جان لیا سو آپ ﷺ نے دعا فرمائی "اے خدا! ان کے شر سے بچائیے' زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ عامر بن طفیل طاعون میں مبتلا ہو کر مرا اور اربد پر آسمانی بجلی گر گئی۔

وفد عذرہ:

صفر 9ھ میں قبیلہ عذرہ کا ایک بارہ رکنی وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں حمزہ ؓ بن نعمان بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ ہم لوگ عذرہ کی اولاد ہیں جو ماں کے واسطے سے حضرت قصی کے بھائی تھے۔ حضور ﷺ نے بڑی مسرت کے ساتھ اھلا وسہلا مرحبا کہہ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ ان سب نے بھی بڑی کشادہ قلبی سے اسلام قبول کیا۔ اس وفد کو حضور ﷺ نے خوشخبری سنائی کہ شام ختم ہو جائے گا اور ہرقل ملک چھوڑ جائے گا ان لوگوں کو حضور ﷺ نے کاہنوں سے اخبار غائب دریافت کرنے سے منع فرمایا۔ بجز قربانی سنت ابراہیمی کے تمام دوسری رسمی اور اوہامی قربانیوں سے بھی منع کیا گیا۔ اس وفد کو معمول کے مطابق زاد راہ دے کر مدینہ سے رخصت کیا گیا۔

وفد کندہ:

کندہ یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ حضرت اشعث ؓ بن قیس اسی یا ساٹھ رکنی وفد کے ساتھ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ یہ بزم نبوت میں حاضری کے وقت ایک اعلیٰ درجہ کا ریشمی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ ان سے بات چیت کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔ انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو حضور ﷺ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ پھر یہ ریشم کیوں زیب تن ہے؟ حضرت اشعث ؓ میں ایمان جاگ اٹھا انہوں نے فوراً اپنے ریشمی لباس کو پارہ پارہ کر کے عام لباس پہن لیا۔

وفد ازد:

بنی ازد بھی یمن کے رہائشی تھے۔ ان کا ایک وفد مرد بن عبداللہ ازدی ؓ کی قیادت میں مدینہ آیا۔ انہوں نے

بھی اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت مرد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ ازد کا امیر مقرر فرمایا۔

وفد غسان: بنو غسان اگرچہ نسلاً ایک عرب قبیلہ تھا مگر اس نے عیسائیت قبول کر لی تھی اور وہ قیصر روم کی طرف سے عرب علاقہ پر حکمران تھے۔ 10 ھ میں اس قبیلہ کے تین افراد مدینہ آ کر حضور ﷺ کے دست حق پرست پر ایمان لائے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے خاندان کے لوگ تو مشکل ہی سے جاہ وحشم کو چھوڑ کر اسلام قبول کریں گے۔ انہوں نے جب واپس جا کر اپنے قبیلہ والوں کو دعوت حق دی تو وہ بے نتیجہ رہی۔ جس کی وجہ سے مجبوراً ان تینوں نے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا۔ ان میں سے ایک جنگ یرموک کے موقع پر حضرت ابوعبیدؓ سے ملے تھے جبکہ دو کا اس وقت انتقال ہو چکا تھا۔

وفد محارب: یہ لوگ اسلام سے پہلے انتہائی تندخو اور بداخلاق تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں جب آنحضرت ﷺ نے قبیلوں میں جا کر دعوت اسلام دی تھی تو آپ ﷺ اس قبیلے میں بھی تشریف لے گئے مگر انہوں نے بہت بھونڈا رویہ اختیار کیا تھا۔ دس افراد کا وفد جب تائب ہو کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے ان میں سے ایک شخص کو پہچان لیا۔ اس پر اس شخص نے اعتراف کیا کہ آپ سے میری ملاقات عکاظ کے میلے میں ہوئی تھی مگر میں نے آپ ﷺ سے بڑی گھٹیا گفتگو کی تھی اور آپ ﷺ کے پیغام کو رد کر دیا تھا۔ لیکن اب خدا کا شکر ہے اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی پھر اس نے اپنی سابقہ غلطی کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کی جس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسلام عہد کفر کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے۔ ان وفود کے علاوہ بہت سے دیگر وفود بھی عام الوفود میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے جن میں سے کچھ اسلام قبول کرنے، کچھ سیاسی اطاعت اختیار کرنے اور کچھ محض تحقیق وتفتیش احوال کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ کتب سیرت میں مؤرخین کے مطابق ان وفود کی جو مدینہ میں حاضر ہوئے کم سے کم تعداد 15 اور زیادہ سے زیادہ 104 ملتی ہے۔ بحوالہ محسن انسانیت، نعیم صدیقہ، عہد نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی، فرہنگ سیرت از سید فضل الرحمٰن سیرت النبی انسائیکلوپیڈیا از میر قاسم محمود، نبی رحمت، مولانا ابوالحسن علی ندوی، سیرت ابن ہشام اردو، تاریخ طبری، طبقات ابن سعد، نقوش رسول نمبر۔

630ء/ 9ھ واقعہ ایلا

عورت کے متعلق محققین نے لکھا ہے کہ وہ گھریلو زندگی میں ربوبیّت چاہتی ہے اور اس کے لیے مادی وسائل کا ہونا لازم ہے۔ لہٰذا عورت مادی وسائل کے بغیر نہیں گذارہ کر سکتی۔ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہراتؓ میں سے زیادہ تر خواتین خوشحال گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں اور انہیں بھی مادی وسائل کی حاجت تھی پھر جب مسلمانوں کی خوشحالی کا دور شروع ہوا اس لیے انہوں نے بھی آپ ﷺ سے بنیادی ضروریات کی فراہمی کا تقاضہ کیا ازواج مطہرات آپ ﷺ کو

اصحاب میں مال غنیمت تقسیم کرتے دیکھتیں مگر آپ ﷺ اپنے گھر خالی ہاتھ لوٹتے تھے۔ صنف نازک کے دل بھی نازک ہی ہوتے ہیں اس لیے گھر کی بے سروسامانی، مفلوک الحالی دیکھ کر شکوہ مطالبات کی صورت میں ان کے نوک زبان پر آ گیا تاہم یہ امر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا کہ وہ عام عورتیں نہیں ہیں بلکہ اس عظیم انسان ﷺ کی بیویاں ہیں جس نے پوری نوع انسانی کو عملاً یہ دکھانا تھا کہ عظیم مقاصد کے حصول کے لیے وہ ایسے تجربات سے کیسے گذر سکتے ہیں۔ لہٰذا نبی اعظم وآخر ﷺ کی بیویوں کی حیثیت سے ازواج مطہراتؓ کو بھی آپ ﷺ کے عظیم مقاصد کے لیے ایثار وقربانی کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا تھا مگر بحیثیت خواتین وہ یہ فراموش کر بیٹھیں جس پر انہیں اس حقیقت کا احساس دلانے کے لیے آپ ﷺ نے ایک ماہ تک ازواج مطہراتؓ سے علیحدہ رہنے کا فیصلہ کیا اور بالائی منزل کے ایک الگ تھلگ حجرے میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اس خلوت کدے میں کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔

آپ ﷺ نے ایک ماہ تک علیحدہ رہنے اور محبت کی محرومی نے ازواج مطہراتؓ پر خاطر خواہ اثر مرتب کیا اور ان میں پیغمبر عظیم کی بیویوں کی حیثیت سے اپنی عظمت اور ذمہ داریوں کا شعور بیدار ہو گیا اور انہوں نے آپ ﷺ کی رفاقت میں ہر امتحان اور تجربے سے گذرنے کا پختہ عزم کر لیا۔

اگرچہ ہر پہلو سے یہ معاملہ ذاتی اور گھریلو تھا مگر منافقین نے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے دی ہے۔ ان کا مقصد آپ ﷺ اور ان صحابہ کرامؓ میں ناچاقی پیدا کرنا تھا جن سے آپ ﷺ رشتہ صہر قائم تھا۔ منافقین چاہتے تھے اس گھریلو معاملے کو اچھال کر وہ عرب معاشرے کی عصبیتی زندگی میں خلفشار پیدا کر دیں جو اسلامی معاشرے کو خانہ جنگی تک میں مبتلا کر دے۔ مگر صحابہ کرامؓ بھی کوئی عام انسان نہیں تھے کہ منافقین کے بہکاوے میں آ جاتے پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت تمام دیگر معاملات پر حاوی تھی اس لیے منافقین کی یہ تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ جب ایک ماہ پورا ہوا تو آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو ازواج مطہراتؓ سے متعلق واضح ہدایات دے دی گئیں۔ سورۃ احزاب کی ان آیات میں **یاایھا النبی قل لازواجك** (۱)"اے نبیؐ ﷺ اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طالب وآرزو رکھتی ہو تو آؤ، میں تمہیں مال ومتاع دوں اور خوبصورت طریقے سے رخصت کر دوں۔ لیکن اگر تمہیں اللہ تعالیٰ، رسول اور آخرت کے گھر (جنت) کی طلب وجستجو ہے تو تم میں جو احسان کرنے والی ہیں، ان کے لیے اللہ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۲ جو کچھ ازواج مطہرات کے لیے آپ ﷺ کے دل میں تھا وہی کلام الٰہی میں ظاہر ہو گیا۔ ایک ماہ تک خلوت میں رہنے کے بعد آپ ﷺ جب منصۂ شہود پر آئے اور پروانوں کو شمع رسالت ﷺ کے حضور میں اذن باریابی حاصل ہوا تو ان کی عید ہو گئی پروانوں کے چہروں پر جو اداسی چھائی ہوئی

تھی وہ دور ہوگئی اور مدینہ منورہ کی معاشرتی زندگی میں پھر سے بہار لوٹ آئی۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ میں جلوہ افروزی کے بعد جب واپس لوٹے تو سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ان کو آگاہ فرمایا۔ سیدہؓ کے دل میں تو پہلے ہی انقلاب آ چکا تھا۔ آپ برملا بولیں ''مجھے اللہ اور رسول ﷺ کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔ یہی جواب دیگر ازواج مطہراتؓ کا تھا۔ آپ ﷺ گھر واپس تشریف لائے تو عید کا سا سماں ہر حجرہ پر طاری ہوگیا اور ان ویرانوں میں یوں چپکے سے بہار لوٹ آئی' بے قرار دلوں کو آپ ﷺ کی آمد سے قرار آ گیا۔

630ء/9ھ میں آنحضرت ﷺ کو گھوڑے پر سے گر کر چوٹ آئی

9ھ میں آنحضرت گھڑ سواری کے دوران گر پڑے۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراشیں اور چوٹیں آئیں۔ آپ ﷺ نے اسی وجہ سے بالاخانہ پر قیام فرمایا' چوٹوں کی وجہ سے مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے اور نماز بھی اسی بالاخانے میں بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوتے تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے تھے۔ اسی علالت کے دوران آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''امام اسی واسطے تو مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب رکوع میں جائے تو رکوع کرو' جب رکوع سے سر اٹھائے تو سر اٹھاؤ اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ مؤرخین کے نزدیک واقعہ ایلاء اور گھوڑے سے گرنے کا واقعہ ایک ہی وقت میں پیش آئے تھے۔

630ء/9ھ ایک زانی خاتون کو سزائے رجم دی گئی

9ھ میں غامدیہ کو رجم کی سزا دی گئی۔ یہ خاتون زنا سے حاملہ تھیں۔ اس نے از خود چار مرتبہ اپنے اس گناہ کا اقرار کیا اور حد جاری کرنے کی درخواست کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو وضع حمل اور مدت رضاعت کے گذرنے تک کا انتظار کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب یہ وضع حمل اور رضاعت سے فارغ ہوئیں تو ان کو سزائے رجم دیے جانے اور رجم کے بعد ان کا نماز جنازہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے بذات خود اس خاتون کی نماز جنازہ پڑھائی' شاید یہی اس خاتون کی تمنا تھی۔ آپ ﷺ نے اسی خاتون کے بارے میں فرمایا تھا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرے تو اس کی نجات ہو جائے۔

ا الاحزاب 28

۲ الاحزاب 28,29,33

630ء/9ھ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی بطور سائل آمد

علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی بطور سائل آمد کو 9ھ کے وقائع میں شامل کیا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام لوگوں کو دین کے مسائل سکھانے کے لیے بطور سائل ایک بدو کی حیثیت سے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ اور آنحضرت ﷺ سے ایمان' اسلام' احسان' قیامت اور علامات قیامت کے بارے میں سوالات کیے۔ اسی واقعہ کی تفصیلات صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں مذکور ہیں۔ یہ حدیث ''ام الاحادیث'' کہلاتی ہے کیونکہ ایمان و اسلام کے اہم مسائل پر مشتمل ہے۔

جولائی 630ء/صفر 9ھ سریہ قطبہؓ بن عامر

صفر 9ھ میں مدینہ منورہ میں اطلاع موصول ہوئی کہ قبیلہ بنو خثعم جو مکہ کے شمال میں دو یوم کی مسافت پر وادی بیشہ کے قرب و جوار میں رہتے تھے' آمادہ بغاوت ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت قطبہ رضی اللہ عنہ بن عامر کو 20 مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ وہاں اس قبیلے کے لوگوں سے جنگ ہوئی جس میں فتح کے بعد قطبہ رضی اللہ عنہ بن عامر کافروں کے اونٹوں' بکریوں اور عورتوں کو بطور مال غنیمت اپنے ساتھ لے کر مدینہ واپس لوٹے۔

ستمبر 630ء/ربیع الآخر سریہ علقمہ

ربیع الآخر 9ھ میں حبشہ کے کچھ لوگوں کی جدہ میں آ کر قانون شکنی کرنے کی خبر ملی جس پر حضور ﷺ نے علقمہ رضی اللہ عنہ بن محرز المدلجی کو تین سو مجاہدین کا ایک دستہ دے کر ان کے مقابلے پر بھیجا' لیکن وہ لوگ لشکرِ اسلام کو دیکھتے ہی بھاگ گئے علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسی سریہ کے دوران اپنے لشکر کے کچھ لوگوں پر حضرت عبداللہ بن حذافہ اسہمی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کسی بات پر اپنے لوگوں سے ناراض ہوگئے اور انہیں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی تو بولے کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں امیر کی اطاعت کا حکم نہیں دیا' انہوں نے کہا بے شک دیا ہے۔ اس پر انہوں نے حکم دیا کہ میں تمہیں بحیثیت امیر یہ حکم دیتا ہوں کہ اس آگ میں چھلانگ لگا دو۔ اس پر ان میں اختلاف رونما ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہم نے آگ سے بچنے کے لیے ہی اسلام قبول کیا لہٰذا ہم اس آگ میں نہیں کودیں گے چنانچہ کسی نے بھی اس آگ میں چھلانگ نہیں لگائی۔ جب واپس مدینہ تشریف لائے تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت صرف ''اچھی باتوں'' میں واجب ہوتی ہے اگر تم اس آگ میں کود پڑتے تو پھر کبھی نہ نکل سکتے۔''

ستمبر 630ء/ربیع الآخر بارگاہ نبوت میں قصیدہ لامیہ پیش کیا گیا

ربیع الآخر 9 ھ میں کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر مدینہ آئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنحضرت ﷺ کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ ''لامیہ'' پڑھا۔ جس کا مطلع تھا ع

بانت سعاد فقلبی الیوم مقبول

مقیم اثرھا لم یفد مکبول

جب اس شعر پر پہنچے ع

ان الرسول لنور یستضاء بہ

مھنّد من سیوف اللہ مسلول

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ایک نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک برہنہ ہندی تلوار ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ردائے مبارک عطا فرمائی جو ان کے لیے ایک عظیم تبرک تھا۔ یہ چادر شریف طویل عرصہ تک ان کے پاس رہی۔ ان کی وفات بعہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہوئی ان کی وفات کے بعد یہ چادر ان کے وارثوں سے امیر معاویہ 20 ہزار درہم کے عوض خرید لی تھی۔ ابتدائے اسلام کے زمانے میں کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اسلام اور بانی اسلام کی ہجو کیا کرتے تھے اسی وجہ سے فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے انہیں واجب القتل قرار دیا تھا۔ مگر بعد ازاں وہ تائب ہو کر مدینہ آ گئے تھے اور انہوں نے یہ قصیدہ پیش کیا تھا۔

ستمبر 630/ربیع الآخر 9ھ سریہ بنو طے

یمن سے تعلق رکھنے والا قبیلہ طے کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے اندازاً ایک سو میل شمال مشرق میں آباد تھے۔ وہ ایک مشہور بت ''فلس'' کو پوجتے تھے جو مشہور عرب فیاض، سخی حاتم کے محلے میں نصب تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ربیع الآخر 9 ھ میں حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ ان لوگوں کی طرف بھیجا۔ عدی بن حاتم جو ان لوگوں کا سردار تھا وہ فرار ہو گیا۔ ان لوگوں نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی بہت سامال غنیمت جس میں مویشی اور قیدی شامل تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئے۔ ان قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بھی شامل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت عزت واحترام کے ساتھ اسے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ جب سفانہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اپنی ردا پھینکی تا کہ وہ معزز خواتین کی طرح اپنے جسم کو ڈھانپ لے۔ سفانہ نے اپنے خاندان کی شرافت کا حوالہ

دے کر رحم کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے قبول فرمائی اور اسے آزاد کر دیا اور زادِ راہ دے کر اس کے بھائی عدی کے پاس بھجوا دیا۔ عدی بن حاتم 10 ھ میں آ کر مسلمان ہو گیا تھا۔

نومبر 630ء/رجب 9ھ غزوہ تبوک

سریہ موتہ میں قسطنطنیہ کی رومی حکومت اور اس کے باجگزار عرب غسانی قبائل اپنے لامحدود عسکری وسائل کے باوجود مجاہدین اسلام کا قلیل تعداد ہونے کے باوجود کچھ نہ بگاڑ سکے تھے جس کا ان کو انتہائی قلق تھا۔ 9 ھ میں کچھ نبطی سوداگروں نے خبر دی کہ رومیوں نے نہ صرف اپنے باجگزار غسانی قبائل کو مملکت اسلام پر حملہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دے دیا ہے بلکہ وہ خود بھی جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ آپ ﷺ نے اس رومی جنگی منصوبے کے خلاف کارروائی کرنے کا جوابی منصوبہ تیار کیا جس کی ایک اہم شق یہ تھی کہ دشمن کو نہ تو پہل کرنے کا موقع دیا جائے گا اور نہ ہی اسے مملکت اسلام کی سرحدوں میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ ان دنوں عرب قحط سالی کا شکار تھے۔ سفر کرنے کی ہمت نہ تھی دوسری طرف یہ سفر انتہائی دشوار گزار بھی تھا۔ قحط میں رسد کی فراہمی کا مسئلہ درپیش ہونے کی وجہ سے فوج کا ان حالات میں اتنا دور دراز صحرائی پیدل سفر کرنا تقریباً ناممکنات میں شامل تھا۔ تمام مجاہدین کے لیے سواری کا انتظام بھی مشکل تھا۔ ان نامساعد حالات میں بڑے سے بڑا تجربہ کار سپہ سالار بھی اس مہم پر نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ مگر آپ ﷺ عزم صمیم کے مالک انسان تھے اور موسمی حالات آپ ﷺ کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی ولولہ انگیز قیادت اور حسن تدبیر سے کام لیتے ہوئے 30 ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر جرار تیار کر لیا جس میں دس ہزار سوار شامل تھے۔

صحابہؓ کا خلوص:

غزوہ تبوک کی تیاریوں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو صدقات دینے کی ترغیب دی اور چندہ کی اپیل فرمائی، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا کل اثاثہ جس کی مالیت 4 ہزار درہم تھی اٹھا کر لے آئے اور بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش کر دیا۔ جب حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کچھ اہل وعیال کے لیے بھی چھوڑ آئے ہو تو اُن کے جواب کو علامہ اقبال نے بہت خوبصورت مصرعہ میں اس طرح پیش کیا ہے۔ ع

صدیق کے لیے ہے اللہ اور رسول بس، یعنی میرے لیے تو اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہے۔

بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال پیش کرنے کے لیے لائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے 200 اوقیہ اور دیگر روایات میں 4 ہزار درہم کا عطیہ پیش کیا جو ان کی کل متاع کا نصف تھا۔ عاصم رضی اللہ عنہ بن عدی نے ساٹھ وسق خرما پیش کیے۔ ابوعقیل رضی اللہ عنہ نے ایک صاع یا آدھا صاع کھجور پیش کیں۔ الغرض جس صحابی سے جتنا ہو سکا وہ اس نے لا کر پیش

کر دیا بہت سی خواتین نے اپنے زیورات اس غزوہ کی تیاریوں کے لیے پیش کیے حضرت عثمان ؓ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ ؓ نے غلہ اور توشہ سے لدے ہوئے 900 اونٹ' ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار راہ خدا میں پیش کیے۔ آپ حضرت عثمان ؓ سے بے حد خوش ہوئے مگر جو اپنی کل متاع زندگی پیش کرنے کے لیے لائے ہوئے تھے ان کا مقام کچھ اور تھا مگر ان تمام وسائل کو بروئے کار لانے کے باوجود تین مجاہدوں کے حصے میں ایک گھوڑا آیا جس پر انہیں باری باری سفر کرنا تھا۔ مجاہدوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے سواری کا انتظام نہ ہو سکا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اپنے قبیلے کے چند افراد کے ساتھ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سواری کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے سواری نہ فراہمی کرنے کی قسم کھائی اور فرمایا "واللہ! میں تمہیں کسی چیز پر سوار نہیں کروں گا نہ میرے پاس ایسی کوئی چیز ہے جس پر تمہیں سوار کروں۔" اس طرح یہ بیچارے مایوس لوٹ گئے۔ جن مجاہدین کے لیے سواری کا انتظام نہ ہو سکا وہ جہاد و شہادت کی سعادت سے محرومی پر روتے تھے۔ ان لوگوں کے ان آنسوؤں کی قیمت یہ لگی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی اس کیفیت کا ذکر کر کے ان کے جذبات کو زندہ جاوید کر دیا۔ زادراہ کی سخت کمی کا سامنا ہونے کی وجہ سے اس غزوہ کو "جیش العسرت" بھی کہا گیا ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ رومیوں کی جنگی تیاریوں کے متعلق نبطی سوداگروں کی فراہم کردہ اطلاعات اگرچہ غلط تو نہیں تھیں مگر مبالغہ آمیز ضرور تھیں ادھر رومیوں اور غسانیوں نے مملکت اسلام پر حملہ کا منصوبہ بھی غلط اطلاعات یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کے انتقال کی جھوٹی خبر پر بنایا تھا۔ البتہ ان کی اطلاعات میں یہ سچائی ضرور شامل تھی کہ قحط نے اہل عرب کو کمزور و لاچار کر دیا ہے؛ تاہم جب ان کو مسلمانوں کے لشکر جرار کی پیش قدمی کی خبر ملی تو وہ حیران اور مرعوب ہوئے اور انہیں لشکر اسلام سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ ان کا اس طرح مرعوب ہو جانا مسلمانوں کی سیاسی فتح تسلیم کی گئی۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کے ساتھ تبوک کے مقام پر چھاؤنی ڈال دی اور 20 دن تک دشمنوں کے انتظار میں وہیں مقیم رہے۔ لیکن دشمنوں کو مد مقابل آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ ﷺ کی اس فقید المثال کامیابی سے اردگرد کے قبائل بڑے متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کی سیادت قبول کرتے ہوئے جزیہ دینا منظور کیا۔ ان میں دومۃ الجندل کے سردار اکیدر اور ایلہ کے عیسائی سردار یوحنا شامل تھے۔ اس طرح جنگ کیے بغیر ہی مملکت اسلام کو مالی فوائد حاصل ہو گئے۔ جب آپ ﷺ تبوک کی مہم کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے تو تقریباً 82 منافقین نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اور انہوں نے جھوٹے بہانے تراش لیے تھے۔ ان کے حق میں سورہ توبہ کی آیت نمبر 90 نازل ہوئی ترجمہ: اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تاکہ ان کو وہیں رہنے کی اجازت سے مل جائے۔" (القرآن)

نومبر 630ء/رجب 9ھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتداء میں نماز

غزوہ تبوک کے ایام میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ طلوع فجر کے بعد قضائے حاجت کے لیے تشریف لے

گئے' حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ پانی کا برتن لے کر آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ واپسی میں اتنی دیر ہو گئی کہ نماز فجر کا وقت قضا ہونے لگا۔ ان حالات میں صحابہ کرامؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ ایک رکعت پڑھا چکے تو آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے نماز فجر کی ایک رکعت حضرت عبدالرحمٰن ؓ کی اقتداء میں ادا فرمائی اور جو رکعت رہ گئی وہ سلام پھیرنے کے بعد پوری کی۔ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کو حضرت عبدالرحمٰن ؓ کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو بہت گھبرائے مگر آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد ان کو تسلی دی کہ تم نے ٹھیک کیا اور اچھا کیا۔ یہ واقعہ حضرت عبدالرحمٰن ؓ بن عوف کے عظیم ترین فضائل میں شمار ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔[1]

نومبر 630ء/رجب 9ھ تین صحابہ کرامؓ کا تساہل

منافق مدینہ تو اپنی منافقت کی وجہ سے شریک غزوہ تبوک نہ ہو سکے تاہم تین صحابہ کرام بھی ایسے تھے جو محض اپنے تساہل کے باعث اس جہاد میں شرکت نہ کر سکے' یہ تینوں حضرت کعب بن مالک ؓ' حضرت ہلال ؓ بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع ؓ تھے۔ چونکہ منافقوں کے مقابلے میں یہ لوگ سچے مسلمان مجاہد تھے اور جہاد و شہادت کی طلب و آرزو رکھتے تھے اور محض تساہل کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سچ بولا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور اس واقعہ کا ذکر قران میں فرمایا۔ "**و علی الثلثة الذین خلفوا**"[2]

بعد ازاں جب حضور ﷺ نے ان تینوں کا پچاس روزہ مقاطعہ کرنے کا حکم دیا تو ان پر افسوس اور غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس کے بعد ان کی آہ زاریاں قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔[3]

دسمبر 630ء/شعبان 9ھ مسجد ضرار کا انہدام

غزوہ تبوک سے واپسی پر آنحضرت ﷺ نے مسجد ضرار کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ یہ مسجد منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرنے کے لیے اور مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کے لیے بطور مستقر بنائی تھی۔ آپ ﷺ کو تبوک کی مہم سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے عزم و ارادہ سے آگاہ فرمایا تو آپ ﷺ نے اس سازشوں کے مستقر کو نذر آتش کرایا۔ اس مسجد کے انہدام کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے "**والذین اتخذوا مسجد ضرارا و کفرا**

---

1. نبوت کے ماہ و سال از مولانا ہاشم ٹھٹوی
2. سیرت ابن ہشام
3. التوبہ: 118

وتفریقا بین المومنین "(ترجمہ) اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی کہ اسلام کو ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمان والوں میں تفرقہ ڈالیں ترجمہ از مولانا تھانوی (۱)

630ء / 9ھ نبی پاک ﷺ کے سامنے آواز بلند نہ کرنے کا حکم

9ھ میں بنو تمیم کے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے پر کسی کو امیر مقرر کرنے کے لیے عرض کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر ؓ صدیق نے گذارش کی کہ یارسول اللہ! بنو تمیم کا امیر قعقاع ؓ بن معد بن زرارہ کو مقرر فرمائیں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے جبکہ حضرت عمر ؓ نے اقرع بن حابس ؓ کو امیر بنانے کی تجویز پیش کی۔ حضرت عمر ؓ کی یہ مداخلت حضرت ابوبکر ؓ کو اچھی نہ لگی اور انہوں نے حضرت عمر ؓ کو فرمایا کہ اس تجویز سے تمہارا مقصد صرف میری مخالفت کے سوا کچھ نہیں حضرت عمر ؓ نے جواباً کہا کہ مجھے تمہاری مخالفت مقصود نہیں بلکہ بنو تمیم کی بہتری مقصود ہے۔ اس مسئلے پر دونوں شیخین عظامؓ میں گفتگو تیز ہوگئی مگر اس جدال اور نزع میں جو اظہار حق کے لیے ہو رہا تھا دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهر وله کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تو حضرت عمر ؓ نے قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے صرف رازدارانہ لہجے میں آہستگی سے گفتگو کریں گے ادھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بھی قسم کھائی۔ روایت ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق جب بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیٹھتے تو اپنے منہ میں کنکریاں لے لیتے تاکہ بات کرنے میں دشواری پیش آئے اور ان کی آواز بلند نہ ہو سکے۔[2]

فروری مارچ 631ء / ذیقعد 9ھ عبداللہ بن ابی سلول کی موت

عبداللہ بن ابی سلول مدینہ منورہ کے منافقوں کا سردار اور رئیس تھا۔ شوال 9ھ میں وہ صاحب فراش ہوگیا۔ اس کی یہ جسمانی بیماری اس کے قلبی مرض کا ایک حصہ تھی جس میں اور منافقین بھی مبتلا تھے۔ ذیقعد 9ھ میں وہ مرگیا۔ اس رئیس المنافقین کا ایک بیٹا عبداللہ نامی تھا جو بڑا سچا اور مخلص مسلمان تھا۔ ایک دن جب ابن ابی سلول پر حالت نزع طاری تھی تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے آپ ﷺ نے اس سے کہا میں نے تجھے منع کیا تھا کہ یہودیوں سے دوستی نہ رکھو لیکن تم نے اس پر عمل نہ کیا۔ اس نے جواب دیا یارسول اللہ! میں

[1] التوبہ:107

[2] مدارج نبوت جلد دوم از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

اس وقت دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لہٰذا یہ عتاب و سرزنش کا وقت نہیں ہے۔ پھر اس نے عرض کی کہ میرے مرنے کے بعد آپ ﷺ اپنی ایک قمیص بطور کفن مجھے عطا کر دینا۔ اس دن آپ ﷺ نے دو قمیصیں زیب تن کی ہوئی تھیں آپ نے اوپر والی قمیص اُتار کر اسے عنایت کر دی اس پر ابن ابی سلول نے گذارش کی کہ آپ ﷺ اپنے بدن مبارک سے مس شدہ قمیص عطا فرمائیں مگر آپ ﷺ نے اس کی مطلوبہ قمیص عطا نہ فرمائی جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے نے عرض کی یارسول اللہ آپ اپنے بدن مبارک سے متصلہ قمیص مرحمت فرمائیں۔

پھر جب آنحضرت ﷺ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے آپ ﷺ کو روکنا چاہا اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جو منافق تھا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا اے عمر! میرا ہاتھ چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے لیے ستر مرتبہ استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے ابن ابی سلول کی نماز جنازہ پڑھائی تو یہ آیت شریفہ نازل ہوئی "ولا تصل علی احدمنهم "(۱)" حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ارباب سیر نے ایک بات عجیب و نادر لکھی ہے کہ ابن ابی سلول کی تدفین کے بعد آنحضرت ﷺ اس کی قبر پر گئے اور فرمایا کہ اس کو باہر نکالا جائے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا۔

دشمنوں پر رحم کرنا شیوہ رحمۃ للعالمین ﷺ تھا۔ آپ ﷺ نے یہ عمل اس کے بیٹے کی خاطرداری کے لیے فرمایا تھا۔ قمیص برائے کفن دینے کے سلسلے میں کچھ علماء نے لکھا ہے کہ جب غزوہ بدر میں حضرت عباس ؓ قیدی بنے تو ننگے بدن تھے چونکہ ان کا قد لمبا تھا اس لیے کسی مسلمان کی قمیص انہیں پوری نہیں آئی اس وقت ابن ابی سلول نے اپنی ایک قمیص حضرت عباس ؓ کو پہنائی تھی۔ اس احسان کا بدلہ آنحضرت ﷺ نے اپنی قمیص دے کر چکایا تھا۔[2]

فروری مارچ 631ء ذیقعد 9ھ شاہ نجاشی کا انتقال

حبشہ کے شاہ نجاشی کا انتقال 9ھ میں ہوا۔ حضرت جابر ؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جس دن شاہ نجاشی نے وفات پائی اس دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آج تمہارا بھائی اور صالح شخص اصحمہ نے وفات پائی ہے۔ اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو اور اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عیدگاہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

غائبانہ نمازِ جنازہ کی ادائیگی میں علماء میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اسے جائز و مباح قرار دیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اسے جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ نماز جنازہ کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ میت

[1] مدارج نبوت جلد دوم [2] مدارج النبوت جلد دوم از شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

نماز جنازہ پڑھانے والے کے سامنے موجود ہو۔اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ نجاشی کے واقعے میں بھی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں کی گئی تھی بلکہ معجزاتی طور پر زمین کو سمیٹ کر نجاشی کا جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا یا اسے آنحضرت ﷺ کے روبرو کر دیا گیا تھا۔ علامہ واقدی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نجاشی کا جنازہ آنحضرت ﷺ کی نظروں کے سامنے کر دیا گیا تھا۔

فروری مارچ 631ء/ذیقعد 9ھ حضرت ابوبکر صدیق امیر حج مقرر کیے گئے

فتح مکہ کے بعد جب حالات سازگار ہو گئے تو ذیقعد 9ھ میں جب حج کا موسم آیا تو آپ ﷺ نے تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت کو حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں حج کے لیے مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ حج کی فرضیت کے سال کے بارے میں علما میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کے نزدیک حج 6ھ میں فرض ہوا تھا جبکہ بعض کہتے ہیں کہ حج 9ھ میں فرض ہوا تھا۔ سورۃ آل عمران کی جن آیات میں حج کی فرضیت کا ذکر آیا ہے وہ 9ھ میں نازل ہوئی تھیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مسجد ذوالحلیفہ میں احرام باندھا اور جب روانہ ہوئے تو حضرت جبرائیل امین ؑ حاضر ہوئے اور کہا کہ رسالت و پیغام کی ادائیگی آپ ﷺ یا حضرت علی ؓ کے سوا کوئی اور نہ کرے۔

فروری مارچ 631ء/ذیقعد 9ھ ایک تاریخی اعلان' سورۃ برات کی آیات

حضرت جبرائیل ؑ کی آمد کے بعد حضرت علی ؓ کو نقیب اسلام مقرر فرمایا اور ان کو ذمہ داری سونپی کہ وہ سورۃ برات (توبہ) کی ابتدائی 40 آیات' تاریخی اعلان کے طور پر حج کے اجتماع میں سنائیں اور حکم خداوندی کو لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس تاریخی اعلان کے اہم نکات یہ تھے کہ آج کے بعد کوئی مشرک و کافر خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر حج کر سکے گا' نیز وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے طے پائے تھے' ان کی خلاف ورزیوں کے سبب آج سے چار ماہ بعد کالعدم قرار پائیں گے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ تھا کہ آئندہ حرم پاک اور مساجد کی تولیت کسی مشرک کو نہیں سونپی جائیں گی۔ چوتھا نکتہ یہ تھا کہ آئندہ کوئی مشرک حدود حرم میں بھی داخل نہیں ہوگا۔

بعض لوگوں نے اس تاریخی اعلان کے لیے حضرت علی ؓ کی ماموریت سے عجیب عجیب نکتے پیدا کیے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ حضور ﷺ نے جہاں حضرت ابوبکر ؓ کو دائرہ امارت میں اپنا نائب مقرر فرمایا وہاں حضرت علی ؓ کو اپنا ذاتی نمائندہ یا شخصی سیکرٹری یا بطور سفیر رسول ﷺ ایک اہم دینی' سیاسی اور تاریخی اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔ جو لوگ معاملات حکومت سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بعض صورتوں میں یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ حکومتوں کے نائبین اور گورنر اگرچہ موجود ہوتے ہیں مگر کسی خصوصی ضرورت کے لیے الگ سے سفیر روانہ کرنے پڑتے ہیں۔ اس

تاریخی اعلان سے بقول محققین چار عظیم مقاصد حاصل ہوئے ایک تو حج کے متعلق سنت ابراہیم ؑ کا احیاء ہوا دوسرے مکہ مکرمہ کی سرزمین ہمیشہ کے لیے کفار و مشرکین سے پاکیزہ ہو گئی تیسرے بھاری تعداد میں مشرکین دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے چوتھے مکہ مکرمہ عالم اسلام کا مرکز دینی قرار پایا۔[1]

631ء/9ھ صاحبزادہ رسول ﷺ حضرت ابراہیم ؓ کی وفات

حضرت ابراہیم ؓ بن محمد ﷺ نے تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر پائی۔ جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن اتفاق سے سورج کو گرہن لگا۔ لوگوں نے سورج گرہن کو حضرت ابراہیم ؓ کی وفات سے منسوب کیا۔ کیونکہ اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ کسی عظیم انسان کی موت پہ سورج گہنا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کو جب لوگوں کے اس بدعقیدہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس عقیدہ کی تردید کے لیے لوگوں کو جمع کیا اور ایک مختصر مگر جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

"لوگو! سورج اور چاند قدرت کی تخلیقات سماوی ہیں کسی کے مرنے اور جینے سے ان کو گرہن نہیں لگتا۔"

اس خطبے کے بعد آپ ﷺ نے نماز کسوف باجماعت ادا فرمائی۔

سورج گرہن کے متعلق اس باطل عقیدہ کی تردید کا یہ واقعہ سطح بین لوگوں کو شاید معمولی حیثیت کا واقعہ محسوس ہو لیکن اہل دل و نظر جانتے ہیں یہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس بات کے متعلق دو رائے قائم نہیں کی جا سکتیں کہ سورج گرہن کے متعلق قدیم عرب کے عقیدے سے لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کے جلیل القدر فرزند کی عظمت کا سکہ بیٹھتا تھا جس سے دل میں خود بخود یہ عقیدہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر بیٹا اتنا عظیم ہے کہ جس کے انتقال پر سورج کو گرہن لگ گیا تو باپ کی وفات پر تو نہ جانے پوری کائنات اندھیرے میں ڈوب جائے گی۔ آپ ﷺ چونکہ اللہ کے سچے نبی تھے اس لیے آپ ﷺ نے اس جھوٹے عقیدے کی فوراً تردید کر دی۔ یہ تردید آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے کہ اگرچہ اس جھوٹے عقیدے سے خاندان نبوت ﷺ کی عظمت کا اظہار ہوتا تھا مگر آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

آپ ﷺ کا اس موقع پر نماز کسوف ادا کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہر حال میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی حضوری مرغوب تھی۔

اپریل 631ء/ذی الحجہ 9ھ شوہر بیوی میں لعان کا واقعہ

ذیقعد یا ذی الحجہ 9ھ میں آنحضرت ﷺ نے عویم بن حارف العجلانی ؓ اور اس کی بیوی خولہ بنت قیس کے

[1] پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر' محسن انسانیت از نعیم صدیقی

درمیان مسجد نبوی ﷺ شریف میں نمازِ عصر کے بعد لعان کرایا۔ حضرت عویمؓ جب غزوہ تبوک سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا۔ انہوں نے اس حمل کو اپنا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ان دونوں میاں بیوی کے حق میں لعان کی آیت نازل ہوئی ''والذین یرمون ازواجھم''(۱) محققین کا ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ہلال ؓ بن امیہ اور ان کی بیوی خولہ بنت عاصم کے حق میں نازل ہوئی تھی جبکہ ہلال نے اپنی بیوی کو شریک بن سحماء کے ساتھ نامناسب حالت میں پایا تھا۔ یہ دونوں واقعات قریب قریب زمانے ہی میں پیش آئے تھے اور ان دونوں واقعات کے ضمن میں آیت لعان نازل ہوئی تھی۔ لعان یہ ہے کہ خاوند اگر بیوی کو کسی کے ساتھ زنا کی حالت میں دیکھے اور گواہ موجود نہ ہوں تو وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور خاوند کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ وہ جھوٹا ہے۔

62-631ء/سال 10ھ کے اہم وقائع

سنہ 10ھ کے اہم وقائع میں بہت سے وفود کی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری بھی شامل ہے مگر چونکہ ہم نے وفود کا ذکر اجمالاً ایک ہی مقام پر جمع کر دیا ہے۔ لہٰذا سنہ 10ھ میں وفود کی آمد کے علاوہ اہم وقائع کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

اپریل 631ء محرم 10ھ سریہ حضرت خالدؓ بن ولید

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج نبوت'' میں رقمطراز ہیں کہ سنہ دس ہجری میں حضرت خالد ؓ بن ولید کو صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ بنی حارث بن کعب کی طرف بھیجا' آنحضرت نے حضرت خالد ؓ کو ہدایت فرمائی کہ بنی الحارث کو تین بار دعوت اسلام دینا اگر وہ قبول کرلیں تو تم وہاں رہ کر انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دینا۔ جب وہاں پہنچ کر حضرت خالد ؓ بن ولید نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس کو قبول کرلیا جس کے بعد حضرت خالد ؓ نے ان کو امان دی اور آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق وہیں قیام پذیر ہوگئے اور ان کو قرآن وسنت کی تعلیم دی بعدازاں ایک خط آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھجوادیا جس میں حالات بیان کیے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ بنی الحارث کی ایک جماعت لے کر مدینہ واپس آجاؤ۔ اس پر حضرت خالد ؓ بنی الحارث کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ آگئے۔

631ء/10ھ اہل نجران کو دعوت اسلام

نجران یمن میں ایک جگہ کا نام تھا۔ یہاں کے عیسائیوں کو جب دعوت اسلام دی گئی تو ان کے دو وفد آپ ﷺ

1. النور:6

کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کا ذکر عام الوفود کے تحت آچکا ہے۔

631ء/10ھ گورنر یمن باذان کی مملکت تقسیم کردی گئی

گورنر یمن باذان کی وفات کے بعد اس سال آنحضرت ﷺ کے حکم پر اس کی مملکت تقسیم کردی گئی۔ ایک حصہ باذان کے فرزند شہر بن باذان کو عطا فرمایا' ایک حصہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو دیا ایک حصہ پر یعلی بن امیہ ؓ اور ایک حصہ پر معاذ بن جبل ؓ کو حاکم مقرر فرمایا۔ یاد رہے کہ باذان کسریٰ ایران کی طرف سے یمن پر حکمران یا گورنر مقرر تھا۔ بعدازاں اس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ یمن کے جس حصے پر حاکم بنائے گئے وہ نشیب میں تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو ہدایات دیں کہ لوگوں پر سختی نہ کریں اور نرمی کا برتاؤ روا رکھیں حضرت معاذ ؓ کو آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی تھی کہ تم جس قوم کی طرف بھیجے جا رہے ہو وہ اہلِ کتاب ہے۔ وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں لا الہ الا اللہ کی دعوت دینا۔

دسمبر 631ء/رمضان 10ھ حضرت علیؓ کی یمن کی طرف روانگی

تین سو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے رمضان 10ھ میں حضرت علی ؓ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا اور ان کے سر مبارک پر دست شفقت سے دستار باندھی۔ ان کے لیے ایک علم بھی تیار کروا کر دیا۔ بوقت روانگی آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے علی! میں تمہیں بھیج رہا ہوں اور تمہاری جدائی پر مجھے افسوس ہے۔ اس کے ساتھ نصیحت فرمائی کہ دشمنوں سے قتال میں پہل نہ کرنا۔ حضرت علی ؓ نے اہل یمن کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ پھر قتال ہوا' ان کے 20 آدمی مارے گئے اور باقی شکست کھا کر منتشر ہوگئے۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے بعد حضرت علی ؓ نے ان کو دوبارہ دعوت اسلام دی تو انہوں نے قبول کرلی۔ حضرت علی ؓ کو یمن سے آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر طلب فرمایا تھا۔ حضرت علی ؓ حجۃ الوداع کے دوران واپس آئے تھے۔

فروری مارچ 632ء حجۃ الوداع

10ھ میں جب حضور ﷺ نے ''وصال بالرفیق الاعلیٰ'' سے پہلے آخری حج کا ارادہ فرمایا تو مملکت اسلام کے تمام علاقوں میں اعلان کیا گیا کہ اس سال آنحضرت ﷺ حج کی قیادت خود فرمائیں گے اس پر عرب وعجم سے مسلمانوں کے قافلے اپنے ''قائد اعلیٰ'' کی قیادت میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں جمع ہونے لگے فروری 632ء/26 ذیقعد 10ھ کو

آپ مدینہ منورہ سے عازم سفر حج ہوئے۔اس سفر میں تمام ازواج مطہراتؓ آپ ﷺ کی ہم سفر تھیں۔فرزندان اسلام کا ایک موجزن سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا جو اہل مدینہ کے لیے میقات ہے۔یہیں آپ ﷺ نے احرام زیب تن فرمایا اور تلبیہ پڑھنا شروع فرمائی۔لبيك اللهم لبيك ......27 ذیقعد کو ذوالحلیفہ سے روانگی ہوئی۔یکم مارچ 632ء/ 3 ذوالحجہ کو مکہ المکرمہ کے قریب ذی طوی کے مقام پر پہنچ کر قیام فرمایا۔2 مارچ 632ء/ 4 ذوالحجہ کو آپ مکہ المکرمہ میں داخل ہوئے اور طواف کیا۔مقام ابراہیم علیہ السلام پر طواف سے فراغت کے بعد دوگانہ ادا فرمایا پھر صفا و مروہ پر تشریف لے گئے۔سعی کی ادائیگی کے بعد کعبہ کی طرف رخ کر کے خدا کی توحید کا نعرہ بلند فرمایا۔لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد ..... ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو آپ ﷺ نے تمام مسلمان حجاج کرام کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔نویں ذوالحجہ بروز جمعہ آپ ﷺ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔میدان عرفات کے ایک سرے پر مقام نمرہ ہے جہاں کمبل کے خیمے میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔جب دوپہر ڈھل گئی تو قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر میدان عرفات میں تشریف لے گئے اور قصواء پر سواری ہی کی حالت میں خطبہ ارشاد فرمایا یہی خطبہ تاریخ اسلام میں ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے نام سے مشہور ہے۔آپ ﷺ کا یہ خطبہ تمام نوع انسانی کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص مشعل راہ ہے۔یہ خطبہ تاریخ عالم میں ایک بے نظیر و بے مثل خطبہ ہے اور تمام عالم انسانیت کیلیے ایک مثالی چارٹر کی حیثیت رکھتا ہے۔اس خطبے میں آپ ﷺ نے نہایت جامع انداز میں' خوبصورت اور فصیح و بلیغ اسلوب کے ساتھ اسلام کے سنہرے اصولوں کو بیان فرمایا،رسوم جاہلیت کی نفی فرمائی،انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی' معاشرتی و معاشی' سیاسی' عمرانی' فکری و عملی پہلوؤں کو نہایت ایجاز و اعجاز کے ساتھ تعلیم فرمایا،خاندان کی بنیادی اکائی' مرد و عورت کے حقوق سے لے کر انسانی اجتماع کے اہم ترین مسائل کا نہایت واضح اور مثبت حل پیش کیا۔سب سے اہم بات یہ کہ آپ ﷺ نے اسلام کے غلبہ اور شوکت کو اپنی آنکھوں سے جب جی بھر کر دیکھ لیا تو حسب اختیار فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے وہ اس دنیا میں رہنا پسند کرے یا اللہ کے ہاں جانا۔[1]

اللہ کے ہاں جا کرامت کی بخشش کا سامان کرنے کو ترجیح دی اور وصال بالرفیق اعلیٰ کا فیصلہ فرمایا اور اس کے مطابق پہلا فیصلہ یہ فرمایا۔

1 صحیح بخاری' کتاب المغازی، مدارج نبوت از مولانا عبدالحق محدث دہلوی

لوگو! مجھ سے سن لو! میں تمہیں باتیں وضاحت کے ساتھ بتاتا ہوں کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ ایک سال کے بعد میں اس جگہ تم سے کبھی آئندہ ملوں گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے خطبے کے دوران کئی بار فرمایا۔''الاهل بلغت' اللهم اشهد'' یاد رکھو میں نے پیغام خداوندی کے فرائض کی بجا آوری کردی ہے۔اے اللہ! تو گواہ رہنا۔اب یہ فریضہ میری جانب سے میری امت پر ہے۔یعنی جو یہاں موجود ہے وہ آنے والی نسلوں تک میرا پیغام پہنچا دے تاکہ اسلام کی خودکار حرکیت کے تقاضے پورے ہوتے رہیں۔اس خطبے کے دوران مکبر چاروں طرف متعین تھے اور وہ آپ ﷺ کا ہر جملہ دہراتے جاتے تھے اور اس صوتی تدبیر سے حضور ﷺ کے ارشادات عالیہ سارے مجمع کے کانوں تک پہنچ رہے تھے۔

اس بلیغ خطبے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاہلیت کے سب خون ساقط کردیے گئے ہیں لہٰذا جاہلیت کے دور میں قتل ہونے والوں کے خون کا مطالبہ نہیں ہوگا' نیز جاہلیت کے تمام سود بھی ختم کردیے گئے۔اس لیے میں سب سے پہلے اپنے چچازاد' ربیعہ بن حارث کا خون ساقط کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے چچا' عباس بن عبدالمطلب کا سود ساقط کرتا ہوں۔

حجۃ الوداع کے دوران بروز عرفہ' عرفات میں ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر کے وقت میں جمع کر کے ادا کی گئیں۔نمازوں کی یہ جمع تاخیر کہلاتی ہے۔اسی سال 9 ذی الحجہ کو خطبہ عرفات کے دوران ہی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم الاسلام دينا.''

[1] ترجمہ۔آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کرلیا۔''

خطبہ عرفات سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے غروب آفتاب تک وقوف فرمایا اور پھر مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔

قیام عرفات کے دوران ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ احرام کی حالت میں کون سے کپڑے پہن سکتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا نہ قمیص پہنے' نہ شلوار' نہ دستار نہ ٹوپی نہ موزے الّا یہ کہ کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو موزے ٹخنوں کے نیچے کاٹ کر پہن لے۔ایسا کوئی کپڑا نہ پہنے جس کو زعفران لگا ہو۔

1 المائدہ:3

عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو قصوی پر سوار کیا۔

یوم النحر کی صبح آنحضرت ﷺ نے وقوف مزدلفہ فرمایا اور ایک اور عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے آپ ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سوار کرلیا۔ جب حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے تو قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے والد انتہائی ضعیف العمر اور کمزور ہیں سواری پر نہیں بیٹھ سکتے کیا ان کی جانب سے میں عمرہ و حج ادا کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تم اپنے والد کی طرف سے حج وعمرہ کرسکتی ہو یوم النحر کو جمرہ عقبی کی رمی سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے منی میں ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا کہ ”تمہارے خون‘ تمہارے مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے کے لیے ایسی محترم ہے‘ جس طرح کہ اس دن کی‘ اس شہر میں اور اس مہینے کی حرمت ہے۔“

اس خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے 63 اونٹ اپنے دست مبارک سے قربانی فرمائے۔ ان کی تعداد آپ ﷺ کی عمر مبارک کے سالوں کے برابر تھی۔ قربانی سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے سر مبارک کا حلق کرایا اور احرام کھول دیا۔ احرام کھول دینے کے بعد آپ ﷺ طواف زیارت کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ ظہر کے وقت طواف رکن ادا کیا۔ بعد ازاں چاہ زمزم پر تشریف لے گئے اور آب زمزم نوش فرمایا۔ اس کے بعد منی واپس تشریف لے گئے اور وہاں تین دن قیام فرما کر جمرات کی رمی فرمائی۔ مؤرخین یہ تین دن‘ اتوار‘ پیر اور منگل بتاتے ہیں۔ پھر بدھ کی رات کو طلوع آفتاب سے پہلے آپ ﷺ نے طواف وداع کیا اور مکہ سے رخصت ہو کر عازم مدینہ ہوئے۔

خطبہ غدیر خم:

حجۃ الوداع سے واپسی پر جب آپ ﷺ ”غدیر خم“ کے مقام پر پہنچے جو جحفہ کے نواح میں واقع ہے تو وہاں ظہر کی نماز ادا فرمائی اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ میرا مولی اور دوست ہے (حامی اور مددگار ہے) اور میں ہر مومن کا مولی (محبوب) ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر فرمایا جس کا میں دوست ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دوست ہیں۔ اے اللہ! جو شخص ان سے دوستی رکھے اس سے تو بھی دوستی رکھ اور جو شخص ان سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ جو ان کی مدد کرے تو اس کی مدد کر جو ان کی مدد سے ہاتھ کھینچے تو بھی اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دے اور یہ جہاں ہوں تو حق کو اس طرف پھیر دے کہ جہاں یہ ہوں وہاں حق ہو۔

واپسی کے سفر میں جب آپ ﷺ کی نگاہ مبارک مدینہ منورہ پر پڑی تو اس اعلیٰ مقام کی عظمت اور شرف کے پیش نظر آپ ﷺ نے تین مرتبہ تکبیر با آواز بلند کہی۔ یہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت طلب فرماتے اور امن و سلامتی کے ساتھ واپس پہنچ جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔

ماخذ: مدارج نبوت جلد دوم از الشیخ عبدالحق محدث دہلوی‘ محسن انسانیت از نعیم صدیقی پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر‘ عہد نبوت کے ماہ و سال از مولانا ہاشم مقالہ محمدؐ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی‘ سیرت ابن ہشام اردو سیرت انسائیکلوپیڈیا ‘دار السلام۔ سیرت ابن اسحاق ترجمہ گلیوم

632ء/ 11ھ کے اہم وقائع اور

سال گیارہ ہجری کے اہم وقائع آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری سال کے وقائع ہیں جو آپ ﷺ کے مرض‘ وصال شریف اور اس سے متعلقہ امور کے گرد گھومتے ہیں۔ اسی سال کے آغاز میں چند شقی القلب اور جاہل لوگوں کے سروں میں جھوٹی نبوت کا دعوی کرنے کا سودا سمایا۔

1 مئی 632ء/ صفر 11ھ اسود عنسی کذاب کا قتل

10ھ میں کسریٰ فارس کی طرف سے یمن کے مقرر کردہ حکمران باذان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بھی یمن کی حکومت پر بحال رکھا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد یمن کی حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ایک حصے پر باذان کا بیٹا شہر بن باذان حکمران تھا۔ اسی حصے میں اسود عنسی نامی کذاب نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعوی کر دیا اور اپنی فوج سے اہل صنعاء پر غلبہ پالیا اور شہر بن باذان کو قتل کر کے اس کی بیوی مرزبانہ کی خود خواستگاری کی۔ اس علاقے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ عامل‘ مردہ بن مسیک نے یہ تمام حالات آنحضرت ﷺ کو لکھ بھیجے۔ آنحضرت ﷺ نے جواباً تحریر فرمایا کہ تم متحد ہو کر اسود عنسی کے شر و فساد کو ختم کرو۔ جس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ‘ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وغیرہ سب مجتمع ہو گئے اور انہوں نے شہر بن باذان کی بیوی مرزبانہ کو پیغام بھیجا کہ تمہارے والد اور شوہر کے قاتل اسود عنسی کے ساتھ کیا تم آرام سے زندگی بسر کرسکو گی؟ اس نے جواباً پیغام میں کہا کہ میں اسود عنسی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا دشمن خیال کرتی ہوں۔ اس پر مسلمانوں نے اسے پیغام دیا کہ جس طرح ممکن ہو اس ملعون کی زندگی کا خاتمہ کرو۔ مرزبانہ نے ایک آدمی فیروز دیلمی اور اس کے ایک ساتھی کو تیار کیا کہ وہ دوران شب دیوار کو توڑ کر اسود عنسی کی خواب گاہ میں داخل ہوں اور اسے قتل کر دیں یاد رہے کہ فیروز رضی اللہ عنہ دیلمی نجاشی کا بھانجا اور اسی سال 11ھ

میں اسلام لایا تھا۔مقررہ شب مرزبانہ نے اسود عنسی کو زیادہ مقدار میں شراب پلائی وہ سرمستی کے عالم میں سو گیا۔اس نے اپنی خوابگاہ کے دروازے پر بہت سے پہریدار مقرر کر رکھے تھے۔فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے عقب سے اس کی خوابگاہ میں نقب لگائی اور اندر داخل ہو کر اس ملعون کا سر اڑا دیا۔جب اسے سوتے ہوئے قتل کیا گیا تو اس کے حلق سے گائے کے ڈکارنے کی آواز نکلی اس پر اس کے پہریداروں نے خوابگاہ میں داخل ہو کر ماجرا معلوم کرنا چاہا تو مرزبانہ نے کہا کہ خبردار کوئی آگے نہ بڑھے کہ تمہارے نبی پر وحی نازل ہو رہی ہے۔

اس کے قتل کی خبر فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو مدینہ بھجوائی مگر قاصد کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا۔تاہم آنحضرت ﷺ کو اپنے وصال سے ایک دن پہلے بذریعہ وحی اس کا علم ہو چکا تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بتایا تھا کہ آج اسود عنسی قتل کر دیا گیا۔جب عرض کیا گیا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ مبارک آدمی "فیروز" ہے۔

مئی 632ء/صفر 11ھ آنحضرت ﷺ کو دردِ سر کی معمولی شکایت' مرض وفات

ماہ صفر 11 ھ کے آخری ایام میں پہلی بار آپ ﷺ کو دردِ سر کی معمولی سی شکایت ہوئی۔یہ رفیق اعلیٰ سے وصال کی عملی تیاریوں کی ابتدائی علامت تھی۔اس مرض کا آغاز حضرت میمونہؓ کے حجرہ شریف سے ہوا تھا۔ارباب سیرت کے مطابق آپ ﷺ کے اس مرض وفات کی مدت تیرہ دن ہے۔

مئی 632ء/صفر 11ھ شہدائے احد اور اہل بقیع کے لیے دعا و استغفار

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات آنحضرت ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور میں سوئی ہوئی تھی جب بیدار ہوئی تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ بستر خواب میں نہیں ہیں۔میں آپ ﷺ کو تلاش کرتی ہوئی گھر سے نکلی اور دیکھا کہ آپ ﷺ قبرستان بقیع میں آئے ہوئے ہیں۔آپ ﷺ بڑی دیر تک بقیع میں کھڑے رہے اور آپ ﷺ نے تین بار اپنے ہاتھ اٹھا کر اہل بقیع کے لیے دعا مانگی پھر لوٹ آئے اور میں بھی واپس آ گئی۔میں آنحضرت ﷺ کی واپسی سے پہلے ہی گھر آ گئی اور لیٹ رہی۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے آئے اور جب مجھے مضطرب دیکھا تو پوچھا اے عائشہ! تمہارا کیا حال ہے اور تجھے کیا ہوا ہے کہ مضطرب نظر آتی ہو؟ میں نے صورت حال عرض کی تو

1 بحوالہ نبوت کے ماہ وسال از مولانا مخدوم ہاشم ٹھٹھوی

آپ ﷺ نے فرمایا کہ واپسی میں وہ جو سایہ میرے آگے آگے تھا شاید تم تھیں۔پھر نرمی سے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ تم گمان کرتی ہو کہ خدا اور اس کا رسول ﷺ تمہارے حق میں ظلم کرتے ہیں۔میں عرض کیا کہ مجھے معذور سمجھیں۔میں کیا کروں کہ بشری جبلت کی حامل ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیلؑ آئے اور انہوں نے گھر کے باہر سے آواز دی چونکہ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے تمہیں سوتا ہوا چھوڑا۔جبرائیل علیہ السلام وحی لائے کہ تمہارا پروردگار کا حکم ہے کہ اہل بقیع کے پاس تشریف لے جائیں اور ان کے لیے استغفار فرمائیں۔

ایسی ہی روایت آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابومویہبہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک رات آپ ﷺ نصف شب کے بعد مجھے ساتھ لے کر نکلے اور بقیع غرقد تشریف لے گئے۔وہاں پہنچ کر آپ ﷺ دیر تک اہل بقیع کے لیے دعا فرماتے رہے۔پھر فرمایا۔"ابو! تاریک رات کے سیاہ ٹکڑوں جیسے تاریک فتنے یکے بعد دیگرے بڑھے آ رہے ہیں اور پچھلا پہلے سے بدتر ہے۔نیز فرمایا کہ مجھے دنیا کے خزانے عطا کیے گئے اور مجھے اختیار دیا گیا کہ دنیا میں رہنا پسند کروں یا دارالخلد کی جنت میں جا کر اپنے رب سے ملاقات کروں اور میں نے اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو پسند کر لیا۔"[1]

ایام مرض کے دوران ہی ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا۔اللہ لعنت کرے یہود پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔

27 مئی 632ء/یکم ربیع الاول 11ھ سریہ حضرت اسامہ بن زیدؓ

22 مئی 632ء/26 صفر 11ھ کو آنحضرت ﷺ نے ملک شام پر قابض رومیوں کے خلاف ایک عسکری مہم کی تیاریوں کا حکم دیا۔اگلے دن یعنی 27 صفر کو آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کو اس عسکری مہم کا امیر لشکر مقرر فرمایا۔یہ عسکری مہم جو تاریخ اسلام میں سریہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہلاتی ہے۔آنحضرت ﷺ کی زندگی میں سلسلہ غزوات اور سرایہ کی آخری کڑی تھی۔ابھی یہ عسکری تیاریاں جاری تھیں کہ مؤرخہ 28 صفر 11ھ کو آنحضرت ﷺ کی طبع ناساز ہو گئی اور بخار و سر درد میں اضافہ ہو گیا۔اگلے دن باوجود طبیعت کی ناسازی کے آپ ﷺ نے اس عسکری مہم کے لیے اپنے دست اقدس سے جھنڈا تیار فرمایا اور یکم ربیع الاول کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔اس عسکری مہم میں اکابر صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ سوائے

1 مدارج نبوت از مولانا عبدالحق محدث دہلوی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سب شامل تھے۔ کچھ لوگوں کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ اکابر مہاجرین وانصار پر ایک غلام زادہ کو امارت دی گئی تھی اسی بنا پر مجالس ومحافل اس عسکری مہم کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کو جب ان چہ میگوئیوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ کی طبع مبارک بوجھل ہوگئی۔ آپ ﷺ کو غصہ آیا۔ اگرچہ سر درد اور بخار کے عارضہ میں مبتلا تھے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ سر پر پٹی باندھ کر کاشانہ نبوت ﷺ سے باہر تشریف لائے اور مسجد شریف میں منبر شریف پر تشریف فرما ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! تم اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر امیر بنائے جانے سے انحراف کرتے ہو اور چہ میگوئیاں کر رہے ہو۔ غزوۂ موتہ میں جب میں نے ان کے والد کو امیر مقرر کیا تھا تو اس وقت بھی تم نے اعتراضات اٹھائے تھے۔ خدا تعالیٰ کی قسم وہ امارت کے مستحق ہیں اور اس کے قابل ہیں اور ان کا باپ بھی امارت کا سزاوار تھا۔ میرے نزدیک لوگوں میں زیدؓ بڑے محبوب تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا اسامہ رضی اللہ عنہ بھی بہت عزیز ہے۔ یہ مختصر خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ منبر سے اترے اور کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عمر بعض ارباب سیر کے نزدیک اٹھارہ یا انیس برس تھی اور بعض سیرت نگاروں نے بیس سال لکھی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج نبوت میں اس واقعہ کو 10 ربیع الاول 11ھ کا قرار دیا ہے۔ روانگی کے وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا سر مبارک اور ہاتھ چومے' آنحضرت ﷺ مرض کی شدت کی وجہ سے بول نہیں سکتے تھے پھر بھی آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک پہلے آسمان کی طرف بلند فرمایا اور پھر اسے اسامہ پر اتارا۔ شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں آپ میرے حق میں دعا فرما رہے تھے۔ بعد ازاں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید آپ ﷺ کے حجرہ اقدس سے نکل کر لشکر گاہ واقع مقام جرف تشریف لے گئے اور اپنی فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ خود سوار ہونے والے ہی تھے کہ ان کی والدہ' حضرت ام ایمنؓ کا پیغام آ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ نزاع میں ہیں۔ یہ پیغام ملنے پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ کرام واپس مدینہ آگیے اور حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا نبی کریم ﷺ کے حجرے کے دروازے پر نصب کر دیا۔ 12 ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا حکم دیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس کا بہت اہتمام فرمایا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر یکم ربیع

الآخر کو مقام جرف سے روانہ ہوئے آپ کے لشکر میں 700 قریشی شامل تھے۔ ابنیٰ کے مقام پر دشمنوں سے جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور حضرت اسامہ اس مہم سے کامیاب وکامران لوٹے۔

3 مئی 632ء/5 ربیع الاول 11ھ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں مستقل قیام

بعض ارباب سیر کے مطابق گورستانِ بقیع سے واپسی پر ہی آپ ﷺ کو ہلکا ہلکا درد سر شروع ہوا تھا۔ پھر صفر کی انتیسویں تاریخ کو ایک جنازہ کے ساتھ آتے جاتے ہوئے اس میں شدت آ گئی تھی۔ مرض کے ابتدائی ہلکے حملے کے دوران میں آپ ﷺ گیارہ روز تک مسجد میں تشریف لا کر خود ہی نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔ سیرت نگاروں کے مطابق شدت مرض سے گھر کے اندر صاحب فراش رہنے کی مدت صرف ایک ہفتہ کے لگ بھگ ہے۔ تکلیف بڑھنے پر ازواج مطہراتؓ سے اجازت لے کر آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں مستقل طور پر قیام فرما رہے۔ سیرت نگاروں نے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں منتقلی کی تاریخ 31 مئی 632ء/5 ربیع الاول 11ھ لکھی ہے آپ ﷺ گلے آٹھ دن تک حجرہ سیدہ عائشہؓ میں اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مقیم رہے اور آج بھی وہیں محوِ راحت ہیں۔

2 جون 632/7 ربیع الاول 11ھ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے لیے وصیت نامہ

7 ربیع الاول 11ھ کو جب آنحضرت ﷺ کے مرض نے شدت اختیار کی تو اس وقت آپ کے حجرہ مبارک میں صحابہ کرامؓ جمع تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ کہ تمہارے لیے ایک وصیت لکھوا دوں تاکہ میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو۔ اس کے متعلق ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت کی تحریر لکھوانا چاہتے تاکہ لوگ آپ ﷺ کے بعد اس معاملے میں اختلاف نہ کریں۔ آنحضرت ﷺ کے مرض کی شدت دیکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو (اس شدت مرض میں) تحریر لکھوانے کی زحمت نہ دو کہ آپ ﷺ پر درد والم کا غلبہ ہے۔ ہمارے درمیان قرآن مجید موجود ہے۔

3 جون 632ء/بروز پنجشنبہ 8 ربیع الاول 11ھ خطبہ ایام آخر

حجرہ سیدہ عائشہؓ میں قیام کے دوران کئی بار طبیعت ناساز ہوئی اور کئی بار آپ ﷺ کو افاقہ بھی محسوس ہوا۔ طبیعت کے ناساز ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے کئی بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ امامت کریں اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھائیں جس پر انہوں نے نماز پڑھائی۔ ایک روز ظہر کے وقت آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور مسجد میں تشریف لا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ اس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آنحضور ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور تمام لوگ حضرت ابوبکرؓ کی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ ﷺ نے اس بات کو دہرایا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اختیار دیا کہ دنیا میں رہیں یا اللہ کے ہاں رہنا قبول کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اب اللہ کے ہاں رہنا پسند فرمایا ہے۔

اسی خطبے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے سوا باقی سب لوگوں کے گھروں کی جو کھڑکیاں جو مسجد میں کھلتی تھیں وہ بند کردی جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں سب کھڑکیاں ماسوائے حضرت ابوبکرؓ کی بند کردیں گئیں۔ اسی خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکرؓ کے ہیں جوانہوں نے اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعے کیے ہیں۔ اسی خطبہ میں آپ ﷺ نے انصار کے حق میں وصیت کرتے ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی۔

4 جون تا 7 جون 632ء / 9 ربیع الاول تا 12 ربیع الاول آخری ایام میں دوران مرض کے وقائع

آخری ایام میں دوران مرض آنحضرت ﷺ کی لخت جگر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ آپ ﷺ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی مرض میں میرا سفر آخرت ہوگا۔ سیدہؓ یہ سن کر رو پڑیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ان کے کان میں سرگوشی فرمائی اور کہا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم آ کر مجھے ملوگی۔'' اس پر سیدہ کے چہرے پر خوشی کے آثار ہویدا ہوئے اور آپؓ ہنس دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدہ سے پوچھا کیا تم اس پر رضامند نہیں ہو کہ خواتین اہل جنت کی سردار ہو؟

دوران مرض ہی آپ ﷺ نے 40 غلام آزاد فرمائے اور صحابہ کرام کو وصیت فرمائی کہ ''انتقال کے بعد مجھے غسل دینا' کفن پہنانا اور میری چارپائی میری قبر کے کنارے' جو اسی مکان میں ہوگی رکھ کر کچھ دیر کے لیے باہر چلے جانا' میری نماز جنازہ سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام پڑھائیں گے' پھر حضرت میکائیل علیہ السلام' پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام اور آخر میں حضرت عزرائیل علیہ السلام۔ ان مقرب فرشتوں کے ساتھ فرشتوں کے عظیم لشکر ہوں گے۔ پھر ان کے بعد بغیر امام کے میرے اہل بیت کے مرد پھر خواتین (تنہا تنہا) نماز جنازہ پڑھیں گی۔ پھر تم لوگ گروہ در گروہ آ کر تنہا تنہا میری نماز جنازہ پڑھنا۔[1]

[1] مدارج نبوت

4 جون 632ء / 9 ربیع الاول 11ھ آپ ﷺ پر تین بار بے ہوشی طاری ہوئی

نبوت کے ماہ وسال میں علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی رقمطراز ہیں کہ جمعہ 9 ربیع الاول کی شب آنحضرت ﷺ پر مرض کی شدت کا غلبہ ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر تین مرتبہ بے ہوشی طاری ہوئی اور آپ ﷺ نماز عشاء کے لیے مسجد میں تشریف نہ لے جاسکے۔ اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ چنانچہ نماز عشاء حضرت ابوبکرؓ نے پڑھائی اور اس کے بعد کے ایام میں بھی ان کی اقتدا میں نماز ادا کی گئی۔ یوں آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کل سترہ نمازوں کی امامت فرمائی جن کا سلسلہ نماز عشاء شب جمعہ سے شروع ہو کر 12 ربیع الاول دوشنبہ کی نماز فجر پر ختم ہوتا ہے۔

آخری تین ایام میں سے ایک دن جب آپ ﷺ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ ﷺ دو آدمیوں کے سہارے سے نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ نقاہت مرض سے آپ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ قدم مبارک زمین پر گھسٹنے سے نشان بن رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ امامت کر رہے تھے آپ ﷺ پہلی صف تک پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور نماز ادا فرمائی جس طرح کے پہلے ذکر آیا اس نماز میں حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی اقتداء کی اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء کی۔

6 جون 632ء / 11 ربیع الاول 11ھ ناگوار بو والی دوا کا قصاص

6 جون' 11 ربیع الاول کو آخری ایام میں جب آپ ﷺ پر مرض کی شدت کا غلبہ بڑھا تو آپ ﷺ نے گفتگو بند کردی۔ آپ ﷺ کے تیمارداروں نے یہ خیال کیا کہ آپ ﷺ کو ذات الجنب کا عارضہ لاحق ہے۔ اس لیے ''لاوڈ' نامی دوا کے ذریعے انہوں نے آپ ﷺ کا علاج کرنا چاہا۔ یہ دوائی اس مرض میں منہ کے دونوں جانب لگائی جاتی ہے۔ جب وہ ایسا کرنے لگے تو آپ ﷺ نے اشارے سے منع فرمایا مگر صحابہ کرام نے یہ خیال کیا کہ شاید اس دوا کی بدبو آپ ﷺ کو ناگوار محسوس ہو رہی ہے اور اکثر اس مرض میں مریض کو ایسا محسوس ہوتا ہے اس لیے انہوں نے آپ ﷺ کو یہ دوا دے دی۔ جب آپ ﷺ کو کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذات الجنب شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس اثر سے محفوظ رکھا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے اس دوا پلانے کا اتنا برا منایا کہ ان لوگوں سے جو اس وقت موجود تھے سوائے حضرت عباسؓ کے بدلہ لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ گھر میں اس وقت جتنے لوگ موجود تھے ان سب کا ''لاوڈ'' کیا جائے چنانچہ بطور قصاص سب کا لاوڈ کیا گیا۔ (نبوت کے ماہ وسال از مولانا ہاشم ٹھٹھوی)

6 جون 632ء/11 ربیع الاول 11ھ سات مشکیزوں سے غسل

ایام مرض کے آخری دن آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ سات مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے لائے جائیں اور ان کے بندھن نہ کھولے جائیں چنانچہ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق جب یہ مشکیزے لائے گئے تو آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ 11 ربیع الاول 11 ھ ہی کو آپ ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اپنے ذاتی جنگی ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے اس آخری دن گھر میں سات دینار موجود تھے۔[1] آپ ﷺ کو خدشہ محسوس ہوا کہ کہیں میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور یہ دینار یوں ہی پڑے رہیں اس لیے آپ ﷺ نے یہ دینار صدقہ کرنے کا حکم دیا مگر آپ ﷺ کی تیمارداری میں انہماک کی وجہ سے وہ دینار صدقہ نہیں کیے جا سکے۔ جب آپ ﷺ کی طبیعت ذرا سنبھلی تو آپ ﷺ نے ان دیناروں کے بارے میں دریافت فرمایا اور منگوا کر انہیں فقرا میں تقسیم کروا دیا۔ مگر اسی رات یعنی 11 ربیع الاول کی رات کاشانۂ نبوت کے چراغ میں تیل تک نہ تھا اور چراغ کو روشن رکھنے کے لیے حضرت عائشہؓ کو چراغ کے لیے تیل اپنی ایک ہمسائی سے ادھار لینا پڑا۔

7 جون 632ء/12 ربیع الاول 11ھ آنحضرت ﷺ کے آخری لمحات اور وصال شریف

12 ربیع الاول، بروز پیر بوقت نماز فجر آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے حجرہ سیدہ عائشہ اور مسجد نبوی ﷺ میں حائل پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز فجر کی امامت کرا رہے ہیں۔ اس روح پرور نظارے سے رخ انور پر کچھ لمحوں کے لیے شگفتگی و اطمینان کا سا چھا گیا اور ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ ادھر جب مسلمانوں نے حضور ﷺ کے رخ زیبا کو دیکھا تو بے قرار ہو گئے اور چاہا کہ نماز کو توڑ کر آپ ﷺ کی مزاج پرسی کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی قلبی کیفیت کو دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو۔ آپ ﷺ نے پردہ گرا دیا اور حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔

12 ربیع الاول 11 ھ کی نماز فجر کے بعد کسی دوسری نماز کا وقت آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں نہیں آیا اور یہ آخری نماز تھی جو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ادا کرتے ہوئے دیکھ کر اطمینان محسوس کیا۔ جب ذرا دن چڑھا تو آنحضرت ﷺ پر بار بار غشی طاری ہونے لگی۔ کچھ دیر کے لیے افاقہ ہوتا اور پھر غشی طاری ہو جاتی۔ آپ ﷺ کی اس

1 مدارج نبوت

کیفیت کو دیکھ کر سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''واکرب اباہ'' ہائے میرے والد کی یہ بے کلی!''

وقت آخر میں آپ ﷺ نے اپنے دونوں نواسوں حضرات حسنین طیبینؓ کو بلایا اور ان کا بوسہ لے کر ان کے بارے میں وصیت خیر فرمائی۔ پھر اس کے بعد ازواج مطہراتؓ کو بلایا اور نصیحت فرمائی۔ بعد ازاں حضرت علیؓ کو بلایا انہوں نے آپ ﷺ کا سر مبارک اپنی گود میں رکھا۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی وصیت فرمائی۔

پھر سیدہ عائشہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''اے عائشہ! جو زہر آلود کھانا میں نے خیبر میں کھایا تھا میں اس کی تکلیف برابر محسوس کرتا رہا ہوں اب بھی مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اس زہر کے اثر سے میری رگ جاں کٹی جا رہی ہے۔''

اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو وصیت فرمائی ''نماز! نماز اور تمہارے زیر دست یعنی لونڈی و غلام! حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے۔[1]

اس کے بعد آنحضرت ﷺ پر نزع کی کیفیت طاری ہو گئی۔ نزع کے عالم میں حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کو سہارا دیے ہوئے تھیں۔ پانی کا ایک پیالہ آپ ﷺ کے سرہانے کی طرف رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ بے کلی کے عالم میں اپنا ہاتھ اس پیالے میں ڈالتے اور اسے چہرہ انور پر پھیر لیتے۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ بار بار متغیر ہو رہا تھا کبھی سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد پڑنے لگتا۔ ان حالات میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ حجرہ سیدہ عائشہؓ میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھوں میں مسواک تھی سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان آخری لمحات میں مسواک کی طرف متوجہ پایا تو میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ مسواک کریں گے۔ جس کا جواب حضور ﷺ نے سر کے اشارے سے اثبات میں دیا۔ میں نے عبدالرحمٰنؓ سے لے کر وہ مسواک سید عالم ﷺ کو دی تو آپ ﷺ کو وہ سخت محسوس ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ اسے نرم کر دوں۔ آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر میں اپنے دانتوں سے مسواک نرم کر دی اور آنحضرت ﷺ نے اچھی طرح سے یہ مسواک کی۔

مسواک سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگشت مبارک چھت کی طرف بلند کی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس لمحے مجھے آنحضرت ﷺ کا جسم کچھ بوجھل سا محسوس ہوا۔ میں نے جب آپ ﷺ کے چہرے پر نظر ڈالی تو آپ ﷺ کی آنکھیں کچھ کچھ پتھرائی ہوئی دکھائی دیں پھر آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو گئے ''بل

1 نبوت کے ماہ و سال، مدارج نبوت

الرفیق الاعلیٰ'' آپ ﷺ نے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر یہ الفاظ دہرائے پھر آپ ﷺ کا ہاتھ جھک گیا اور آپ ﷺ کے جسم و جان پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' یہ واقعہ 12 ربیع الاول 11ھ بروز پیر بمطابق 7 جون 632ء کو پیش آیا۔[1]

جب مسجد نبوی ﷺ میں موجود صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ کے وصال شریف کی خبر ملی تو ان پر بے یقینی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ صحابہ میں حیات نبوی ﷺ کا تصور عام تھا اور پھر کچھ دیر پہلے تو انہوں نے نماز فجر کے وقت آپ ﷺ کی زیارت کی تھی۔ اس وقت آپ ﷺ کے چہرے کی شگفتگی سے ایسا لگتا تھا جیسے آپ ﷺ کی طبیعت مائل بہ صحت و شفا ہے۔ کسی کو گماں تک نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ نہیں اس قدر جلد چھوڑ کہ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ کو بالخصوص آپ ﷺ کے وصال کا یقین نہیں آتا تھا۔ حیات نبوی ﷺ کی جو بشارت سورۃ النصر اور دیگر آیات قرآنی میں دی گئی تھی وہ فی الحقیقت مابعد الوصال کی کیفیت تھی۔ جنگ احد کے دوران جب یہ افواہ پھیلی تھی کہ آپ ﷺ شہید ہوگئے تو صحابہ کرامؓ کی عام ذہنی کیفیت کے پیش نظر انتہائی واشگاف الفاظ میں اس کی واقعی صورت کی طرف اشارہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن ان واضح قرآنی اشارات کے باوجود اس حادثہ جانکاہ کا تاب نہ لاتے ہوئے کئی صحابہ پر وارفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ان صحابہ میں حضرت عمرؓ سب سے آگے تھے۔ آپؓ شدت الم و فرط غم میں تلوار کو بے نیام کر کے کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کہ جو شخص بھی منہ سے یہ بات نکالے گا تو میں اس کی گردن قلم کردوں گا۔ اس موقع پر رازدارِ نبوتؓ مدینہ سے کچھ دور اپنے گھر گئے ہوئے تھے۔ جیسے ہی انہیں اس حادثہ جانکاہ کی خبر ملی آپؓ فوراً مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے آئے۔ پہلے حجرہ نبوی ﷺ میں گئے تو آپ ﷺ کو محوِ استراحت پایا' رخ انور سے چادر ہٹا کر آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر باہر آ کر صحابہ کرام سے مخاطب ہوئے۔ انہیں سمجھایا کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول تھے جیسے ان سے پہلے کہ انبیاء کرام اس کیفیت سے گذرے۔ آپ ﷺ بھی اسی کیفیت (موت) سے دوچار ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا لوگو! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا۔ وہ سن لے کہ محمد ﷺ فوت ہوگئے' لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا' تو یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہے'' اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی۔ اس کے بعد آپؓ نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 144 ''وما محمد الارسول قدخلت من قبلہ الرسل .... تلاوت فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو گذرے ہیں۔ اگر محمد ﷺ

[1] پیغمبر اعظم و آخر، مدارج نبوت

وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل (کفر کی جانب) پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے وہ اللہ کو ذرا سا بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر گذاروں کو نیک اجر دے گا'' پہلے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف توجہ نہیں دی مگر جب لوگوں کو ان کی طرف متوجہ دیکھا اور جب یہ آیت سنی تو ان کی وارفتگی کم ہونے لگی اور وہ ہوش میں آ گئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے تشریف لانے والے انبیاء کرام بھی دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اور یوں 63 سال تک یہ نور ازلی وابدی دنیا کو اپنی تابانیوں سے مستفید کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے پردہ پوش ہوگیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم

7 جون 632ء / 12 ربیع الاول سقیفہ بنو ساعدہ کا شورائی اجلاس

حضرت ابوبکرؓ صدیق مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ کرامؓ کو سمجھانے میں مصروف تھے۔ آپؓ فرما رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے امت میں تنظیم پیدا کی' اب اسے محض شخصی چیز سمجھ کر ختم کر دینا مناسب نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چل کر اس تنظیم کو جاری رکھنا اور رسول اللہ ﷺ کی جگہ کسی اور کو آپ ﷺ کا جانشین مقرر کرنا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین کے بعد آپ ﷺ کی جانشینی کے بارے میں عام مشورہ ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس بات پر سب نے اتفاق کیا' مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا' شاید تجہیز و تکفین پیغمبر ﷺ سے پہلے جانشینی کا فیصلہ ہو جانا ضروری تھا۔ ابھی حضرت ابوبکرؓ صحابہ کرامؓ کو سمجھا ہی رہے تھے کہ اطلاع آئی کہ انصار مدینہ نے سقیفہ بنو ساعدہ میں ایک ہنگامی شورائی جلسہ منعقد کیا ہے تا کہ اس بات کا فیصلہ کیا جا سکے کہ خلافت رسول اللہ انصار کا حق ہے۔[1] اس سلسلے میں جانشین رسول اللہ ﷺ کے طور پر حضرت سعد بن عبادہؓ کا نام پیش کیا جا رہا تھا۔ ان نازک حالات کی خبر جب شیخین کرامؓ کو ملی اس وقت وہ مسجد نبوی ﷺ میں افسردہ و غمگین صحابہ کرامؓ کو نئے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ دونوں حضرات یہ خبر ملتے ہی فوراً سقیفہ بنو ساعدہ پہنچے تا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا جا سکے۔ انہوں نے اس فتنہ کا سد باب کرنے میں کوئی تاخیر کرنا گوارہ نہ کی کہ اگر وہاں فیصلہ انصار کی خلافت کے حق میں ہو جاتا تو مہاجرین اور انصار میں تصادم کی صورت پیدا ہو جاتی۔ سقیفہ بنو ساعدہ کو جاتے ہوئے امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح بھی شیخین کرامؓ کے ہمراہ تھے۔ اجلاس میں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے جب

[1] تاریخ طبری، طبقات ابن سعد

انصار کا یہ دعویٰ سنا تو انہیں اس فیصلہ کے متوقع نتائج سے آگاہ کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ کسی قیمت پر بھی مسلم امۃ کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے اور قبائلی اور علاقائی تعصب آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ختم کر دینا چاہئیں۔ اس پر انصار نے ''ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے کا نعرہ لگایا مگر یہ صورتحال دو متوازی حکومتوں کے قیام کا باعث بن سکتی تھی' اس لیے انصار کے اس نظریہ کو بھی رد کر دیا گیا۔ اس موقع پر اربابِ سیر کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے یا کسی انصاری صحابی نے یہ حدیث پیش کی ''الائمہ من القریش ''یعنی خلفا قریش میں سے ہوں گے۔ اس فرمان نبوی ﷺ کو سن کر سب کی گردنیں جھک گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے نام خلافت کے لیے پیش کیے' مگر حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ سے افضل' حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دست مبارک تھاما اور چاہتے تھے کہ بیعت کریں کہ ایک انصاری صحابی نے کھڑے ہو کر کہا کہ ذرا توقف فرمائیں پہلے مجھے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنے کی فضیلت حاصل کرنے دیں۔ جیسے حضرت عمرؓ یا ان انصاری صحابی نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی سقیفہ بنوساعدہ میں موجود لوگ ان کی بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کو جانشین رسول ﷺ منتخب کر لیا گیا تاہم' حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سقیفہ بنوساعدہ والے انتخاب کو قطعی نہ سمجھا اور شہر میں تین دن تک مسلسل منادی کروائی کہ لوگوں پر اس بیعت کی پابندی لازم نہیں اور وہ خلافت کے لیے کسی موزوں دوسرے شخص کا پوری آزادی سے انتخاب کر سکتے ہیں۔ (۱)۔ آنحضرت ﷺ کی تدفین کے بعد مکرر ان کی بیعت عام ہوئی۔ اس موقع پر یہ یاد دلانا بھی ضروری ہے بلکہ دلیل خلافت صدیقی ہے کہ ایک سے زائد لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر مجھ سے ملاقات نہ ہو تو حضرت ابوبکرؓ کے پاس جانا وہ میرے وعدے کی ایفا کریں گے (۲)۔ اس کے علاوہ مرض الوفات میں حضرت ابوبکرؓ کی کھڑکی کا کھلا رکھنے کا حکم اور سترہ نمازوں کی امامت سے بھی خلافت صدیقی کا استشہاد کیا جاتا ہے۔

جون 632ء/13 ربیع الاول 11ھ تجہیز و تکفین نبوی

تجہیز و تکفین نبوی ﷺ کا کام وفات النبی ﷺ کے دوسرے دن سہ شنبہ کو شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو لباس اتارے بغیر اچھی طرح سے غسل دیا گیا۔ آپ ﷺ کے چچا محترم' حضرت عباسؓ اور ان کے دو صاحبزادے

۱۔ انساب' البلاذری

۲۔ بحوالہ البخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی

فضلؓ اور قثمؓ اور حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کو غسل دیا۔ دوران غسل حضرت اسامہؓ اور حضرت شقرانؓ (آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام) پانی ڈالتے رہے۔ حضرت اوس بن خولہ انصاری بدریؓ کو بھی بطور نمائندہ انصار شامل غسل کیا گیا۔ (۱) یمن میں سحول نامی ایک قصبہ تھا جہاں عہد نبوی ﷺ میں سفید سوتی کپڑا تیار ہوتا تھا۔ سحول کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں آپ ﷺ کو پورے ستر عورت کے ساتھ کفن پہنایا گیا اس ارشاد نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے کہ نبی اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کا وصال ہوا ہو' حضرت عائشہؓ کے حجرہ شریف میں بستر نبوی ﷺ ہی کی جگہ' قبر کھودی گئی' یہ قبر مبارکہ حضرت ابوطلحہؓ نے لحد والی تیار کی۔ جب آپ ﷺ کو کفنا کر چارپائی پر لٹایا گیا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حجرہ شریف میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ انصار و مہاجرین بھی آ گئے۔ صفیں باندھ کر بغیر کسی امام کے فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھی گئی۔ جب سارے مرد نماز جنازہ پڑھ چکے تو پھر خواتین کی باری آئی ان کے بعد بچوں کو نماز جنازہ نبوی ﷺ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ہزارہا افراد نے فرداً فرداً نماز جنازہ ادا کی۔ بوقت تدفین مدینہ منورہ کی زمین میں شور زیادہ ہونے کی وجہ سے قبر شریف میں ایک سرخ قطیفہ (چادر) بچھا دی گئی پھر آپ ﷺ کا جسم اطہر اس پر رکھا گیا۔ یعنی قبر شریف میں اتارا گیا اور مکی رواج کے مطابق قبر کو بند کر دیا گیا۔ یہ خدمت حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے انجام دی۔ ۱؎ آپ کے وصال کے بعد بہت سے اصحابؓ نے دردناک اور پر اثر مرثیے کہے' ان میں حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ حضرت علیؓ' حضور ﷺ کی پھوپھی' حضرت صفیہؓ شاعر بارگاہِ نبوی ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ' سیدہ فاطمۃ الزہراؓ' عاتکہؓ بنت عبدالمطلب' عبداللہؓ بن مسلم' ابوسفیانؓ' الحارث' ہندؓ بنت الحارث' ام ایمنؓ کعبؓ بن مالک کے مرثیے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد جو سب سے اہم مسئلہ تھا وہ تھا آپ ﷺ کی جانشینی کا۔ اہل بیت' انصار اور عام مسلمان اس موقع پر تینوں الگ الگ رجحانوں کے حامل نظر آتے ہیں۔ پرانی قبائلی روش کی بنا پر غیر شعوری طور پر بعض اہل بیت نبوی ﷺ کی خواہش تھی کہ آنحضرت ﷺ کے عزیزوں (بنی ہاشمؓ میں سے کسی کو خلیفہ بنایا جائے)' انصار کے علاقے میں چونکہ آنحضرت ﷺ نے حکومت کی تاسیس کی تھی اور وہیں مدینہ منورہ دارالحکومت بنا تھا اور وہاں اکثریت بھی انصار ہی کی تھی۔ اس لیے وہ خلیفہ انصار میں دیکھنا چاہتے تھے جبکہ عام مسلمانان مدینہ منورہ شورائیت کی طرف مائل تھے اور چاہتے تھے کہ سارے مسلمانوں میں جو شخصیت سب سے موزوں ہو اسی کو خلیفہ منتخب کیا جائے اور پھر یہی ہوا۔ ۱؎ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خصائص نبوت ﷺ

وصال شریف کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے خصائص میں تعدد صلوٰۃ' ترک جماعت' اپنے گھر میں تدفین کے علاوہ عدم میراث کی خصوصیت سامنے آئی۔ عدم میراث الانبیاءؑ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "انا معاشر الانبیاء لاترث ولا نورث ما ترکناہ صدقة۔ نبیوں کی ہم ایسی جماعت ہیں کہ کسی کی میراث نہیں لیتے اور نہ ہماری کوئی وراثت لیتا ہے۔ اور ہم جو ترکہ چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ (المدارج نبوت' شیخ عبدالحق محدث دہلوی) آنحضرت ﷺ نے اپنے وصال شریف کے بعد یہ ترکہ چھوڑا تھا۔ ایک دراز گوش' اسلحہ' قمیص مبارک' چادر مبارک اور اس طرح کے چند اور ملبوسات اور بنی نضیر' خیبر اور فدک کی زمینیں۔ فدک کی زمین آپ ﷺ کے لیے مخصوص تھی' اس سے آپ ﷺ ازواج مطہراتؓ کا نان ونفقہ' فقرا اور مساکین کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد جب حضرت ابوبکر ؓ کا عہد خلافت آیا۔ اس وقت سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے میراث نبویؐ کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مندرجہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں وارثت نہ دی۔ اس پر سیدہ فاطمہؓ نے ان سے پوچھا۔ آپؓ وصال پاجائیں گے تو آپؓ کا وارث کون ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری اولاد اور میری اہل۔ اس پر سیدہؓ نے فرمایا کہ پھر کس بنا پر آپؓ مجھے میرے والد گرامی قدر کی میراث کی وارث نہیں سمجھتے؟ اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہماری میراث نہیں ہوگی' لیکن میں خلیفۃ الرسول ﷺ ہوں لہٰذا جس شخص کی عیالداری آنحضرت ﷺ فرماتے تھے میں بھی اس کی عیالداری کروں گا اور آنحضرت ﷺ نے جو اموال چھوڑے ہیں میں اس آمدنی اس جگہ صرف کروں گا جہاں آپ ﷺ صرف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو جو عطا فرماتا ہے وہ عطا اس کے واسطے بھی ہوتی ہے جو اس نبی کے بعد اس کے معاملات کو قائم رکھنے والا ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے لوگ تھے

ا (حاشیہ صفحہ گزشتہ) السیرۃ النبویۃ از ابن کثیر' طبقات ابن سعد' دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی' مقالہ محمدؐ' عہد نبوت کے ماہ وسال' مولانا ہاشم ٹھٹھوی نبی رحمتؐ' مولانا ابوالحسن ندوی' محسن انسانیت' نعیم صدیقی' پیغمبر اعظم و آخر' ڈاکٹر نصیر احمد ناصر' مدارج النبوۃ جلد دوم' شیخ عبدالحق محدث دہلوی' سیرۃ النبیؐ' انسائیکلوپیڈیا' سید قاسم محمود' سیرت انسائیکلوپیڈیا دارالسلام رسول نمبر' نقوش از محمد طفیل' تاریخ طبری جلد اول' انساب الاشراف البلاذری انسائیکلوپیڈیا سیرت' اخلاق احمد قادری' شواہد نبوت' مولانا عبدالرحمٰن جامی خصائص الکبریٰ' مولانا عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی' عہد نبویؐ کے میدان جنگ ڈاکٹر حمید اللہ۔

جن سے رسول اللہ نے وعدے فرمائے تھے کہ تم کو کچھ عطا کروں گا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد وہ لوگ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کے وعدہ کے مطابق وہ موعودہ چیز عطا فرمائی۔ اسی طرح سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے مطالبہ وراثت کے جواب میں دیگر صحابہ کرام کی گواہی کے بعد آپ ؓ وراثت نبوی ﷺ نہ دینے کے فیصلہ پر قائم رہے البتہ آپ ؓ نے یہ فرمایا کہ یہ اموال آل محمد ﷺ اسی طرح خرچ کریں جس طرح عہد نبویؐ میں کرتے تھے۔ یہاں بعض مؤرخین یہ عجیب وغریب امر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ کے اس جواب سے سیدہؓ بڑی ناراض ہوئیں اور اپنے وصال تک ان سے ناراض اور کنارہ کش رہیں۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ سیدہؓ تک یہ حدیث مبارکہ شاید نہیں پہنچی تھی مگر جب پہنچائی گئی تو انہوں نے اسے قبول کیوں نہیں کیا؟ محققین آپ ؓ کی اس ناراضگی کو بوجہ طبیعت قرار دیتے ہیں تاہم اس ناراضگی کا مستقل قائم رہنا نادر چیز ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ اپنے مرض الوصال میں سیدہؓ حضرت ابوبکر ؓ سے راضی ہوگئی تھیں۔ بیہقی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کے ایام بیماری میں حضرت ابوبکر ؓ ان کی عیادت کے لیے ان کے ہاں تشریف لے گئے تھے اور ان کے دروازے پر کھڑے رہے تھے اور آپؓ سے اجازت چاہتے تھے۔ حضرت علی ؓ نے سیدہؓ سے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کھڑے ہیں اور آپؓ سے اجازت چاہتے ہیں۔ سیدہؓ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا کہ کیا آپ ؓ کو یہ پسند ہے کہ میں انہیں اجازت دوں انہوں نے فرمایا ہاں۔ اس پر سیدہؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کو عیادت کی اجازت عطا فرمائی اور حضرت ابوبکر ؓ ان کے گھر میں داخل ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے سیدہؓ سے معذرت خواہی کی اور وہ آپ ؓ سے ناراض نہ رہیں۔[1]

عدم میراث کا سبب: ۔ مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں کہ کچھ علماء کے نزدیک انبیاء کرام کا زندگی سے متصرف ہونا عدم میراث کا سبب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے معراج شریف کے متعلق حدیث میں فرمایا تھا کہ میں نے حضرت موسیٰ کو ان کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ بالخصوص سید الانبیاءؐ تو حیات ابدی سے متصرف ہیں اور یاد رہے کہ وراثت مردہ لوگوں کی تقسیم ہوا کرتی ہے زندہ لوگوں کی نہیں۔

حیات النبیؐ بعد از وفات النبیؐ: ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج نبوت'' میں رقمطراز ہیں کہ آنحضرت ﷺ حقیقت باطنیہ میں سراپا اصل اور مبداء حیات ہیں۔ ہاں البتہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد

ا مدارج النبوۃ جلد دوم' شیخ عبدالحق محدث دہلوی

خداوندی کل نفس ذائقۃ الموت کے مطابق موت کا ذائقہ ضرور چکھا۔ ذائقہ موت چکھنے کے بعد آپ ﷺ سراپا حیات ہی حیات ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امام مالکؒ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ یہ بارگاہ نبوی ﷺ کے خاص پڑوسیوں میں سے ایک تھے وہ اس کو مکروہ گردانتے تھے کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یوں کہنا چاہیے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ یہاں یہ بھی واضح ہو کہ تمام علمائے ملت انبیاء علیہم السلام کی حیات پر متفق ہیں اور اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں پایا جاتا۔ نیز یہ کہ شہدائے کرام کی زندگی سے بھی انبیائے کرام کی حیات ابدی کا استشہاد ملتا ہے کیونکہ خدا کے نزدیک شہیدوں کی حیات معنوی اور اخروی ہے جبکہ انبیائے کرام کی حیات پاک دنیاوی ہے اس بارے میں احادیث و آثار کثرت سے آئے ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ **الانبیاء احیاء فی قبورھم** ۔ یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

اسوۂ حسنہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی تھے۔ یہاں بات واضح کی جاتی ہے کہ نبی کا اسلامی تصور یہ نہیں کہ وہ عقائد، عبادات اور احسان (تصوف) کی تعمیل تک خود کو محدود رکھے، بلکہ نبی کا اسلامی تصور یہ ہے کہ یہ بھی اس طرح ضروری ہے کہ وہ دین و دنیا دونوں کے حسنات کا عملی راستہ دکھائے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے دین بھی سکھایا اور ایک مملکت چلا کر دنیاوی حسنات کی بھی تعلیم دی۔ شادی کر کے گھریلو زندگی کا عمدہ نمونہ امت کے لیے چھوڑا۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے کثیر پہلوؤں میں سے ہر ایک پر بحث کرنا کم از کم یہاں ممکن نہیں۔ البتہ آپ ﷺ کی عظیم شخصیت کے چند پہلوؤں کو اجاگر کرنا یا ان کی طرف اشارہ کرنا یہاں مقصود ہے تا کہ آپ ﷺ کی شخصیت کی عظمت کا کچھ اندازہ نذرِ قارئین کیا جاسکے۔

دینی تعلیمات: ۔ دین اسلام کی اساس مجملاً قرآن کریم میں موجود ہے اس کی تشریحات اور عملی صورتیں حدیث شریف سے منعکس ہوتی ہیں۔ ان سب کا خلاصہ ہمیں حدیث جبرائیل علیہ السلام میں ملتا ہے جسے امام بخاریؒ اور امام مسلم اور دیگر محدثین نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے۔ ایک دن مدینہ منورہ میں ایک اجنبی اور غیر معروف بدوی شخص آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ، ملائکہ، کتب، انبیاء یوم آخرت کو اور خیر و شر سب ہی کو تقدیر الٰہی کی طرف سے ہونے کو ماننا۔ اجنبی نے کہا آپ ﷺ نے صحیح فرمایا۔ پھر اس نے سوال کیا اسلام کیا ہے؟ فرمایا: ہر روز پنج وقتہ نماز پڑھنا، رمضان میں مہینہ بھر روزے رکھنا، زکوۃ ادا کرنا اور استطاعت ہو تو زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ حج

کرنا اسلام ہے۔ اجنبی نے اس کی بھی تصدیق اثبات میں کی۔ پھر سوال کیا احسان کیا ہے؟ فرمایا: خدا کی عبادت اس طرح کرنا گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ یہ بتایئے کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: مجھے اس کا تم سے زیادہ علم نہیں۔ اس پر وہ اجنبی اٹھ کر چلا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں گیا ہے؟ مگر وہ بالکل غائب ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (۱) یہ حدیث جبرائیل علیہ السلام فی الواقع دین کا خلاصہ ہے۔ اس میں عقاید و عبادات بھی ہیں اور دین و دنیا کا اجتماع بھی اور ہر چیز کو بہترین طریقے سے انجام دینے کی تدبیر بھی۔ اس پر نظر ڈالیں تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ دین گویا ایک خوبصورت عمارت ہے، عقائد اس کی چھت ہیں، جسے عبادات کے چاروں ستون تھامے ہوئے ہیں اور اس عمارت کی آرائش و زیبائش احسان (تصوف) کے ذریعے ہوتی ہے۔

معجزات، ایمان، عقائد سے نزدیکی چیز

معجزات الانبیاء ایمان، عقائد سے قریبی تعلق رکھنے والی ایک چیز ہیں۔ اس لیے مندرجہ بالا حدیث جبرائیل علیہ السلام کے حصہ دوم یعنی عبادات سے قبل ان کا مختصراً ذکر کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ پیغمبرؑ سے ہوں تو اسے معجزہ کہتے ہیں، ولی اللہ سے ہوں تو کرامت کہلاتی ہیں اور کسی شیطانی تعلیم دینے والے سے ہوں تو اسے استدراج (یعنی آزمائش) کا نام دیا جاتا ہے۔ ظاہری شکل میں ان تینوں میں باہم کوئی فرق نہ ہونے سے ان میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر دینی اور مذھبی تعلیم اور اس پر عمل کو معیار ٹھہرایا جائے تو مسئلہ آسان ہو جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ ہر خرق عادت چیز خدا اور صرف خدا سے ہی صادر ہوتی ہے۔ پیغمبر تک بذات خود معجزہ دکھانے پر قادر نہیں ہوتا بلکہ پیغمبرؑ کی شدید ضرورت کے وقت خدا اس کی تقویت کے لیے صادر کرتا ہے۔ درحقیقت معجزہ تائید الٰہی کی آخری صورت ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے قرآن مجید خود ایک معجزہ ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ معجزہ دیکھنے کے باوجود بری فطرتیں ایمان نہیں لاتیں۔ معجزہ ایک اتمام حجت ہے، موجب ایمان نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے سابقون الاولون معجزہ دیکھے بغیر اسلام ایمان لے آئے تھے، تاہم پست کردار لوگ جیسے ابوجہل اور ابولہب معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے اور بحالت کفر ہی مرے۔ غرض معجزہ برحق ہے، تاہم قرآن مجید ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتا ہے (۲) اس کے باوجود قرآن مجید میں بیشتر پیغمبران کرام کے معجزات کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً نوح علیہ السلام کا طوفان، ابراہیم علیہ السلام کے لیے آتشکدہ نمرود کا ٹھنڈا ہو جانا۔ موسیٰ کا ید بیضا اور عصا کا سانپ بن جانا۔ عیسیٰ کے ہاتھوں بیماروں کا تندرست، مٹی کے پرندنما

---

۱ البخاری، کتاب الایمان ۲ البقرہ:3

کھلونوں کا واقعی زندہ پرندہ بن جانا اور مردوں کا زندہ ہو جانا اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے معجزات اتنے کثیر ہیں کہ ان پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ مثلاً دوبارہ مردوں کا زندہ ہونا' کھجور کے تنے کا باآواز بلند رونا' گونگے کا بات کرنا' شق صدر' شق قمر' درخت کا اپنی جگہ سے چل کر دوسری جگہ چلا جانا۔ ہاتھ کی انگلیوں سے کثیر مقدار میں نوش کیے جانے والے پانی کا نکلنا' آپ ﷺ سے چرندوں کا باتیں کرنا گھر کا محاصرہ کیے ہوئے لوگوں کے بیچ میں سے ہجرت کی رات صاف بچ نکلنا' غائب کی خبریں دینا کہ تم نے فلاں کام کیا ہے۔ فرشتوں کا آپ ﷺ کی مدد کے لیے آنا' معراج کی شب آسمانوں سے بھی پرے خطیرۃ القدس اور قاب وقوسین تک پہنچنا۔ ایسا قرآن مجید پیش کرنا کہ اس جیسا تو کیا اس کی آیات جیسی محض تین آیات کی مثال لانا بھی جن وانس کی متحدہ کوششوں کے باوجود ممکن نہیں وغیرہ۔ ہر قسم کے بکثرت معجزات آنحضرت ﷺ سے صادر ہوئے ہیں تاہم اس کے باوجود قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہ فکر وتدبر سے کام لو۔ عقل سے اور ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرو تو اسلام کی حقانیت خود ہی تم کو قائل کر دے گی۔ اگرچہ ایمان لانے کے لیے معجزات پر انحصار درست نہیں مگر یاد رہے کہ معجزہ سے انکار کفر ہے۔ اسلام نے معجزات سے زیادہ عقل وفکر اور غور وتدبر پر زور دیا ہے اور ان سے کام لے کر دینی مسائل کو سمجھنے کی تلقین کی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی عادات شریفہ

مختلف روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جسم اور لباس کی طہارت اور صفائی کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ریش مبارک رکھی ہوئی تھی' کبھی کبھار سر کے بالوں کو بھی بڑھا لیتے تھے۔ مگر آپ ﷺ بالوں کو نہایت صاف ستھرا اور کنگھی سے سنوار کر رکھتے تھے' یہ سب آپ ﷺ کی عادات شریفہ میں شامل تھا۔ آپ ﷺ تیز چلتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ہمراہ چلنے والے اصحاب کو آپ ﷺ کے ساتھ قدم ملانے میں دقت پیش آتی تھی۔ مگر گفتگو انتہائی آہستگی سے کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ اتنا ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ آپ ﷺ کے ہر لفظ کا ایک ایک حرف باآسانی شمار کیا جا سکتا تھا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ جو کچھ ارشاد فرمائیں' سامعین اسے بخوبی سمجھ لیں۔ آپ ﷺ ہمیشہ سادہ اور شائستہ زبان استعمال فرماتے تھے' خواہ آپ ﷺ کسی فرد سے گفتگو فرما رہے ہوتے یا مسلمانوں سے کوئی اجتماعی خطاب فرما رہے ہوتے۔ آپ ﷺ کا طرز تکلم ہر قسم کے تصنع اور بناوٹ سے پاک ہوتا تھا۔ حضور علیہ السلام انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے' اپنی بکریوں کو دوہ لیتے اور اسے چھوٹے موٹے کاموں کے

لیے اپنے خدام کو تکلیف دینا گوارہ نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ذاتی خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: میں نے دس سال تک آنحضرت ﷺ کی خدمت کی مگر ان دس سالوں میں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ بھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا۔ آپ ﷺ ہمیشہ مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔

شفقت نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ ننھے منے بچوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے اور ان سے بڑا پیار کرتے' آپ ﷺ جہاں کہیں معصوم بچوں کو دیکھ لیتے انتہائی خوش ہو جاتے اور بچوں کو ہنسانے کے لیے ان سے مذاق بھی کرتے۔ آپ ﷺ اپنے نواسوں' جناب حسنین طیبینؓ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ مسجد میں جاتے تو نواسوں کو اپنے پاس کھڑا کر لیتے۔ جب یہ دونوں ذرا باہوش ہوئے تو آپ انہیں مسجد نبوی ﷺ میں دوڑاتے پھراتے' نماز باجماعت کے دوران وہ کبھی کبھار آپ ﷺ کی ٹانگوں میں سے گذر جاتے مگر رسول اللہ اس کا بھی برا نہیں مناتے اور نہ ہی ان کو کچھ کہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ہر ایک سے مشفقانہ برتاؤ کرتے' حتیٰ کہ معمر خواتین آپ ﷺ سے لمبی لمبی بے سروپا گفتگو کرتیں تو بھی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر اکتاہٹ کے آثار ہویدا نہ ہوتے۔ بعض خواتین آپ ﷺ کو بازو سے پکڑ کر روک لیتیں مگر آپ ﷺ ان کے اس انداز سے صرف نظر فرماتے اور انتہائی شفقت سے ان کی باتیں سنتے اور دوران گفتگو اپنا بازو بھی نہیں چھڑاتے تھے۔

دوران سفر آپ ﷺ قافلے کے ہر فرد کے ساتھ رابطہ رکھتے اور بار بار لوگوں کے پاس جا کر ان کا حال دریافت فرماتے تاکہ وہ خوش رہیں۔ ایک ایسے ہی موقع پر آپ ﷺ اپنے پرانے دوست حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جو اپنے بوڑھے اونٹ پر سوار تھے۔ آپ ﷺ نے انتہائی سنجیدگی طاری کرتے ہوئے ان سے ازراہ مذاق فرمایا کیا تم اپنا اونٹ میرے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے ہو؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا مگر اس شرط پر کہ میں یہ اونٹ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کے حوالے کروں گا۔'' اس پر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا مگر اس کی قیمت کیا لو گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا ''یہ آپ ﷺ فرمائیے کہ کیا دیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ایک درہم میں بیچو گے؟ جابرؓ نے آپ ﷺ کا مشفقانہ مذاق نہ سمجھتے ہوئے پکارا۔ ''اے اللہ کے نبی ﷺ کیا آپ ﷺ مجھے لوٹنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''چلو دو درہم لے لو۔'' جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ''ہرگز نہیں'' اس پر آپ ﷺ نے قیمت بڑھاتے ہوئے فرمایا ''تو تین' چار یا پانچ درہم'' اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ رضامند ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیں اور ان کا حال

دریافت کر کے قافلے میں شریک کسی اور کا حال پوچھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت جابرؓ نے اپنی زوجہ کو راستے میں پیش آنے والا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اور بتایا کہ کس طرح دوران سفر آنحضرت ﷺ نے ان سے ایک خوشگوار ملاقات اور بات چیت کی۔ ان کی زوجہ محترمہ کچھ زیادہ ہی محتاط تھیں۔ انہوں نے حضرت جابرؓ کو مشورہ دیا کہ آنحضرت ﷺ کی بات کو مذاق پر محمول نہ کریں بلکہ اپنا اونٹ آنحضرت ﷺ کے گھر لے جائیں۔ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت جابرؓ کے اونٹ لے کر آنے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ مسکرا دیے اور آپ ﷺ نے اپنے صاحب مال کو حکم دیا کہ جابرؓ کو چالیس درہم ادا کر دیے جائیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے وہ اونٹ بھی حضرت جابرؓ کو ہدیۃً واپس دے دیا۔ یہ اونٹ اس واقعہ کے کئی سال بعد تک حضرت جابرؓ کے پاس رہا۔ جب کبھی حضرت جابرؓ اس اونٹ کو دیکھتے تو آنحضرت ﷺ کا یہ یادگار تحفہ انہیں آپ ﷺ کی یادوں میں گم کر دیتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جانوروں پر بھی بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ایک دن حضور ﷺ ایک فوجی دستے کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک صحابیؓ حضورؐ کی خدمت میں کسی پرندے کے چند چھوٹے چھوٹے بچے لے آیا۔ ان کی ماں بھی ان کے ساتھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تو صحابی نے عرض کیا کہ میں نے ایک گھونسلے میں ان بچوں کو دیکھا جونہی میں ان کے قریب گیا تو ان کی ماں پرواز کر گئی۔" میں نے ان بچوں کو اپنے رومال میں لپیٹ لیا مگر جب میں چلا تو ان کی ماں میرے سر پر منڈلانے لگی میں نے جب بچوں کو رومال کھول کر زمین پر رکھا تو ان کی ماں بھی بچوں کے پاس آ گئی اور میں نے اسے بھی بچوں کے ساتھ ہی رومال میں لپیٹ لیا۔ اب یہ خاندان آپ ﷺ کے سامنے ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو حکم دیا کہ فی الفور واپس جائے اور ان بچوں اور ان کی ماں کو ان کے گھونسلے میں واپس چھوڑ آئے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ لشکر اسلام کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک کتیا کو دیکھا جس کے بچے اس کا دودھ پی رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ایک سپاہی کو اس کتیا کے پاس کھڑا کر دیا اور اسے حکم دیا کہ سارے لشکر کے گذرنے تک اس کتیا کی پاس کھڑا رہے اور کسی کو بھی اسے پریشان نہ کرنے دے۔"

ایک روز مدینہ منورہ میں ایک اونٹ بھاگتا ہوا آیا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے کچھ لوگ اس کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے وہ اس اونٹ کو پکڑنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے ماجرا دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اونٹ بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور اب کنوئیں سے پانی کھینچنے کے قابل نہیں رہا اس لیے ہم اس کو ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ کو اس اونٹ پر رحم آ گیا اور آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اس اونٹ نے تمہاری بہت خدمت کی ہے

لہٰذا اسے اس خدمت کا معاوضہ بھی ملنا چاہیے۔ اب اس اونٹ کو چراگاہ میں اس کے معاوضہ کی ادائیگی کے طور پر چھوڑ دو۔"

مزاح نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے اور صحابہ اس کا لطف اٹھاتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ کا ایک سادہ لوح صحابی مدینہ کے بازار سے گذر رہا تھا کہ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر دبے پاؤں چلتے ہوئے پیچھے سے جا کر از راہ مذاق اس کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور فرمایا" کیا کوئی اس غلام کو خریدنا چاہتا ہے؟ اس صحابی نے جب گردن موڑ کر دیکھا کہ اسے کس نے بازوؤں میں جکڑا ہوا ہے؟ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اس نے اپنی پشت آنحضرت ﷺ کے سینے سے لگاتے ہوئے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو اس غلام کی فروخت سے کچھ زیادہ رقم نہیں ملے گی۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ" خدا کی نظروں میں تمہاری قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔"

ایک دن کھجوریں تناول فرماتے ہوئے از راہ مزاح ان کی گٹھلیاں حضرت علیؓ کی تناول کردہ کھجور کی گٹھلیوں میں شامل فرمائیں تا کہ ظاہر ہو کہ حضرت علیؓ نے اپنے حصے سے کہیں زیادہ تناول فرمائی ہیں۔

مہربانیاں:

ایک دن ایک اجنبی آپ ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ آپ ﷺ نے اسے کھلایا پلایا اور رات بسر کرنے کے لیے بستر کا انتظام کر دیا۔ وہ کوئی نادان دشمن تھا۔ اس نے بستر کو خراب کر دیا اور علی الصبح چلا گیا۔ یوں وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنی تصورات میں دشمنی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ کچھ دور جا کر اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی تلوار تو رسول اللہ ﷺ کے ہاں ہی چھوڑ آیا ہے۔ چنانچہ وہ واپس آیا اس نے دیکھا کہ اس کا خراب کردہ بستر اللہ کے رسول ﷺ خود اپنے دست مبارک سے دھو رہے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس مہمان کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کی تلوار اٹھا کر اس کے حوالے کر دی اور اس اجنبی کو کوئی ملامت تک نہیں کی۔ وہ اکھڑ بدو اس اخلاق نبوی ﷺ سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے کیے پر معافی طلب کی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

ایک دن مسجد نبوی ﷺ میں آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کی داڑھی الجھی ہوئی تھی اور سر کے بالوں میں کنگھی تک نہ کی گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے مسجد سے باہر جا کر ہاتھ منہ دھونے اور بالوں میں کنگھی وغیرہ کرنے کا حکم دیا۔ جلد ہی وہ اپنے بالوں کو درست کر کے دوبارہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس پر آپ ﷺ نے

فرمایا "کسی خوفناک شیطان کی مانند نظر آنے سے کیا یہ بہتر نہیں؟

ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے ایک مسلمان کو دیکھا جس کے کپڑے پھٹے ہوئے چیتھڑوں کی شکل میں لٹکے بدن پر جھول رہے تھے اور اس کی حالت بڑی خستہ تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کی اس حالت کا سبب پوچھا۔ جس پر اس نے بتایا کہ وہ کوئی غریب شخص نہیں بلکہ اللہ نے اسے کافی دولت دی ہے مگر وہ سب کچھ اللہ کی راہ میں دے کر اس حالت پر اکتفا کرتا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جن نعمتوں سے نوازا ہے وہ ان نعمتوں سے اپنے اس بندے کو مستفید ہوتا ہوا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادات شریفہ ایسی بامعنی اور روحانی طور پر اصلاح کرنے والی تھیں کہ ان پر کئی ایک الگ کتابیں تصنیف کی جاسکتی ہیں جو آپ ﷺ کی چند عادات شریفہ مندرجہ بالا سطور میں ذکر کی گئی ہیں ان سے ہی آنحضرت ﷺ کی بہترین انسانی صفات اور آپ ﷺ کے مثالی معاشرتی رویہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

معمولات نبوی ﷺ شریف

آنحضرت ﷺ کے معمولات و مشاغل مبارکہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے مبرا، منزہ اور پاک تھی۔ معمولات میں ایک توازن اور تسلسل پایا جاتا تھا۔ البتہ موقع و محل کی مناسبت سے ان میں معمولی سی زمانی و مکانی تبدیلیاں رونما ہوتی تھیں۔

روزمرہ زندگی:

آپ ﷺ عموماً فجر کی نماز پڑھ کر اپنی جائے نماز (مصلی) پر خاموشی کے ساتھ آلتی پالتی مارے بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے اردگرد جمع ہو جاتے اور اپنی پرانی، خصوصاً عہد جاہلیت کی باتیں یاد کرکے ہنستے تھے۔ مگر آپ ﷺ صرف تبسم فرماتے (۱) آپ ﷺ کا ارشاد تھا مجھے اس قوم کے ساتھ جو ذکر الٰہی میں مصروف ہو نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک بیٹھنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اولاد حضرت اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کروں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ صبح تک صحابہؓ کو بنی اسرائیل کے حالات بتایا کرتے تھے۔ اسی

۱ بحوالہ صحیح مسلم شریف

مجلس میں اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور آپ ﷺ خود یا اکابر صحابہ میں سے کوئی ایک (مثلاً حضرت ابوبکرؓ) اس کی تعبیر بیان کرتے تھے (۱) آپ ﷺ حوصلہ افزائی کے لیے فرماتے "تم میں سے جس کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو وہ مجھے بتائے، میں اس کی تعبیر بیان کروں گا (۲) اسی بنا پر امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب التعبیر میں ایک باب بعنوان "تعبیر الرویا بعد صلوٰۃ تسبیح" باندھا ہے۔ انہیں مجالس میں آپ ﷺ خوابوں کی تعبیر کے ساتھ ساتھ اپنے خواب بھی بیان فرماتے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ صلاۃ الضحیٰ ادا فرماتے، جو عموماً چار تا آٹھ رکعات پر مشتمل ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کسی سفر سے واپسی پر آپ ﷺ یہ نماز گھر میں ادا فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے یہ آٹھ نوافل حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر پر ادا فرمائے تھے۔ ان نوافل سے قبل اور بعد میں تسبیح کا معمول نہیں تھا۔ (۳)

صلوٰۃ ضحیٰ کی ادائیگی کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے؟ اگر بتایا جاتا کہ گھر میں برکت ہے تو آپ ﷺ روزے کی نیت فرمالیتے تھے۔ (۴) اور اگر کچھ موجود ہوتا تو اسے تناول فرمالیتے۔ پھر دن بھر اپنے گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے۔ جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے متوجہ ہو جاتے۔ دوپہر کے وقت عموماً استراحت (قیلولہ) فرماتے۔ بعض اوقات آپ ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لاتے اور قیلولہ فرماتے (۵) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے چمڑے کا بستر بچھا دیتیں، جس پر آپ ﷺ کے جسم اطہر کے پسینے کے قطرے جمع ہو جاتے، وہ ان سے عطر بنا لیتی تھیں، جو بہت پسند کیا جاتا تھا۔

نماز عصر کے بعد آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات ﷺ سے باری باری مختصر ملاقات اور مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جاتے۔ اس موقع پر بعض ازواج مطہرات کسی مشروب سے آپ ﷺ کی تواضع کرتیں۔ مثلاً حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش ان مواقع پر آپ ﷺ کو شہد پیش فرماتی تھیں جسے آپ ﷺ بڑے شوق سے نوش فرماتے تھے۔ سب سے مختصراً ملنے کے بعد آپ ﷺ اس زوجہ مطہرہ کے ہاں تشریف لے جاتے جس کے ہاں قیام کرنے کی باری ہوتی۔ عموماً نوایام کے بعد ہر زوجہ کی باری آتی تھی۔ (۶) (جہاں یہ مذکور ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ نے بعد ازاں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی) یہاں دیگر ازواج مطہرات بھی جمع ہو جاتی تھیں اور رات گئے تک یہ محفل

۱ بحوالہ صحیح مسلم شریف
۲ بحوالہ صحیح مسلم شریف
۳ بحوالہ صحیح مسلم شریف
۴ بحوالہ صحیح مسلم شریف
۵ بحوالہ صحیح مسلم شریف
۶ بحوالہ صحیح مسلم شریف

جمی رہتی تھی۔ یہاں کبھی کبھار بعض ازواج کے درمیان چھوٹی موٹی تکرار بھی ہوجاتی تھی جو ایک فطری امر تھا۔(۱) بعض اوقات اس محفل میں آپ ﷺ کوئی دلچسپ واقعہ بھی سناتے تھے۔ عشا کی نماز کے بعد (کہ یہ نماز عموماً آپ ﷺ قدرے تاخیر سے ادا فرماتے تھے) دیگر ازواج اپنے اپنے حجروں میں تشریف لے جاتیں اور آپ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد واپس تشریف لا کر سو رہتے تھے۔ عموماً نماز سے پہلے سونا یا نماز کے بعد باتیں کرنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔ (امام بخاری نے اپنی صحیح میں نماز کے انتظار میں سونے کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے) سوتے وقت آپ ﷺ سے مروی ہے کہ قضائے حاجت کے بعد ہر مرتبہ استنجا کرنا اور وضو کرنا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ سونے سے قبل وضو کے لیے پانی اور مسواک اور حیات طیبہ کے ایام آخر میں لکڑی کے پیالے میں پانی آپ ﷺ کے پلنگ کے پاس (پائنچے) رکھ دیا جاتا تھا۔ سونے سے پہلے آپ ﷺ اپنی دونوں آنکھوں میں تین تین بار سرمہ کی سلائیاں ڈالتے تھے۔

ابن سعد نے اپنی طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ پانچ اشیا سفر وحضر میں ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں۔ کنگھی، شیشہ، تیل، مسواک اور سرمہ۔ سونے سے پہلے مسبحات تلاوت فرماتے اور دوسروں کی ترغیب کے لیے فرماتے کہ ان میں ایک ایسی آیت بھی جو ہزار آیات سے افضل ہے۔(۲) ایک دوسری روایت میں سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الزمر کے پڑھنے کی صراحت ہے۔(۳) ان کے علاوہ سورہ اخلاص اور معوذتین کو پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکتے اور پھر تمام بدن پر ہاتھوں کو پھیرتے تھے (بحوالہ ترمذی شریف) آپ ﷺ نے سونے سے قبل سورۃ الکافرون پڑھنے کی بھی ہدایت فرمائی آپ ﷺ داہنی کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر اور قبلہ رو ہو کر بستر پر دراز ہوجاتے اور یہ دعا پڑھتے **''اللھم باسمك اموات واحیا''** جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے: **الحمدلله الذی احیانا بعد اماتنا والیه النشور** (٤) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ ﷺ بیدار ہونے کے بعد دس مرتبہ تحمید، دس مرتبہ تسبیح، دس مرتبہ تہلیل اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے اور فرماتے: **اللھم اغفرلی واھدنی وارزقنی وعافنی.** ایک اور دعا بھی منقول ہے اگر اتفاقاً رات کو آنکھ کھل جاتی تو یہ دعا بھی پڑھتے اور اس کی تلقین بھی فرماتے۔ **لا الـه الا الله والله اکبر ولا حول ولا قوۃ الا بـالله. رب اغفرلی** '' آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ پڑھنے کے بعد اگر کوئی دعا مانگی

۱۔ بحوالہ صحیح مسلم شریف ۲۔ بحوالہ صحیح مسلم شریف

۳۔ بحوالہ صحیح مسلم شریف

۴۔ بحوالہ صحیح مسلم شریف

جائے تو بالضرور قبول ہوگی اور اگر ارادہ کر کے اٹھے اور وضو کر کے نماز پڑھے تو وہ بھی عند اللہ قبول ہو۔(۱)

بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اچھی طرح مسواک کرتے اور پھر وضو فرماتے۔ اس نماز کو آپ ﷺ نے پوری زندگی کامل پابندی سے ادا فرمایا معدودے چند راتوں کے کہ جب آپ ﷺ کی طبع ناساز تھی۔ آپ ﷺ نے اس نماز کو ترک نہیں فرمایا۔ اس نماز کے اہتمام کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ اپنے متعلقین کو بھی اس نماز کے لیے جگاتے تھے۔ اس نماز میں آپ ﷺ اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک رکعت میں سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۃ النسا تلاوت فرمائی اور ایک شب آپ ﷺ نے سبع اطوال تلاوت فرمائیں۔ رمضان المبارک میں شب بیداری کا یہ اہتمام اور بڑھ جاتا اور آپ ﷺ لمبی لمبی نمازیں ادا فرماتے تھے بعض اوقات وتروں سے قبل اور بعض اوقات ہر دو رکعت کے بعد قلیل سے وقفے کے لیے سو بھی جاتے اور پھر اٹھ کر وضو فرماتے رات کی یہ نماز دو دو رکعت پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس کے رکوع اور سجدے کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ناظر یہ فرق محسوس نہیں کرتا تھا کہ قیام طویل تھا یا رکوع وسجدہ۔ نماز تہجد میں آپ ﷺ تین دن سے کم میں قرآن مجید کا ختم کرنا ناپسند فرماتے تھے اور جب قرآن ختم ہوجاتا تو آپ ﷺ کھڑے کھڑے دعا مانگتے تھے۔ نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد آپ ﷺ اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول اگر وہ جاگ رہی ہوتیں تو لیٹنے کی بجائے ان سے گفتگو فرماتے تھے۔ پھر جب موذن بلانے کے لیے آتا تو آپ ﷺ اٹھ کر باہر نکلتے اور نماز فجر کی امامت فرماتے تھے۔(۲)

امہات المومنینؓ، ازواج مطہراتؓ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج نبوت جلد دوم میں رقمطراز ہیں کہ یہ امر معلوم ہے کہ دنیا کی چیزوں میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب آنجناب کی ازواج مطہرات تھیں۔ آپ ﷺ ان کی معیت میں خوش ہوا کرتے تھے۔ ازواج مطہراتؓ سے آپ ﷺ کا رویہ اور سلوک نہایت بہترین تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی قدر ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے، جس کی سیرت ومعاشرت اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہے اور تم سب سے بڑھ کر میں خود اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہوں۔

(۱) بحوالہ سنن دابی داؤد

۲۔ بحوالہ علامہ ابن جوزی

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو مومنین کی مائیں کہا ہے۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، امت کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ ان کا ثواب و بھی تمام خواتین امت کے مقابلے میں دوگنا ہے۔ تمام ازواج پاک میں افضل حضرت سیدہ خدیجہؓ ہیں۔

ام المومنین، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ: رضی اللہ عنہا جس خاتون سے نبی کریم ﷺ کا نکاح سب سے پہلے ہوا وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں آنحضرت ﷺ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ فرمایا بوقت نکاح سیدہ کی عمر شریف چالیس سال تھی جبکہ آنحضرت 25 سال کے تھے۔ ایام جاہلیت میں ان کا لقب طاہرہ تھا اور وہ بڑی اعلیٰ نسب اور مالدار خاتون تھیں۔ ان کی بیوگی کے زمانے میں اکثر اشراف قریش نے ان سے نکاح کی درخواست کی مگر انہوں نے کسی کی درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخشا مگر اپنے آپ خود کو نبی کریم ﷺ کی زوجگی کے لیے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں سے اس بارے میں مشاورت کی اور پھر آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ سیدہ کا حق مہر ارباب سیرت نے انتیس جوان اونٹ بتایا ہے دیگر روایات سے بارہ اوقیہ سونا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا ان دو ازواج مطہرات میں سے ایک تھیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں وفات پائی، دوسری حضرت ام المساکین زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ: ۔ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ بھی قریشیہ تھیں اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کے زمانے ہی میں قبول اسلام کر چکی تھیں اور مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔ ان کا حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب ان پر بڑھاپا غالب آیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو ایک رات یہ آنحضرت ﷺ کے راستے میں بیٹھ گئیں اور آپ ﷺ سے درخواست فرمائی کہ میری یہ آرزو ہے کہ کل قیامت کے روز میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل ہوں۔ اس عمر میں مجھے شہوت کی کوئی خواہش نہیں ہے اس لیے میں اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کرتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور طلاق دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے 54ھ میں بعہد امیر معاویہؓ انتقال کیا تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا: ۔ آپ رضی اللہ عنہا جناب ابوبکر صدیقؓ کی دختر تھیں۔ ام عبداللہ آپؓ کی کنیت تھی۔ یہ کنیت آپؓ کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کی نسبت سے تھی جو اسماء بنت ابوبکر کے صاحبزادے تھے۔ یہ کنیت آنحضرتؐ نے پیدائش عبداللہ بن زبیرؓ کے موقع پر عطا کی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نامزدگی پہلے جبیر بن مطعم کے ساتھ تھی۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ نے پیغام نکاح بھیجا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ سے نکاح بعمر چھ سال مکہ میں ہوا تھا۔ رخصتی ہجرت کے دوسرے سال مدینہ شریف میں نو سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سیدہ کی صحبت و معاشرت نو سال رہی۔ آپ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین بیوی کی حیثیت حاصل ہے۔ آپؓ کا انتقال 57ھ میں بعہد امیر معاویہؓ ہوا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ عہد نبوی ﷺ کے بعد آپؓ کا شمار اکابرین فقہا میں ہوتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا سے بہت سی احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعونؓ ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے پہلے حضرت خنیس بن حزافہؓ کی بیوی تھیں۔ غزوہ بدر کے بعد حضرت خنیسؓ رحلت پا گئے۔ حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے پر ان کے والد حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ وہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں، لیکن انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ انہیں دنوں حضرت عثمانؓ کی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان کے انکار کے بارے میں جب رسول اللہ ﷺ کو عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عثمانؓ کو تمہاری بیٹی سے بہتر زوجہ عطا فرمائی اور تمہاری بیٹی کو عثمان سے بہتر خاوند عطا کیا۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ کا نکاح سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام نکاح بھیجا۔ اس طرح 3ھ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہو گیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ نے ایک رجعی طلاق دے دی تھی۔ جب اس کے بارے میں حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہیں بڑا دکھ پہنچا۔ بعد ازاں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور وحی نازل ہوئی جس میں حکم ربانی آیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کیا جائے کیونکہ وہ بہت روزہ رکھنے والی اور شب بیدار ہیں اور جنت میں بھی آپ ﷺ کی ازواج میں شامل ہیں۔(1) ان کی رحلت 45ھ میں بعہد حضرت عثمانؓ ہوئی تھی۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا: ۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کا لقب ام المساکین ہے۔ وہ نبی پاک ﷺ سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی بیوی تھیں ان کی شہادت غزوہ احد کے بعد 3ھ میں ان کی تالیف قلب کے

1۔ مدارج نبوت جلد دوم از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔ یہ ام المومنین بڑے تھوڑے عرصہ آنحضرت ﷺ کی رفیقہ حیات رہیں۔ انہوں نے سنہ 4ھ میں وفات پائی۔ ارباب سیرت نے دو ماہ یا 6 ماہ کو ان کا عرصہ زوجیت قرار دیا ہے۔

سیدہ حضرت ام سلمہ ؓ: حضرت ام سلمہ کا نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا اور کنیت ام سلمہ ؓ تھی۔ سیدہ پہلے ابو سلمہؓ بن الاسد کی بیوی تھیں جو آنحضرت ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ اپنے شوہر سمیت مہاجرین حبشہ اول میں شمار ہوتی ہیں۔ حبشہ سے یہ مدینہ واپس آئیں۔ 3ھ میں جنگ احد میں ان کے شوہر پر شدید زخمی ہونے کے بعد تندرست ہوگئے تھے مگر بعد ازاں ایک لشکر کے ہمراہ بھیجے گئے جہاں سے واپسی پر ان کے زخم ہرے ہوگئے اور انہوں نے وفات پائی۔ حضرت ام سلمہ ؓ نے ان کی وفات پر آنحضرت ﷺ سے مذکور ایک دعا مانگی جو مصیبت کے وقت کے لیے مخصوص تھی۔ وہ قبول ہوئی اور حضرت ابو سلمہؓ سے بہتر شوہر اللہ نے ان کو عطا فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ذریعے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس پر ام سلمہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں ایک عمر رسیدہ عورت ہوں اور اپنے ساتھ یتیم بچے بھی رکھتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری نسبت میں زیادہ عمر رکھتا ہوں اور تمہارے یتیموں کی پرورش کرنا خدا اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سنہ 4ھ میں حضرت ام سلمہ ؓ سے دس درہم کے سامان کے حق مہر کے عوض نکاح فرمایا۔ یاد رہے کہ امہات المومنین میں سب سے آخر میں وفات پانے والی حضرت ام سلمہ ؓ تھیں۔ بعض مؤرخین کے مطابق آپؓ نے 63ھ میں بعہد یزید بن معاویہؓ وفات پائی۔

سیدہ حضرت زینب بنت جحش ؓ:

حضرت زینب ؓ کا نام پہلے برہ تھا آنحضرت نے تبدیل کر کے زینب رکھا تھا۔ ان کی کنیت ام الحکم تھی۔ یہ حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں جو آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ انہیں آنحضرت ﷺ نے پہلے حضرت زید بن حارثہ کی زوجیت میں دیا تھا۔ ان سے ان کی نہ بن سکی اور حضرت زید ﷺ نے ان کو طلاق دے دی تو آنحضرت ﷺ نے ان کی تالیف قلب کے لیے بحکم اللہ تعالیٰ ان سے نکاح فرمایا تھا۔ چونکہ عہد جاہلیت میں متبنی کی بیوی سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ عہد جاہلیت کی اس رسم کو مسلم معاشرے سے دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں جن میں حکم فرمایا کہ لے پالکوں کی بیویوں سے نکاح میں کوئی حرج نہیں ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ ”(حضرت زینب ؓ سے) اور زید جب بے غرض ہوگئے اور اس کو ہم نے تمہارے نکاح میں دیا۔“ (القرآن) یوں ان کا نکاح

آنحضرت سے خود اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ یہ بات بھی حضرت زینب کے فضائل و مناقب میں شامل ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تلخ بولنے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے انہیں کہا تھا کہ تم آنحضرت ﷺ کے ساتھ کس طرح بات کرتی ہو اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عمر! انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ یہ بڑی خشیت والی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب ؓ نے وفات بعہد حضرت عمر فاروقؓ 20ھ میں پائی تھیں۔ ان کی نماز جنازہ بھی حضرت عمرؓ نے ادا کی تھی۔

ام المومنین سیدہ جویریہ ؓ بنت الحارث:۔

ام المومنین سیدہ جویریہ ؓ کا نام بھی برہ تھا آنحضرت ﷺ نے تبدیل کر کے جویریہؓ رکھ دیا تھا۔

سیدہ جویریہ ؓ بھی نہایت عبادت گذار خاتون تھیں۔ ان کی آنحضرت ﷺ نے خواستگاری غزوہ مریسع کے موقع پر فرمائی تھی۔ یاد رہے کہ یہ غزوہ 5ھ ماہ شعبان میں ہوا تھا۔ غزوہ سے واپسی پر خواستگاری فرمائی تھی۔ اس غزوہ میں مال غنیمت کی تقسیم کے وقت آنحضرت ﷺ ایک چشمے کے کنارے سیدہ عائشہ ؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک جویریہ آنکلیں۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ مجھ پر غیرت کا غلبہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں آنحضرت ﷺ انہیں دیکھ کر اس کی طرف توجہ خاص فرمائیں اور نکاح میں لے آئیں۔ حضرت جویریہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ میں مسلمان ہوتی ہوں اور حارث بن ابی ضرار کی دختر ہوں جو قبیلہ کا سردار تھا۔ اس وقت لشکر اسلام کی قید میں ہوں اور بطور باندی ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آچکی ہوں۔ میری آزادی کے لیے جس قدر مال رکھا گیا ہے۔ اس کو ادا کرنے کی مجھ میں سکت نہیں۔ میں یہ امید لے کر آئی ہوں کہ آپ ﷺ میری مدد فرمائیں تاکہ کتابت کی رقم ادا ہوجائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں ادا کر دوں گا اور تمہارے ساتھ اس سے بھی بہتر سلوک کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا اس سے بہتر سلوک کیا ہوگا؟ آپ ؓ نے فرمایا تمہاری کتابت کی رقم ادا کرنے کے بعد تمہیں اپنے نکاح میں لے آؤں گا اور شرف زوجیت بخشوں گا۔ اس طرح حضرت جویریہ ؓ کو آزاد کرا کے آنحضرت ﷺ اپنے حبالہ عقد میں لے آئے۔ اس وقت حضرت جویریہ ؓ کی عمر صرف بیس سال تھی۔ سیدہ جویریہ ؓ نے 50ھ یا 56ھ میں وفات پائی۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ ؓ:

ازواج مطہرات میں ابوسفیانؓ سردار قریش کی صاحبزادی۔ ام حبیبہ ؓ بھی شامل ہے۔ ان کا نام رملہ بنت ابوسفیان تھا۔ یہ رشتے میں حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی تھیں۔ یہ پہلے عبیداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں۔ ابتدائے اسلام

میں ایمان لے آئیں تھیں اور اپنے خاوند کے ساتھ دوسری ہجرت حبشہ میں شامل تھیں۔ بعدازاں ان کا خاوند عبیداللہ مرتد ہوکر عیسائی ہوگیا اور خوب شراب پینے لگا اور اسی حالت میں مرگیا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی تالیف قلب کے لیے آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو حبشہ بھیجا تا کہ نجاشی ام حبیبہؓ کو آنحضرت ﷺ کا پیغام نکاح دیں نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کا نکاح کردیا اور نکاح کا خطبہ بھی خود دیا۔ پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھجوادیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی پاکیزہ ذات حمیدہ صفات کی حامل تھیں اور بڑی سخی اور بلند ہمت عورت تھیں۔ 40ھ یا 44ھ میں ان کا وصال مدینہ شریف میں ہوا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ قبل ازیں وہ سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ تھیں پھر ان سے علیحدگی کر کے کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق سے شادی کی۔ یہ غزوہ خیبر میں مارا گیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسیران جنگ میں شامل تھیں۔ جنگی قیدی کی حیثیت سے جب انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کا نام زینب سے صفیہ رضی اللہ عنہا رکھ دیا۔ غزوہ خیبر میں جب مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کا معاملہ اٹھا تو یہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں مگر جب آنحضرت ﷺ کو پتہ چلا کہ یہ قبیلے کے سردار کی بیٹی ہیں تو دحیہ کلبی سے لے کر انہیں آزاد کیا تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا جس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنے حبالہ عقد میں لے لیا۔ انسانی ہمدردی کا جذبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں سب جذبات سے بڑھ کر تھا، کسی کو مبتلائے مصیبت نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ 35ھ میں جب داماد رسول ﷺ اور خلیفہ وقت حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ باغیوں نے کرلیا اور حضرت عثمانؓ مبتلائے مصیبت ہوگئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سامان خورد ونوش لے کر کاشانہ خلافت پہنچیں، باغیوں نے انہیں یہ سامان لے جانے سے منع کیا تو آپ رضی اللہ عنہا واپس آگئیں اور حضرت امام حسنؓ کو اس کام پر مامور کیا کہ سامان خورد ونوش حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچائیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 50ھ میں بعمر 60 سال ہوا۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے ترکہ کا ایک تہائی آپؓ کے ایک بھانجے کو دیا جائے وہ صاحب اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اس لیے لوگوں کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پر عمل کرنے میں تامل تھا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر ان کی وصیت پر عملدرآمد کرایا۔

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث عامریہ ہلالیہ کا نام بھی برۃ تھا آنحضرت ﷺ نے تبدیل کر کے میمونہ رکھ دیا۔ سیدہ

میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی بیوی تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن امر بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا، لیکن طلاق ہوگئی۔ دوسرا نکاح ابورحم بن عبدالعزیٰ سے ہوا تھا۔ جب اس دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہوگیا تو آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نبی پاک ﷺ سے ان کے نکاح کی بات کی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت 51 سال تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا کی طرف سے کی گئی اس پیش کش کو قبول فرمایا اور شوال 7ھ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ یاد رہے کہ ان کے بعد کسی اور خاتون سے آنحضرت ﷺ نے نکاح نہیں فرمایا تھا۔ حضرت میمونہ کا انتقال 51ھ میں ہوا نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بھی کئی احادیث مروی ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ یہ امر اتفاقی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ان کا زفاف اور وصال سب ایک ہی مقام، مقام سرف پر ہوا جو مکہ معظمہ سے دو میل کی مسافت پر واقع ہے۔ ان کا مقبرہ بھی مقام صرف میں تھا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سب کچھ آنحضرت ﷺ پر نثار کردیا تھا۔ جب انہیں آنحضرت ﷺ کی طرف سے پیغام نکاح ملا تو جس اونٹ پر بیٹھیں تھیں اسے راہ خدا میں وقف کردیا۔

آنحضرت ﷺ کی باندیاں

آنحضرتؐ کی باندیاں جو آپ کی ہم بستر تھیں اور معروف ہوئیں ان کی تعداد چار ہے۔ ایک کا نام ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھا، انہیں حاکم مصر مقوقس قبطی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دیگر تحائف کے ساتھ ارسال کیا تھا۔ یہ بڑی خوش شکل تھیں۔ اسلام لے آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان پر ملک یمین کی حیثیت سے تصرف فرمایا۔ آپ ﷺ کو ان کے ساتھ خاص لگاؤ تھا اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان پر رشک ہوا کرتا تھا۔ ان کے ہی بطن سے حضرت ابراہیمؓ بن محمدؐ تولد ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے عوالی، مدینہ میں ایک مکان بنوایا تھا جو بعد کے زمانے میں مشربہ ام ابراہیمؓ کے نام سے مشہور تھا۔(۱)

آپ کی دوسری باندی کا نام جاریہ ریحانہ رضی اللہ عنہا بنت زید بن عمرو تھا۔ یہ یہودی قبیلے بنو نضیر کی باندیوں میں سے ایک تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی ملک یمین کے طور پر شرف صحبت بخشا تھا۔ بعض ارباب سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں آزاد کردیا تھا اور سنہ 8ھ میں ان سے نکاح کرلیا تھا۔ علامہ واقدی ابن عبدالبر وغیرہ میں۔۔۔۔ یہ

---

۱ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم

آنحضرت ﷺ کے وصال سے پہلے حجۃ الوداع سے مراجعت کے وقت انتقال فرما گئیں تھیں۔ان کی تدفین قبرستان بقیع میں ہوئی تھی۔(۱)

تیسری باندی کا نام جاریہ جمیلہ رضی اللہ عنہا تھا یہ آنحضرت ﷺ کو کسی سریا میں ملیں تھیں۔

چوتھی باندی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش نے پیش کی تھی اور آنحضرت ﷺ نے اسے قبول فرمایا تھا۔ان کے نام کے بارے میں کتب سیرت خاموش ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے خدام

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک:

آنحضرت ﷺ کے خدام میں سب سے زیادہ اور باقاعدگی سے خدمت بجالانے والے مردوں میں سے ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک تھے۔ان کی کنیت ابوحمزہ تھی۔

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل قیام فرمایا تو جہاں اہل مدینہ بہت سے تحائف لے کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے تھے وہیں حضرت انسؓ کی والدہ ان کو لے کر بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا فرزند ہے یہ آپ ﷺ کی خدمت میں رہے گا' آپ ﷺ قبول فرمائیں۔آنحضرت ﷺ نے انہیں قبول فرمایا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال تک خدمت نبوی ﷺ میں رہے اور سفر وحضر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے کبھی ٹوکا نہیں اور نہ ہی میری باز پرس فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ غزوات میں بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور ان کا وصال 93 ھ میں بصرہ میں ہوا تھا۔ان کی عمر اس وقت 103 سال تھی بطور محدث و معلم ان کا صحابہ کرامؓ میں مقام بہت بلند ہے۔انہوں نے بصرہ میں کثیر تعداد میں لوگوں کو فقیہہ بنایا تھا۔ان سے 2286 احادیث مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ :

یہ آنحضرتؐ کے خادموں میں شامل ہیں اور سادس الاسلام تھے۔ان کو آنحضرتؐ کا نعلین مبارک' مسواک اور تکیہ وعصا بردار خادم کہا جاتا ہے(۲) یہ سب اشیا جو نبی کریم ﷺ کے روزمرہ استعمال کی تھیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۱ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم ۲ المواہب المدینہ

کی سپردگی میں رہتی تھیں۔جب آنحضرت ﷺ کھڑے ہوتے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو نعلین مبارک پہناتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے تو یہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سے نعلین اتارتے تھے۔نعلین مبارک کو اکثر آستینوں میں محفوظ رکھا کرتے تھے۔یہ آنحضرت ﷺ کی مجالس مبارک میں حاضر رہتے تھے اور اسی لیے بارگاہ (رسالت ﷺ کے مقربین میں شامل تھے۔یہاں تک کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کو ملنے آتے وہ گمان کرتے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے اہل میں سے ہیں۔ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔اگر صرف ایک ارشاد نبوی ﷺ ان کے بارے میں تحریر کردیا جائے'' (**لامتی ما رضی به ابن عبدو وسخت لهاما سخطه**'' ترجمہ:۔ یعنی اپنی امت میں اس سے راضی ہوں جس سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ راضی ہیں اور جس سے وہ ناراض ہیں میں بھی اس سے ناراض ہوں۔'' تو ان کے فضائل کے لیے کافی ہوگا(۱) آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف میں 32 ھ میں انتقال فرمایا۔ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کا وصال کوفہ میں ہوا تھا۔انہوں نے 62 سال عمر پائی آپ سے خلفا راشدین نے اور دوسرے صحابہؓ نے احادیث روانیت کی ہیں۔

ایمن رضی اللہ عنہ ابن ام ایمن:

آنحضرت ﷺ کے خادموں میں ایمن بھی شامل تھے یہ آنحضرت ﷺ کے لیے پانی کا برتن اٹھایا کرتے تھے۔انہوں نے غزوہ حنین میں شہادت پائی۔(۲)

حضرت ربیع بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ:

یہ حضور ﷺ کے لیے وضو کا پانی لایا کرتے تھے اور اصحاب صفہ میں شامل تھے۔یہ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں قدیم الزمانہ تھے۔یہ بھی آنحضرت ﷺ کے سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ روایات کی ہیں۔تابعین کی جماعت نے ان سے بہت سی روایات کی ہیں۔ان کی ایک حدیث امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ان کا وصال شریف واقعہ حرہ کے بعد 63 ھ میں بعہد یزید بن معاویہؓ ہوا تھا۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر:

آنحضرت ﷺ کے اونٹ کی مہار تھامے جو شخص دوران سفر چلتا تھا وہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر تھا جو

۱ بحوالہ اردو معارف الاسلامیہ' مدارج النبوۃ

۲ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم

آنحضرت ﷺ کے خدام خاص میں سے ایک تھا۔ امام ذہبی نے اپنی ''کشاف'' میں لکھا ہے کہ یہ امیر کبیر بھی اور فصیح وبلیغ بھی اور شاعر بھی اور صحابی رسول رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کو بحرین کا والی مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے بھی آنحضرت سے روایت کی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ان کا انتقال 58ھ میں ہوا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ، مولی ابی بکر رضی اللہ عنہ:

آنحضرت ﷺ کے ایک خادم حضرت سعد رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ حضور ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف تھے۔ مشہور محدث ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت سعدؓ کی ایک روایت دی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں۔ لوگوں نے دو دو کھجوریں اکٹھی کھانا شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ دو دو کھجوریں اکٹھی نہ کھاؤ۔'' یہ حدیث امام حسن بصری نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اہل بصری میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔

حضرت افلح بن شریک رضی اللہ عنہ:

آنحضرت ﷺ کے راحلہ (لدو اونٹ) کی نگہبانی وحفاظت پر حضرت افلح بن شریک رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ صاحب مواہب اللدنیا نے لکھا ہے کہ طبری ربیع بن بدر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی جس کا نام افلح رضی اللہ عنہ تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا۔ روایت کرتا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ''افلح اٹھ کر اونٹ پر راحلہ باندھو۔'' میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مجھے تو جنابت ہو چکی ہے۔'' یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تیمم کے بارے میں آیت کریمہ لائے۔ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے افلح! اٹھ کر تیمم کرلو۔ تیمم کے بعد میں نے حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اونٹ پر راحلہ باندھ دیا اور وہاں سے چل پڑے حتی کہ ہم ایک چشمہ پر پہنچ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جلدی کرو تم اس میٹھے پانی سے غسل کرلو۔ حضرت افلح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے تیمم کرنے کا طریقہ بھی سمجھایا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اصل نام جندب بن جنادہ تھا۔ یہ اکابر اور زاہد صحابہ کرام میں سے تھے۔ یہ مکہ شریف میں نبوت کے چوتھے یا پانچویں سال میں اسلام قبول کر چکے تھے اور خدام نبویؐ میں شامل تھے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین بعدازاں اس آیت کریمہ کی تفسیر پر اختلاف رونما ہوا تھا۔ والذین یکنزون الذھب والفضہ۔'' وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ نیز انہوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک تحریری شکایت خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کی جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیار شام سے واپس بلالیا اور موضع ربذۃ میں بھیج دیا۔ یہ مدینہ شریف سے تین میل کی مسافت پر تھا۔ وہیں 32ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی بڑا عجیب سا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آسمان نے کبھی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا اور راست گو ہو اور زمین نے ایسا کوئی بوجھ نہیں اٹھایا۔ ایک اور حدیث پاک میں یوں آیا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسیٰ کے زہد کو دیکھنا پسند کرے تو اس کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر نظر ڈالنا چاہیے۔

جب ربذۃ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو ان کی والدہ اور بیوی رونے لگیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ کیوں روتی ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس ویرانے میں آپ رضی اللہ عنہ کو کفن دینے کے لیے ہمارے پاس کوئی کپڑا نہیں اور نہ ہی کوئی دفن کرنے والا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت جس میں میں بھی شامل تھا فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک آدمی کا وصال ایک بیابان میں ہوگا وہاں ایک جماعت اہل اسلام پہنچ جائے گی۔ اس جماعت میں سے کوئی بیابان میں فوت نہیں ہوا اور تمام رحلت پذیر ہو چکے ہیں۔ لہٰذا خدا کی قسم وہ آدمی اب میں ہوں جس کے لیے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی تھا۔ پھر اپنی بیوی کو فرمایا کہ جا کر راستہ پر دیکھو کوئی جماعت آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے؟ جب ان کی بیوی نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا تو اسے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ اس جماعت نے ان سے حال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایک مسلمان پر نزع کا عالم طاری ہے اور اس کی تکفین کے لیے کفن کی ضرورت ہے۔ ان کے دریافت کرنے پر اس خاتون نے انہیں بتایا کہ وہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہے۔ وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو امیر ہے یا عریف ہے یا قاصد ہے یا نقیب ہے وہ مجھے کفن نہ دے۔ اس جماعت میں ایسا کوئی شخص نہ تھا۔ آخر اس جماعت نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تکفین وتجہیز کا انتظام کیا۔(۱)

---

۱ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم

حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ:

خادم نبوی ﷺ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ سیدہ ام سلمہؓ کے غلام تھے۔ ان کا پورا نام مہاجر بن حبیب رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ اہل مصر میں سے تھے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت سرانجام دیا کرتے تھے۔

حضرت حنین رضی اللہ عنہ: ۔آنحضرت ﷺ کے ایک خادم جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ یہ بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں خدمت سرانجام دیا کرتے تھے۔ بعدازاں آنحضرت ﷺ نے یہ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت پر مامور کردیے تھے۔

کشاف میں لکھا ہے کہ حنین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مولی تھے۔ سنن نسائی میں ان سے چڑیوں کی ممانعت کے سلسلے میں ایک حدیث روایت ہوئی ہے۔ ان کے فرزند عبداللہ بن حنین رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا تھا۔

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ:

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ بھی آنحضرت ﷺ کے خدام میں شامل تھے۔ ان کو ابن مندہ نے صحابہؓ میں بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نعیم رضی اللہ عنہ بن ربیعہ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

حضرت ابوالحمراء رضی اللہ عنہ:

یہ آنحضرت ﷺ کے غلام اور خادم تھے۔ ان کا نام حلال بن حارث تھا لیکن یہ اپنی کنیت سے مشہور تھے۔ بعدازاں انہوں نے حمص آ کر سکونت اختیار کی تھی۔

حضرت قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ:

یہ آنحضرت ﷺ کے کوتوال کے درجے میں تھے۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ:

یہ آنحضرت ﷺ کے خادم اور موذن تھے۔ ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وصال 18ھ یا 20ھ میں ہوا ان کی عمر 60 سال سے کچھ زیادہ تھی۔

حضرت ابوالسمح رضی اللہ عنہ:

حضرت ابوالسمح رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت ﷺ کے خادم تھے۔ ان کا نام ایاز تھا۔ اصابہ میں ہے کہ جب آنحضرت

ﷺ نہانے کا ارادہ فرماتے تھے تو ابوالسمح رضی اللہ عنہ سے اپنی پشت مبارک ملوایا کرتے تھے۔ بزاز کہتے ہیں کہ اس سند کے سوا ابوالسمح رضی اللہ عنہ سے مروی کوئی اور حدیث میری نظر سے نہیں گذری۔ ''مواہب اللدنیہ میں تیرہ اصحاب کے نام خدام نبویؐ میں شامل ہیں یہ ان میں سے ایک تھے۔(۱)

آنحضرت ﷺ کی خادمائیں

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا:

ان کا نام برکتہ تھا۔ یہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی والدہ تھیں۔ یہ آنحضرت کی خادمہ خاص اور دایہ تھیں۔ انہوں نے اپنی گود میں آنحضرت ﷺ کی پرورش کی تھی۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل تھیں۔ اس کے بعد مدینہ شریف تشریف لے گئیں۔ آپ ﷺ کو یہ اپنے دادا حضرت عبدالمطلب اور والد حضرت عبداللہؓ سے وراثت میں ملی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کو ''امی بعد امی'' کہا کرتے تھے کہ یہ میری ماں کے بعد ماں ہیں۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا وصال حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آغاز میں ہوا تھا۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا:

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کی خادمہ تھیں۔ یہ حفص بن سعیدؓ کی دادی تھیں۔ حضرت حفصؓ نے بالواسطہ اپنی دادی سے روایت کی ہے کہ کتے کا ایک بچہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں آ گھسا اور نبی کریم ﷺ کی چارپائی کے نیچے چھپ گیا۔ صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ بڑے غمگین تھے۔ میں نے آپ ﷺ سے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات جبرائیل علیہ السلام تشریف نہیں لائے اور وحی بھی نازل نہیں ہوئی۔ پھر آپ ﷺ اپنی چادر لے کر گھر سے باہر تشریف لے گئے اور مجھے حکم دے گئے۔ ''خولہ جھاڑو کے ساتھ گھر کی صفائی کرو۔'' پس میں نے صفائی کی تو دیکھا کہ کتے کا ایک بچہ آنحضرت ﷺ کی چارپائی مبارک کے نیچے مرا پڑا ہے۔ اسے میں نے نکالا اور باہر پھینک دیا۔ مدارج نبوت ﷺ میں شیخ عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم میں بیان ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آج رات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ تشریف نہیں لائے اور یہ کہ جبرائیل کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بعدازاں آنحضرت ﷺ پر القاء ہوا کہ گھر میں کتے کا بچہ مرا پڑا ہے۔ اس پر آپ نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کو صفائی کا حکم دیا تھا۔ اس کے بعد سورۃ الضحی نازل ہوئی تھی۔

۱۔ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم

حضرت ام رافع رضی اللہ عنہا:

آپؓ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام رافع تھی۔ یہ آنحضرت ﷺ کے غلام ابورافع کی زوجہ تھیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت گذار تھیں۔ صاحب اسد الغابہ'' نے لکھا ہے کہ یہ آنحضرتؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بن عبدالمطلب کی باندی تھیں۔ یہ بنی فاطمہ کی دایہ اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی دایہ بھی تھیں۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بعد از وصال انہوں نے ہی ان کے شوہر، حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر غسل دیا تھا۔ عبداللہ بن علی نے جو ان کے حسید تھے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ابورافع کی بیوی آئی اور ابورافع کے بارے میں شکایت پیش کی کہ وہ اس کو مارتے ہیں۔ پس ابورافع سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابورافع تم اس سے کس طرح کا سلوک روا رکھتے ہو؟ اور اس کو تم مارتے کس وجہ سے ہو؟ ابورافع نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مجھے تنگ کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمیٰ سے پوچھا تم اسے تنگ کیوں کرتی ہو۔ اس پر ام رافع نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اسے تنگ نہیں کرتی۔ انہوں نے نماز کے دوران حدث کیا تھا اور بے وضو ہو گئے تھے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ جس وقت جسم سے ہوا خارج ہو تو وضو کریں۔ پس یہ کھڑے ہو گئے اور مجھے مارنے لگے۔ یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ نے تبسم فرمایا اور پھر فرمایا اے ابورافع! سلمیٰ نے تجھے خیر خواہی اور بھلے کی بات کی ہے، تم اسے مت مارو۔''

حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت سعد بھی رسول اللہ کی خادمہ اور باندی تھیں۔ ان سے بہت سی احادیث شریفہ مروی ہیں اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث اخذ کی ہیں۔ جن میں بیت المقدس کے فضائل اور سخن چینی، پیشاب کے چھینٹوں سے بچاؤ نہ کرنے پر قبر کے عذاب ہونے اور لباس وغیرہ کے متعلق ان سے حدیث آئی ہیں۔

حضرت ام عیاش رضی اللہ عنہا:

آنحضرت ﷺ کی دختر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو وضو کرایا کرتی تھیں۔ ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بذریعہ وحی ہوا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے غلام

یوں تو تمام مسلمانان عالم ہی آنحضرت ﷺ کے غلام ہیں مگر صحابہ کرامؓ میں سے جن کو خصوصاً شرف غلامی

حاصل تھا ان کی تعداد قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں 18 بتائی ہے۔ جن میں حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ اولین ہیں۔

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ:

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارث آنحضرت ﷺ کے پسندیدہ غلام تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور ان کا نکاح حضرت ام ایمنؓ سے کر دیا تھا۔ جن سے ان کے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی کے لیے 400 درہم میں خریدا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کو ہبہ کر دیں اور حضرت خدیجہؓ نے زید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کو ہبہ کر دیا۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کے والد حارث اور چچا ان کی تلاش میں مکہ آئے انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی غلامی میں پایا۔ ان دونوں نے چاہا کہ ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں اپنے ساتھ واپس لے جائیں مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ رحمت عالم ﷺ کی شفقت اور مہربانیوں سے خوب آشنا تھے لہٰذا انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ ﷺ پر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دیتا۔ اس پر آنحضرت ﷺ زید رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں لے آئے اور اعلان کیا کہ اے لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے زید کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اب وہ میرا غلام نہیں بلکہ متبنیٰ ہے۔ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ:

یہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے مرض الموت کے دوران نے صحابہ کے لشکر کر جس میں حضرات شیخین کرامؓ بھی شامل تھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تھا جو ان کے فضائل و مناقب میں سب سے اولین ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد رملہ، شام چلے گئے تھے۔ انہوں نے 54ھ میں بمقام حمص وفات پائی۔

حضرت ابو کبشہ اوس رضی اللہ عنہ:

ان کے بارے میں صاحب ''مواہب اللدنیہ'' نے لکھا ہے کہ ان کا نام سلیم اور کنیت ابو کبشہؓ تھی۔ آپ مکہ میں پیدا ہوئے۔ حاکم نے لکھا ہے کہ سرزمین دوس میں پیدا ہوئے تھے۔ غزوہ بدر میں حصہ لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے پہلے دن وفات (12ھ) میں پائی تھی۔

حضرت شقران رضی اللہ عنہ :

ان کا نام صالح بن عدی تھا کہا جاتا ہے کہ یہ فارسی النسل تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو روایات ملتی ہیں:

(1) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شقران رضی اللہ عنہ کو ہدیۃً پیش کیا تھا۔

(2) آنحضرت ﷺ نے شقران رضی اللہ عنہ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے قیمتاً خریدا تھا۔شقران رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تو غلام تھے۔معرکہ بدر کے بعد آزاد کردیے گئے۔حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ شقران رضی اللہ عنہ نے بعہد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وفات پائی۔مواہب اللدنیہ میں آنحضرت ﷺ کے غلاموں کے یہ نام مندرج ہیں:۔

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ	حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ	حضرت ابوکبشہ اوس رضی اللہ عنہ
حضرت شقران رضی اللہ عنہ	حضرت یسار الراعی رضی اللہ عنہ
حضرت رباح الاسود نوبی رضی اللہ عنہ	حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ
حضرت مدعم رضی اللہ عنہ	حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ
حضرت رفاعہ بن زید الخذامی رضی اللہ عنہ	حضرت سندر و واقد رضی اللہ عنہ
حضرت مابور رضی اللہ عنہ	حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ
حضرت الجشہ الحاوی رضی اللہ عنہ	حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نقیع بن حارث
حضرت زید توبی رضی اللہ عنہ	حضرت شمعون رضی اللہ عنہ بن زید

ان کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے موالی (آزاد کردہ غلام) اور بھی تھے جن کا ذکر "مدارج نبوت" اور دیگر کتب سیرت میں ملتا ہے۔[1]

بارگاہ نبوت ﷺ کے محافظ

اس قسم کے لوگ جو پاسبانی کے فرائض ادا کیا کرتے تھے انہیں اہل سیر نے بارگاہ نبوی ﷺ کے محافظین کہا ہے۔ان میں یہ صحابہ کرامؓ شامل تھے۔

1 بحوالہ مواہب اللدنیہ جلد دوم، مدارج النبوت جلد دوم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ:

حضرت سعد کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور اکابر صحابہ کرام میں شامل تھے۔آپ ﷺ نے انہیں لقب "سید الانصار" عطا فرمایا تھا۔یہ بدر اور احد میں شریک تھے۔غزوہ خندق کے دوران اکمل نامی رگ میں دشمن کا تیر آ کر لگا۔اسی تیر کے سبب ایک ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا تھا۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ 70 ہزار فرشتوں نے ان کی نماز جنازہ میں شمولیت کی تھی۔بدر کے دن یہ رسول اللہ ﷺ کی پاسبانی کررہے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے ایک عریش بنوادیا تھا۔جس کی یہ پہریداری کررہے تھے۔اس عریش میں یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سرہانے کھڑے ہوکر اور ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر پہریداری کے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔

محمدؓ بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ:

آنحضرت ﷺ کے ایک پاسبان محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔یہ جملہ غزوات میں شریک رہے سوائے غزوہ تبوک کے اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ ان کو مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔انہوں نے 46ھ میں وفات پائی۔انہوں نے غزوہ احد کے روز آنحضرت ﷺ کی پاسبانی کے فرائض ادا کیے تھے۔

حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ بن عبداللہ:

احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس کل چودہ صحابہ موجود رہ گئے تھے۔ان میں سات مہاجرین اور سات انصار تھے۔احد کے دن حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ بن عبداللہ اور محمد بن مسلمہؓ انصاری آپ ﷺ کی پاسبانی کررہے تھے۔غزوہ احد کے لیے نکلتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں کے بارے میں فرمایا تھا کہ جو آدمی خواہش رکھتا ہے کہ وہ اس شخص کو دیکھے جس کے پاؤں تلے جنت کے سبزہ زار روندے جائیں گے وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔[1] سلسلہ محافظین نبوت ﷺ میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔[2]

بارگاہِ نبوت ﷺ کے کاتب

بارگاہ نبوت میں کاتب کے فرائض متعدد شخصیات نے ادا کیے ہیں۔کچھ لوگ وہ تھے جو صرف وحی الٰہی یا قرآن

1 بحوالہ مدارج النبوت جلد دوم

2 بحوالہ مواہب اللدنیہ جلد دوم، مدارج النبوت جلد دوم

مجید کی آیات کی کتابت کیا کرتے تھے اور کچھ لوگ شاہان عالم اور امراء کو بھیجے جانے والے خطوط اور فرامین نبوی ﷺ وغیرہ کو احاطہ تحریر میں لایا کرتے تھے۔ کچھ کاتبوں کے ذمے صدقات کے اموال کو ضابطہ تحریر میں لانا تھا۔ جبکہ کچھ کاتبان دیگر معاملات اور امور کو رقم کیا کرتے تھے۔ چونکہ عرب میں اس زمانے تک بہت کم لوگ لکھنے پڑھنے کے فن سے آشنا تھے اس لیے اس کام پر مامور صرف ایسے لوگوں کو کیا جاتا تھا جو فن کتابت سے واقف اور اس ہنر میں یکتا تھے۔ کتابت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ''روضۃ الاحباب'' میں 40 سے زیادہ مذکور ہے اور ان میں چاروں خلفائے راشدین بھی شامل تھے یہاں ان میں سے چند شخصیات کا تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

ایام جہالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبدالکعبہ یا عبدرب الکعبہ تھا۔ اسلام لانے پر نبی کریمؐ نے ان کا نام ''عبداللہ'' رکھ دیا تھا۔ کچھ روایات کے مطابق نام عتیق رکھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ دربار نبوت ﷺ کے کاتبین میں شامل تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دربار نبوت کے دوسرے کاتب اور خلیفہ راشد ہیں۔ اشراف قریش میں شمار کیے جاتے تھے اور قریش کے ان افراد میں شامل تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ایام جاہلیت میں انکے ذمہ سفارت قریش کے فرائض تھے۔ یعنی جنگوں کے مواقع پر قاصد وسفیر بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تورات میں آپ رضی اللہ عنہ کو شہید لکھا ہوا پاتا ہوں۔ آپ کو اپنی خلافت کے گیارہویں سال ابولولو فیروز نامی شقی القلب کے ہاتھوں شہید کردیے گئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آنحضرتؐ کے دارالارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے اسلام لائے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ دربار نبوت ﷺ کے اولین کاتبوں میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ حضورؐ کا آپ ﷺ کے لیے یہ کہدینا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو ان کو میں ایک دوسرے کے بعد حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں دیتا جاتا'''' ہی آپ رضی اللہ عنہ کی شان ''ذوالنورین'' بتانے کے لیے کافی ہے۔ 35ھ میں ایام تشریق کے دوران بروز جمعہ باغیوں کے ہاتھوں شہادت پائی۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ دربار نبوت کے چوتھے کاتب تھے اور بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ کعبہ میں پیدا ہوئے اور ہجرت مدینہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان سے رشتہ مواخات قائم فرمایا۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم ہمارے لیے بمنزل ہارونؑ ہو۔ اور آنحضرت ﷺ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ صلح آپ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ:

دربار نبوت کے پانچویں کاتب تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ یہ سابقون الاولون میں سے آٹھویں تھے۔ صاحب سیف وقلم تھے اس لیے بدر کے دن آنحضرت ﷺ کی پاسبانی کے فرائض اس طرح انجام دیے کہ ان کے ہاتھ کی انگلیاں مفلوج ہوگئیں۔ احد کے دن جب آپ ﷺ شدید زخمی ہوئے تو زمین پر بٹھا کر سید عالم ﷺ نے ان کے شانوں پر قدم رکھا اور آپ رضی اللہ عنہ پتھر پر چڑھے تھے۔ احد کے دن ہی آنحضرت ﷺ کے گرد جو بارہ اصحاب میدان جنگ میں باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام:

دربار نبوت ﷺ کے چھٹے کاتب تھے۔ کاتب کے علاوہ صاحب سیف وقلم ہونے کی وجہ سے آپ آنحضرت ﷺ کی پاسبانی کے فرائض بھی ادا فرماتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ دربار نبوت کے ساتویں کاتب تھے اور بہادر ہونے کی وجہ سے محافظ رسول ﷺ کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔ یہ کاتبین وحی میں شمار کیے جاتے ہیں۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ:

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور دربار نبوت ﷺ کے کاتبوں میں شامل تھے۔ حبشی النسل تھے۔ یہ بئیر معونہ کے واقعہ میں پشت پر تیر لگنے کی وجہ سے شہید ہوگئے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب قاتلوں نے ان کی نعش تلاش کی تو کسی کو نہ مل سکی۔ پس لوگ کہنے لگے کہ ان کی تدفین ملائکہ نے کی ہے۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ یہ شہادت کے بعد آسمان کے درمیان دکھائی دیے تھے جب ملائکہ ان کو اپنے ساتھ لے جارہے تھے۔

ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس:

اعلام انصار میں شمار کیے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی زندگی ہی میں جنت کی خوشخبری دے دی تھی۔ کاتب دربار نبوت ﷺ تھے۔ اس کے علاوہ انصار کے بہترین خطباء میں بھی شمار کیے جاتے تھے۔

حضرت خالدؓ اور ابان رضی اللہ عنہ:

حضرت خالد اور ابان رضی اللہ عنہ بھی کاتبین دربار نبوت تھے۔ یہ سعید بن امیہ بن عبدشمس کے بیٹے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تھا تاکہ وہاں سے صدقات وصول کریں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے مگر کاتبین دربار نبوت میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب غزوہ حنین میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہوں نے کہا "بطل السحر" یعنی جادو باطل ہوگیا۔(۱)

یزید رضی اللہ عنہ بن ابوسفیان:

یہ بھی فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے اور کاتبین دربار نبوت ﷺ میں شامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کو شام کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ان کا انتقال بوجہ طاعون ہوا تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابوسفیان:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔ ان کے متعلق ارباب سیر نے لکھا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لے آئے تھے مگر اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے بھائی یزید کے بعد حاکم شام مقرر کیا تھا۔ 41ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے صلح کر کے خلافت ان کے سپرد کر دی تھی اور یہ خلافت بنوامیہ کے بانی ہیں۔(۲)

۱ بحوالہ مدارج النبوت جلد دوم

۲ بحوالہ مدارج النبوت جلد دوم، مواہب اللدنیہ جلد دوم، روضۃ الاحباب۔

رسول اللہ ﷺ کے سفیر وقاصد

روضۃ الاحباب میں آنحضرت ﷺ کے سفراء اور قاصدوں کی تعداد گیارہ دی گئی ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے سلاطین وامراء عالم کی طرف اپنا سفیر وقاصد بنا کر بھیجا تھا۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری:

رسول اللہ ﷺ کے ایک قاصد وسفیر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری تھے۔ ان کو اپنا نامہ مبارک دے کر اور سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ نے شاہ حبشہ' نجاشی کے دربار میں بھیجا تھا۔ نجاشی نے ان سے بڑے ادب واحترام کے ساتھ نامہ مبارک وصول کیا اور اسے اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہوئے مسلمان ہوگیا۔ بعدازاں نجاشی نے ان سے دوسرا مکتوب نبوی وصول کیا جس میں آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو لکھا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح کر دیا جائے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بطریق احسن اس سفارتی مشن کی تکمیل کی تھی۔ بعدازاں ان کو قیصر روم کے ایک عرب باج گذار حکمران' فردہ بن عمرو جذامی کی طرف بھی بحیثیت قاصد بھیجا گیا تھا۔ یہ بھی نامہ مبارک پڑھ کر مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے ایک خط اور تحائف خدمت نبوی ﷺ میں ارسال کیے تھے۔ اس کے تحائف کو آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ:

بارگاہ رسالت ﷺ کے ایک اور نامور قاصد وسفیر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں قیصر روم کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ بڑے خوش شکل تھے اور ان کی شکل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حذافہ سہمی:

ان کا تعلق قریش کی ایک شاخ بنوسہم بن عمرو سے تھا۔ آنحضرت ﷺ کے قاصدوں میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ انہیں آنحضرت ﷺ نے فارس کے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں بھیجا تھا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ بڑے ظریف الطبع تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی سواری کا تنگ اتنا ڈھیلا باندھا جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سواری سے نیچے آ رہے تھے۔ ان کا مقصد اس سے یہ تھا کہ سواری کا تنگ درست کرنے کے لیے خدمت کا دوبارہ موقع ملے۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ:

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ آنحضرت ﷺ کے قاصدوں میں سے ایک تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حاکم مصر' مقوقس کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ ایام جاہلیت میں حضرت حاطبؓ قریش کے سواروں اور شعراء میں شامل تھے۔ حضرت حاطبؓ سے بہت سی احادیث مبارکہ بھی مروی ہیں۔

حضرت شجاعؓ بن وہب:

آنحضرت ﷺ کے سفیروں میں حضرت شجاعؓ بن وہب بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ سابقون الاولون میں سے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حارث بن شمر غسانی کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ یہ ایک نحیف الجثہ اور طویل القامت انسان تھے۔ انہوں نے جنگ یمامہ میں شہادت پائی تھی۔

حضرت سلیطؓ بن عمروؓ:

آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنا نامہ مبارک دے کر ہوذہ بن علی حنفی کے پاس بھیجا تھا۔ انہوں نے بعدازاں اپنے والد کے ساتھ معرکہ یمامہ میں شہادت پائی۔ یہ اپنے والد کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔

حضرت علاء بن الحضرمیؓ:

حضرت علاء بن الحضرمیؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے سفیروں میں سے ایک تھے۔ یہ کتابت بھی کرتے تھے اس لیے دربار نبوت کے کاتبوں میں بھی شامل تھے۔ انہیں بحرین کے حکمران منذر بن ساوی کی طرف نامہ مبارک دے کر بحرین بھیجا گیا تھا۔

حضرت جریر بن عبداللہؓ:

حضرت جریر بن عبداللہؓ بھی آنحضرت ﷺ کے سفیروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں طائف کے بادشاہ ذی الکلاع نامی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ بڑے صاحب فضل وکمال تھے۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ جب یہ پہلے پہل بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا تھا اور ان کی بڑی عزت وتکریم کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ جس وقت کسی قوم کا بزرگ تمہارے پاس آئے تو تم اس کا احترام کیا کرو۔

حضرت مہاجر بن امیہؓ:

حضرت مہاجرؓ بن امیہ' ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے بھائی تھے اور آنحضرت ﷺ کے سفیروں میں شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن کے حاکم حارث بن عبدکلال حمیری کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ بعدازاں آنحضرت ﷺ نے ان کو کندہ اور صرف کے صدقات کے لیے عامل بھی متعین کیا تھا۔ عہد صدیقی میں حضرت ابوبکرؓ نے انہیں والی یمن مقرر کیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ:

حضرت عمرو بن العاصؓ کا شمار قریش کے ماہرین سیاست وحرب میں ہوتا ہے۔ انہیں آنحضرت ﷺ نے 6ھ میں ملک عمان کے جیفر اور عبد کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ بعد کے زمانے میں والی مصر بنائے گئے تھے اور فاتح مصر بھی کہلاتے ہیں۔

حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ:

حضرت عروہ بن مسعودؓ ثقفی سفراء رسول ﷺ میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ میں بحیثیت مشرک حاضر ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے 9ھ میں جب طائف سے واپسی اختیار فرمائی تو خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔ اس وقت ان کے گھر میں متعدد بیویاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ صرف چار کو رکھو باقی تمام کو طلاق دے دو۔ جب انہوں نے واپس جا کر تبلیغ کرنے کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہیں تمہارے اہل وطن قتل کر دیں گے۔ عروہؓ نے عرض کیا کہ وہ مجھے اپنے اکابرین سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ مگر جب انہوں نے اپنی قوم میں جا کر دعوت اسلام دی تو انہوں نے قبول نہیں کی' ایک دن عروہؓ نے اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی تو اس کی قوم نے اس سفیر رسول ﷺ پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ایک تیر ان کو آ کر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ یمن کے علاقہ میں سباء کی اولاد میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کچھ علاقوں کا والی مقرر کیا تھا۔ روضۃ الاحباب اور مواہب اللدنیہ میں ان کو اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو سفرائے رسول میں شامل بتایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہؓ نے سفیر وقاصد کی خدمات انجام دیں تھیں۔ (۱)

---

۱ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم' مواہب الدنیہ جلد دوم

بارگاہ رسالت کے نامزد کردہ گورنر عمال

بارگاہ رسالت ﷺ سے بہت سے لوگوں کو زکوٰۃ وصدقات کی وصولی اور دیگر امور حکومت کے لیے نامزد کر کے مختلف علاقوں میں بھجوایا گیا تھا۔ ان اصحاب میں سے چند ایک کا تذکرہ بطور تبرک یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:

آنحضرت ﷺ نے مسلم قبائل عرب سے زکوۃ وصدقات کی وصولی کے لیے جن اشخاص کو عمال و گورنر نامزد فرمایا تھا ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ اکابر صحابہ میں سے ایک تھے اور غزوہ تبوک کے دوران آنحضرت ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی تھی۔

حضرت عینیہ ابن حصن فزاری رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بنی تمیم کی جانب وصولی صدقات وزکوۃ کے لیے نامزد کیے گئے تھے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ:

انہیں حضرت کعب ابن مالک بھی کہا جاتا ہے۔ ان کو سرکار مدینہ کی طرف سے قبیلہ اسلم وغفار سے وصولی صدقات کے لیے نامزد کر کے روانہ کیا گیا تھا۔

حضرت عباد ابن یسیر رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ سلیم وقبیلہ مزینہ کی طرف زکوۃ وصدقات کی وصولی کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔

حضرت رافع ابن مکیث رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ جہنیہ سے زکوۃ وصول کرنے کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔

حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ:

ان کو بارگاہ رسالت ﷺ سے اہل فزارہ سے زکوۃ کی وصولی کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ کو بنوکلاب سے محصولیات کی وصولی کے لیے نامزد کر کے بنوکلاب کی طرف بھیجا گیا تھا۔

حضرت بشر ابن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ:

بنی کعب جن کو ارباب سیرت نے عدوی بھی کہا ہے۔ زکوۃ وصدقات کی وصولی کے لیے بارگاہ رسالتؐ سے حضرت بشراء بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ کو کلکٹر مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن للبیہؓ:

ان کو اہل دیبان سے محاصل کی وصولی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے بطور حاکم تقرر پانے والے

حضرت باذان بن ساسان رضی اللہ عنہ:

یہ کسریٰ بہرام کی اولاد میں سے تھے۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے یمن کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ یاد رہے کہ عہد اسلام میں یمن کے پہلے امیر یہی باذان بن ساسان تھے اور شاہان کسریٰ کے خاندان میں سب سے پہلے اسلام بھی انہوں نے ہی قبول کیا تھا۔

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ:

آنحضرت ﷺ کی طرف سے انہیں صنعا' یمن کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت زید بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ:

نبی کریم ﷺ کی طرف سے باذان بن ساسان کی موت کے بعد حضرموت پر حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

آپؓ کا تقرر بارگاہ نبوت سے بطور حاکم زبید وعدن ہوا تھا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ:

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نجد کا حاکم مقرر فرمایا تھا جس کے بعد بارہ ربیع الاول 10ھ میں یمن کا بھی حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت ابوسفیان بن حرب ؓ:

سپہ سالار قریش کو قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کی طرف سے نجران کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت یزید بن ابوسفیان ؓ :

ان کو۔تما کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت عتاب بن اسید ؓ:

آپ ؓ کو فتح مکہ کے بعد گورنر مکہ اور پھر اقامۃ ایام حج 8ھ میں امیر حج مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت علی ؓ بن ابی طالب:

حضرت علی مرتضی ؓ کو یمن میں عہدہ قضاۃ وعدل پر مامور فرمایا گیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ:

آپ ؓ کو آنحضرت ﷺ نے عمان کا والی مقرر کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ:

سنہ 9ھ میں اقامۃ ایام حج کے زمانہ میں امیر حج مقرر فرمایا گیا تھا اور ان کے پیچھے حضرت علی ؓ کو ایک اہم اعلان کے لیے مکہ بھیجا گیا تھا۔ یہ اہم اعلان سورۃ برات کی آیات تھیں۔ ان کے علاوہ بھی دیگر صحابہ کو آنحضرت کی طرف سے بطور حاکم مقرر کیا گیا تھا۔(۱)

بارگاہ رسالت ﷺ کے موذن، شاعر، خطیب اور حدی خواں

موذن: ۔ بارگاہ رسالت ﷺ کے موذنوں میں پہلا نام حضرت بلال ؓ کا ہے۔ یہ قدیم الاسلام اور صادق الایمان صحابی رسول ﷺ تھے۔ انہیں مکہ شریف میں سب سے پہلے اسلام کو ظاہر کرنے کا افتخار بھی حاصل ہے۔ ان کو مشرکین نے بڑی اذیت ناک سزائیں دیں۔ انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر گرم دھوپ میں بٹھا دیا جاتا تھا اور خوب پیٹا جاتا تھا۔ مگر حضرت بلال ؓ جو مستحکم الایمان تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان اذیتوں کو کوئی وقعت نہ دی۔

ان کا مالک امیہ بن خلف تھا جو مکہ کا سب سے بڑا شقی القلب انسان تھا وہ انہیں ریگزار میں لے جاتا اور سخت

---

۱ بحوالہ مواہب الدنیہ جلد دوم، مدارج النبوۃ جلد دوم

دھوپ کے وقت چلچلاتی دھوپ میں ان کے گلے میں رسی باندھ کر گرم ریت پر لٹا دیتا اور ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا مگر ان کے منہ سے اس اذیت کا شکار ہونے کے باوجود بھی صرف احد احد نکلتا تھا۔ ان اذیتوں سے انہیں سیدنا ابوبکر ؓ نے نجات دلائی اور امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے انہیں موذن کا شرف بخشا۔

جناب رسالت مآب ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت بلال ؓ شام منتقل ہو گئے حضرت ابوبکر ؓ نے بہت اصرار کیا کہ مدینہ میں رہ کر اذان کہا کریں مگر حضرت بلال ؓ نے کہا کہ اے ابوبکر ؓ! آپ نے مجھے خریدا اور آزاد کیا تھا مجھے امید ہے کہ اب بھی آپ مجھے آزادی دیں گے (کہ پیغمبر اعظم ﷺ کو سامنے دیکھے بنا اذان کہنا اب میرے بس میں نہیں۔)

عہد فاروقی میں حضرت عمر فاروق ؓ جب شام گئے تو ارباب سیر کے مطابق حضرت عمر ؓ کے اصرار پر انہوں نے ایک بار اذان کہی جسے سن کر حضرت عمر ؓ اور ان کے ساتھیوں کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور بہت روئے۔ علاوہ ازیں ایک بار جب حضرت بلال ؓ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے صحابہ کرام کے اصرار پر اذان کہنا شروع کیا مگر اپنی اذان مکمل نہ کر سکے اور شام واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ گذرا کہ حضرت بلال ؓ کو خواب میں زیارت رسول ﷺ ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں حضرت بلال ؓ سے فرمایا کہ اس قدر ظلم کرتے ہو کہ تم ہماری زیارت کے واسطے بھی نہیں آتے۔ پس حضرت بلال ؓ آنحضرت ﷺ سے یہ سننے کے بعد بلا توقف مدینہ کی طرف چل پڑے اور جونزدیک پہنچے تو اہل بیت نبوی ﷺ کا حال پوچھا۔ انہیں پتہ چلا کہ سیدہ فاطمہ تو رحلت کر گئیں اور ان کے دونوں صاحبزادے حسنین طیبین مدینہ منورہ میں ہیں۔ حضرت بلال ؓ شہر میں تشریف لے آئے۔ صحابہ میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی کہ ان کو اذان دینے کی فرمائش کرے۔ پس کچھ لوگ حضرت حسین ؓ کی خدمت میں درخواست گذار ہوئے کہ حضرت بلال ؓ کو اذان دینے کا کہیں۔ حضرت بلال ؓ جگر گوشہ رسول ﷺ کا حکم کہاں رد کر سکتے تھے۔ پس امام حسین ؓ کے حکم پر مسجد نبوی ﷺ میں اس جگہ آ کر اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے جہاں عہد نبوی ﷺ میں دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال ؓ کے اللہ اکبر کہنے پر لوگوں کو عہد نبوی ﷺ کی یادیں تازہ ہو گئیں اور لوگ رونا شروع ہو گئے جس وقت اشہد ان لا الہ الا اللہ پر پہنچے تو گریہ کا شور حد سے زیادہ بلند ہو گیا اس کے بعد جب حضرت بلال ؓ اشہد ان محمد رسول اللہ پر پہنچے تو سارے شہر میں زلزلہ سا پا ہو گیا اور کہرام اور رونے کا شور اس قدر مچا کہ جیسے یہ وصال نبوی ﷺ کا دن تھا۔ اس کے بعد خود حضرت بلال ؓ میں یارا نہ رہا کہ اذان مکمل کر سکیں اور نہ ہی اہل مدینہ میں اتنی سکت تھی کہ عہد نبوی کی یہ اذان مکمل سن سکیں۔ حضرت بلال ؓ کا وصال 20ھ میں ہوا۔

حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ:

بارگاہ رسالت ﷺ کے دوسرے موذن حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ مکہ کے باشندے اور قدیم الاسلام تھے۔ اکثر غزوات پر تشریف لے جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا قائم مقام بنانے کا شرف بخشا تھا۔ کچھ روایات کے مطابق یہ تیرہ مرتبہ خلیفہ بنائے گئے تھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے انہیں اپنا قائم مقام بنایا تھا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل وعیال کی خاطر پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ بھی اذان کہتے تھے۔ قرآن مجید کی سورۃ عبس وتولی ان کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعض کے مطابق انہوں نے جنگ قادسیہ میں شہادت پائی تھی۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ:

بارگاہ رسالت ﷺ کے تیسرے موذن کا نام شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ دیا ہے۔ یہ قریشی تھے اور مکہ میں آنحضرت ﷺ کے لیے اذان کہتے تھے۔ انہوں نے 59 ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع (دہرانا) کا عمل ادا رکھتے اور اقامت میں تثنیہ کرتے تھے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع نہ کرتے تھے اور نہ ہی وہ اقامت میں تثنیہ کرتے تھے۔ وہ اقامت میں افراد کرتے تھے۔

حضرت سعد قرظ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد قرظ رضی اللہ عنہ عہد رسالت ﷺ کے چوتھے موذن تھے۔ یہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں مسجد قبا میں موذن مقرر فرمایا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینا ترک کر دیا تو انہیں مسجد نبوی ﷺ شریف میں اذان دینے کا شرف حاصل ہوا اور اپنی باقی زندگی یہ مسجد نبوی ﷺ میں اذان دیتے رہے۔ پھر اذان کی وراثت ان کی اولاد میں منتقل ہوگئی اور امام مالکؒ کے زمانے تک یہ خاندان مسجد نبوی ﷺ میں اذان دیتا رہا۔

شعرائے بارگاہ رسالت ﷺ

بارگاہ رسالت ﷺ کے شعرائے کرام میں سے تین شعرا ایسے تھے جو اسلام اور مسلمانوں کا کفار کے شر سے دفاع کرتے تھے اور کفار کے شر کا رد کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ مدحت نبوی ﷺ بھی کرتے نعت گوئی کا اولین شرف انہیں شعراء بارگاہ رسالت کو حاصل ہے۔ ان کا ایک فرض کفار کی ہجو کرنا بھی تھا۔ یہ شعرائے بارگاہ رسالت میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

شعرائے بارگاہ رسالت کی جو تعداد ''روضۃ الاحباب'' میں مندرج ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے 60 خدام ایسے تھے جو شعراء تھے۔ جبکہ خواتین میں بارہ خواتین خادمائیں ایسی تھیں جو شعر کہتی تھیں مذکورہ بالا تین شعرائے بارگاہ رسالت ﷺ کے علاوہ بھی عہد نبوی ﷺ میں مشاہیر شعرائے کرام تھے۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے ایک شاعر حضرت نابغہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے طویل عمر پائی اور بھی کئی شعراء تھے جو اپنی فصاحت وبلاغت کے لیے مشہور تھے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

ان کا نام حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کنیت ابوولید تھی۔ یہ آنحضرت ﷺ کے دربار اقدس کے شاعر تھے۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت سے شاعری کا آغاز کیا تھا اور اس زمانے کے چوٹی کے شعراء میں سے ایک تھے۔ ان کے بعد شاعروں میں عبدالقیس کا نام آتا ہے۔ اس شاعر بارگاہ رسالت ﷺ نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔ عہد اسلام میں انہوں نے جو شاعری کی وہ تمام تر خیر وبرکت کی حامل ہے۔ سیرت نگاروں کے مطابق انہوں نے عہد جاہلیت میں جو شعر کہے تھے وہ بھی عمدہ تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال عہد جاہلیت میں گزارے اور ساٹھ سال اسلام کی آغوش میں بسر کیے۔ شاعر نبوی ﷺ کا اعزاز پانے کے بعد انہوں نے ہر جگہ اور ہر موقع پر اسلام دشمنوں کی ہجو کی اور مدحت نبوی ﷺ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''اہل شرک کے لیے حسان کا شعر تیر سے زیادہ چلنے والا (مہلک) اور اس سے زیادہ شدت والا ہے ایک مرتبہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں منبر شریف پر کھڑے ہو کر شعر گوئی کر رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر اس طرف ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گھورتے ہوئے کہا کہ تم مسجد میں شعر پڑھ رہے ہو تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''میں وہ ہوں جس نے تم سے بہتر اور افضل ذات کے سامنے یعنی رسول اللہ ﷺ کے روبرو مسجد میں شعر سنائے ہیں جب یہ سنا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کر لی۔[1]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے سب سے بہترین اشعار وہ تھے جو انہوں نے فی البدیہہ اس وقت کہے تھے جب قبیلہ بنو تمیم کا وفد بارگاہ نبویؐ میں شرف یاب تھا۔ عین اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ مدحت نبوی ﷺ میں ترتیب دیا تھا اور بنو تمیم کے شاعروں کو لاجواب کر دیا تھا۔ ان کا وصال 40 ھ بعہد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوا تھا۔

---

1 بحوالہ مدارج نبوتؐ جلد دوم مواہب اللدنیہ جلد دوم

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ:

بارگاہ رسالت کے دوسرے شاعر جنہیں آنحضرت ﷺ کے دربار اقدس کا شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔عمدہ شعر کہنے والے اور اطاعت گذار تھے۔غزوہ احد میں ان کو گیارہ زخم آئے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صاحب سیف وقلم تھے۔مشرکین کو یہ اپنے اشعار کے ذریعے جنگ سے خوفزدہ کرتے تھے جبکہ حسانؓ مشرکین کی ہجو کرتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تساہل کی بنا پر دیگر دو اور صحابہ کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کر سکے۔غزوہ تبوک سے واپسی پر آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے پچاس دن کا مقاطعہ ان تینوں کا کیا۔آخر پچاسویں دن نماز فجر کے بعد سورہ توبہ کی آیات 117 تا 119 نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبولیت کا شرف بخشا۔ان کا وصال 53ھ میں ہوا تھا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ:

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت کے تیسرے شاعر تھے۔ان کا تعلق انصار کے قبیلے بنوخزرج سے تھا۔ان کی کنیت ابومحمد تھی۔انہوں نے دین حنیف اور رسول اللہ ﷺ کی اپنے اشعار سے مدد کی۔بیعت عقبہ دوم میں آنحضرت ﷺ نے مدینہ شریف میں تبلیغ کے لیے جو بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے۔یہ ان میں ایک تھے۔8ھ میں غزوہ موتہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امیر لشکر اسلام منتخب ہوئے اور اسی جنگ کے دوران شہادت پائی۔ان تین بڑے شعرائے بارگاہ رسالت ﷺ کے علاوہ بھی کئی اور صحابہ بھی شعر گوئی کرتے تھے مثلاً ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث' عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ' عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ وغیرہ۔دربار نبویؐ کے ایک اور اچھے اور عمدہ شاعر حمید بن نور الہلالی رضی اللہ عنہ تھے۔بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ تھا ''اصبح قلبی من سلیمی مقصدا(۱)

۱ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم

بارگاہ رسالت ﷺ کے خطیب

بارگاہ رسالت ﷺ کے جن خطباء کا ذکر کتب سیر میں کیا گیا ہے ان سے مراد وہ حضرات نہیں جو جمعہ اور عیدین کے مواقع پر خطبے دیا کرتے تھے۔کیونکہ یہ کام تو آنحضرت ﷺ خود ہی سرانجام دیتے تھے۔خطباء بارگاہ رسالت ﷺ میں صرف ایک شخص حضرت ثابت بن قیس ایسے ہیں جو معروف ہیں جب بنوتمیم کا وفد بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو وہ اپنے شعرا اور خطباء کو ساتھ لائے تھے تاکہ مفاخرت کا اظہار کریں۔شعرائے بارگاہ رسالت میں سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ بنوتمیم کے شاعروں سے معارضہ کریں۔اسی طرح بارگاہ رسالت کے خطیبوں میں سے آنحضرت ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کو فرمایا کہ ان کے خطیبوں کا جواب پیش کریں۔پس حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نہایت فصیح وبلیغ خطبہ فی البدیہہ طور پر دیا۔ان کا یہ خطبہ مقابل قوم کی فہم سے بالاتر تھا۔یہاں تک کہ وہ لوگ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے مرعوب ہوکر خاموش ہوگئے۔ظاہر ہے یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی طرف سے تائید ونصرت اور تقویت عطا کرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔بنوتمیم کے وفد کے بزرگ ترین آدمی اقرع بن حابس نے اس کا اعتراف کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ کو عالم غیب سے تائید ونصرت حاصل ہے اور ہم یہ تسلیم کرتے بالکل نہیں جھجکتے کہ آنحضرت ﷺ کے شاعر ہمارے شاعروں سے افضل ہیں اور آپ ﷺ کے خطیب ہمارے خطیبوں کے مقابلے میں برتر ہیں۔اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ:

ان کو خطیب الانصار اور خطیب رسول اللہ ﷺ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی تھی۔بنوتمیم کے وفد کی آمد کے موقع پر جیسے کہ اوپر ذکر آیا انہوں نے اپنی خطابت کے جوہر دکھا کر دشمنوں کو مغلوب کردیا تھا۔عہد صدیقی میں معرکہ یمامہ میں شہادت پائی۔

بارگاہ رسالت کے حدی خوان

ایک غزوہ کے موقع پر آنحضرت سفر فرما رہے تھے۔دوران سفر ایک رات حضرت عامرؓ بن الاکوع کچھ رجزیہ

اشعار حدی کے طور پر پڑھتے جاتے تھے جس پر صحابہ کرامؓ پر وجد طاری ہوگیا۔ایسے میں رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے جو حدی خوانی کر رہا ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ ابن الاکوع ہیں۔تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''رحمۃ اللہ'' ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''غفرلك ربك '' عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ جس وقت خاموش ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن رواحہؓ سے فرمایا ''کیا تم ہمارے واسطے حدی کہو گے؟ پس انہوں نے حدی کہنا شروع کر دیا۔اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی۔

حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ:

حضورؐ کے ایک صحابی تھے۔ وہ ایک حبشی النسل غلام تھے۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے آزاد کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے موالیوں میں شامل تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ براء بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کے واسطے حدی خوانی کرتے تھے جبکہ حضرت انجشہ خواتین کے لیے حدی پڑھا کرتے تھے۔ان سے نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔اے انجشہ !اونٹوں کو آہستہ چلاؤ کہ ان پر سوار آبگینے کہیں ٹوٹ نہ جائیں۔ یہاں آبگینوں سے مراد خواتین تھیں۔خواتین صنف نازک ہیں اور اونٹوں کی تیز رفتاری سے انہیں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد رفع خاطر تھا جو کہ غناء سننے سے میسر آتا ہے۔واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کے آلات حرب

کتب سیر کے تذکروں میں آنحضرت کی دس عدد ذاتی تلواروں کا ذکر ملتا ہے۔تاہم اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ دس تلواریں کیا ایک ہی وقت میں آنحضرت ﷺ کے پاس موجود تھیں؟ یا کہ مختلف سالوں میں آپ ﷺ کے پاس مختلف اعداد میں موجود رہیں اور ان کا شماری عدد دس تک پہنچ گیا۔ بہر حال ہم ان میں چند کا ذکر مندرجہ ذیل سطور میں کر رہے ہیں۔

ذوالفقار:

آنحضرت ﷺ کی ایک معروف تلوار کا نام تھا۔ارباب سیرت نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ تلوار غزوہ بدر میں حاصل ہوئی تھی۔ جملہ غزوات میں مستعمل رہی اور بعد میں آنحضرت ﷺ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ سید فضل الرحمٰن نے اپنی ''فرہنگ سیرت میں لکھا ہے کہ یہ قاضی ابن منبہ السہمی کی تھی اور غزوہ بدر کے مال غنیمت میں شامل تھی۔ جبکہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ تلوار حجاج بن علاط نے آپ ﷺ کو ہبہ کی تھی۔ بعد کے زمانہ میں عباسی خلفا کے پاس رہی۔

المأثور:

یہ تلوار آپ ﷺ اپنے والد کے ترکے میں ملی تھی۔ہجرت کے سفر میں یہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھی۔

عضب:

یہ تلوار آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ھدیہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت پیش کی تھی جب آپ ﷺ میدان بدر کی جانب گامزن تھے۔

المخذم:

آنحضرت ﷺ کی چوتھی تلوار کا نام المخزم تھا۔یہ تلوار قبیلہ طی کے بت الفلس کے ہتھیاروں میں شامل تھی بعد ازاں آنحضرت ﷺ کے حصے میں آئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے فلس کے بت خانے سے لائے تھے۔

رسوب:

رسول اللہ ﷺ کی ایک تلوار کا نام رسوب تھا۔ یہ ان سات تلواروں میں سے ایک تلوار تھی جو ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کو بطور تحفہ یمن سے بھیجی تھیں۔ یہ تلوار بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ 9 ھ میں بنی طے کے بت خانے فلس سے بطور مال غنیمت لائے تھے۔ کچھ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ تلوار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں زید الخیل طائی نے بھیجی تھی۔[1]

قلعی:

یہ آنحضرت ﷺ کی ملکیتی چھٹی تلوار تھی۔ حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ قلعی لفظ قلع سے ہے۔قلع نام کا ایک مقام صحرا میں واقع تھا۔یہ تلوار وہاں سے لائی گئی تھی۔

قضب:

آنحضرت ﷺ کی ساتویں تلوار کا نام ہے۔اس تلوار کو آنحضرت ﷺ نے اپنی کمر مبارک کے ساتھ لٹکایا تھا۔

---

1. مدارج نبوت جلد دوم

القضیب :

آنحضرت ﷺ کی ایک اور تلوار کا نام قیضب تھا۔ یہ تلوار بنی قینقاع کے ہتھیاروں میں سے آپ ﷺ کے حصے میں آئی تھی۔

حتف :

آنحضرت ﷺ کی ایک تلوار حتف نامی تھی۔ یہ بھی بنوقینقاع کے ہتھیاروں میں شامل تھی۔

آنحضرت ﷺ کی زرہ مبارک

مواہب اللدنیہ میں آنحضرت ﷺ کی زرہوں کی تعداد سات بتائی گئی ہے جن کے نام یہ تھے۔ ذوالفضول، ذات الوشاح، ذات الحواشی، سغدیہ، فضہ، بترا اور خرنق۔ ان میں سے چند ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔

ذوالفضول:

غزوہ بدر کے موقع پر ذوالفضول نامی زرہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ زرہ لوہے کی بنی ہوئی ایک طویل زرہ تھی۔ حنین اور خیبر کے دن آپ ﷺ نے یہ زرہ زیب تن فرمائی تھی۔[1]

ذات الحواشی:

حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ یہ ایک منفرد قسم کی زرہ تھی اس لیے اس کو یہ نام دیا گیا تھا۔

فضہ :

آپ ﷺ کی یہ زرہ بھی بنی قینقاع کے ہتھیاروں میں سے آپ ﷺ کے حصے میں آئی تھی۔

یادرہے بعض غزوات میں آنحضرت ﷺ نے دو دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں مثلاً احد کے روز آپ ﷺ نے دو زرہیں، ذوالفضول اور فضہ زیب تن فرمائی تھیں جبکہ یوم حنین میں آپ ﷺ نے ذوالفضول اور سغدیہ پہن رکھی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ڈھالیں

کتب سیرت میں آنحضرت ﷺ کی تین ڈھالوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن کے نام یہ تھے۔ ازلق، فتق اور دوقر۔ حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ان تین ڈھالوں کے علاوہ ایک چوتھی ڈھال بھی آپ ﷺ کے پاس تھی۔ اس پر عقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی اور یہ آپ ﷺ کے پاس بطور ہدیہ آئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس تصویر کو دیکھا تو

کراہت فرمائی۔ آپ ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے وہ تصویر اس ڈھال پر سے ہٹادی۔[1]

آنحضرت ﷺ کے نیزے

صاحب مواہب اللدنیہ نے مغلطائی کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے نیزوں کی تعداد چار بتائی ہے جن کے نام یہ تھے۔ مثوی، مثنی، بیضا اور عنزہ۔

ان میں سے تین آپ ﷺ نے بنوقینقاع کے ہتھیاروں میں سے اپنے لیے منتخب فرمائے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے خود شریف

آپ ﷺ کے دو خود تھے۔ سبوغ، موشح ان میں سے سبوغ نامی خود لوہے کا بنا ہوا تھا۔ حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ احد کے دن بھی آپ ﷺ نے ایک لوہے کا بنا ہوا خود زیب تن فرمایا تھا۔ اس خود کی ایک کڑی آنحضور ﷺ کے چہرہ مبارک میں چبھ گئی تھی۔ اسی سے آپ ﷺ کا رخ مبارک اور سرانور زخمی ہو گئے تھے اور خون آپؐ کے رخساروں پر بہنے لگا تھا۔[2]

آنحضرت ﷺ کی کمان مبارک

رسول اللہ ﷺ کی چھ کمانیں تھیں۔ ان میں سے تین کمانیں بھی بنوقینقاع کے اسلحہ میں سے آپ ﷺ کے حصے میں آئی تھیں۔ ان کے نام مواہب اللدنیہ میں یہ دیے گئے ہیں۔ رداء، روحا، صفرا، بیضا، کتوم، سداء۔

کتوم نامی کمان احد کے دن ٹوٹ گئی تھی، اسے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے لے لیا تھا۔ جب ٹوٹنے کے بعد یہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں واپس آئی تو پہلے سے کہیں بہتر ہوگئی تھی۔

آنحضرت ﷺ کا علم مبارک:

آنحضور ﷺ کے متعدد علم اور جھنڈے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ایک علم مبارک کا رنگ سیاہ تھا اور نام عقاب تھا۔ آپ ﷺ کا ایک اور علم سفید رنگ کا تھا۔ ان کے علاوہ بعض اوقات آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی چادروں سے بھی علم تیار فرمالیتے تھے۔

---

۱ مواہب اللدنیہ

۲ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم

آنحضرت ﷺ کا خیمہ شریف:

رسول اللہ ﷺ کا ایک خیمہ مبارک بھی تھا جس کا نام ''کن'' تھا۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں کہ ایک حدیث شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ جس خیمہ شریف میں ہوا کرتے تھے وہ ایک چھوٹا خیمہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحابی آپ سے اسی خیمہ ملنے کے لیے آئے جب آنحضرت ﷺ نے ان کو خیمہ کے اندر بلایا تو وہ بطور مزاح بولے یا رسول اللہ! کیا میں اپنے مکمل جسم کے ساتھ اس خیمہ میں داخل ہو جاؤں۔ اس سے مراد یہ تھی کہ یہ اتنا تنگ خیمہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے بھی چھوٹا پڑتا تھا۔ اس میں مزید کوئی شخص کیسے آسکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی جواب میں خوش طبعی فرمائی اور فرمایا کہ ہاں تم اپنے پورے جسم کے ساتھ اندر آجاؤ۔[1]

آنحضرت ﷺ کا عمامہ شریف:

رسول اللہ ﷺ اپنے ایک عمامہ شریف کو سحاب فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کا ایک عمامہ مبارک سیاہ رنگ کا تھا۔ سحاب نامی عمامہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا تھا۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ شریف زیب تن فرمایا تھا۔

آپ ﷺ کی چادر مبارک:

آپ ﷺ کی ایک چادر شریف کا ذکر صاحب مواہب الدنیہ نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ایک چادر مبارک تھی جس کا طول چار ذراع اور عرض ایک ذراع تھا۔ ایک اور روایت میں چادر شریف کا عرض دو ذراع بیان ہوا ہے۔[1]

آپ ﷺ کا عصا مبارک:

آنحضرت ﷺ کا ایک عصا مبارک بھی تھا۔ آپ ﷺ اس پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ایک عصا پر ٹیک لگانا بھی ہے۔

آپ ﷺ کا پیالہ شریف:

آپ ﷺ کا ایک پیالہ شریف ''ریان'' کہلاتا تھا۔ اس پیالے شریف میں آپ ﷺ دودھ اور شربت وغیرہ نوش فرماتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ریان رکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ کا ایک اور پیالہ شریف بھی تھا جس کا نام

[1] بحوالہ مواہب اللدنیہ

مغیث تھا۔ ایک اور پیالہ مضبب نامی تھا۔ اس پر تین مقامات پر چاندی کی کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ ان پیالوں کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس ایک میدان نامی پیالہ بھی تھا۔ یہ پیالہ آنحضرت ﷺ اپنے سرہانے رکھتے تھے۔ آپ ﷺ اس میں بول فرمایا کرتے تھے۔ ایک پیالے کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں وہ زجاج یعنی شیشے کا بنا ہوا تھا اور کسی بادشاہ کی طرف سے بطور تحفہ آیا تھا۔

آپ ﷺ کا آئینہ شریف:

آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک آئینہ تھا جو آپ کے ذاتی استعمال میں تھا۔ اس میں آپ ﷺ اپنے جمال زیبا کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ اس آئینہ کا ایک آئینہ دان بھی تھا جسے ربعہ آئینہ کہا جاتا تھا۔ یہ بھی سیدہ ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ مقوقس نے اسکندریہ سے بطور ہدیہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آئینہ کا نام آنحضرت ﷺ نے مدلہ رکھا ہوا تھا۔ یہ لفظ ''تدلیہ'' سے نکلا ہے عربی زبان میں تدلیہ کے معنی ہوتے ہیں عشق کے دوران عقل نہ رہنا اور بے خود ہو جانا۔ اس لیے حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے آپ ﷺ پر خود ہی عاشق ہو جاتے تھے یا دیگر افراد جب آپ ﷺ کے جلوہ کمال زیبا کی زیارت کرتے تھے تو از خود رفتہ ہو جاتے اور فریفتہ حسن نبوت ﷺ ہو جاتے تھے۔[1]

آنحضرت ﷺ کی کنگھی شریف:

آپ ﷺ کی ایک مشط (کنگھی) شریف تھی یہ عاج کی بنی ہوئی کنگھی تھی۔ ایک حدیث شریف میں مذکور ہے۔ ''کان لمشط من عاج'' عاج سے مراد علما ہاتھی دانت لیتے ہیں۔

آپ ﷺ کی سرمہ دانی:

آنحضرت ﷺ کی ایک سرمہ دانی شریف بھی تھی جسے ''مکحلہ'' کہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ہر شب سونے سے پہلے تین تین سلائیاں سرمہ اپنی آنکھوں میں لگاتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو بار دائیں آنکھ میں پھر تین بار بائیں آنکھ میں اور پھر تیسری بار دائیں آنکھ میں۔

آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی شریف:

رسول اللہ ﷺ کے پاس چاندی کی بنی ہوئی ایک انگوٹھی شریف تھی۔ اس کا نگینہ بھی چاندی کا ہی تھا۔ مواہب

[1] مواہب اللدنیہ

اللدنیہ میں لکھا ہے کہ ایک انگوٹھی لوہے کی بھی تھی۔ اس پر چاندی کا ملمع کیا ہوا تھا مگر حدیث پاک میں آیا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا ممنوع ہے۔(۱)

آنحضرت ﷺ کے جبے شریف:

مواہب الدنیہ جلد دوم اور مدارج نبوت جلد دوم میں لکھا ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تین جبے شریف تھے۔

یہ جبے آپ ﷺ دوران جنگ زیب تن فرماتے تھے۔ ان جبوں میں سے ایک جبہ سبز سندس کا بنا ہوا تھا۔ دوسرا اطلس کا تھا۔ تیسرے جبے کے بارے میں کتب سیرۃ میں کوئی تفصیل نہیں آئی۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جبہ شریف سیدہ عائشہؓ کے پاس ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد یہ جبہ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ انہوں نے حاصل کر لیا تھا۔ اس جبہ کو دھو کر وہ پانی شفایابی کی خاطر مریضوں کو پلاتی تھیں۔

آپ ﷺ کی تھیلی شریف:

آپ ﷺ کی تھیلی چمڑے کی تھی اور اسے ابعہ کہتے تھے۔ یہ تھیلی آپ ﷺ کو مقوقس نے بطور تحفہ بھجوائی تھی۔

آپ ﷺ کا تخت:۔

آپ ﷺ کا ایک تخت شریف تھا جس کے پائے ساج کے تھے۔ یہ تخت اسعد بن زارہ نے آپ ﷺ کو بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ اس پر آپ ﷺ آرام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا جنازہ بھی اسی تخت پر اٹھایا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے بعد اسی تخت پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا جنازہ بھی اٹھایا گیا تھا۔

عہد بنوامیہ میں اس تخت کو علیحدہ کر کے اس کے تختے فروخت ہوئے تھے۔ عبداللہ ابن اسحاق نے چار ہزار درہم میں یہ تختے خرید کیے تھے۔

آپ ﷺ کا قطیفہ:

قطیفہ روئی دار کمبل کو کہتے ہیں۔ جس میں مختلف خطوط ہوتے ہیں۔ آپ ؐ کا ایک قطیفہ بھی تھا۔

روایت ہے کہ رسول اللہؐ کے چند تبرکات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھے۔ ان میں یہ قطیفہ بھی شامل تھا۔ آپ ؒ یعنی عمر بن عبدالعزیز اکثر ان کی زیارت کرتے تھے۔

۱؎ بحوالہ مدارج نبوت جلد دوم

آنحضرت ﷺ کے پالتو چوپائے

حضور ﷺ کے سواری کے گھوڑے:

کتب سیر میں آنحضرت ﷺ کے 20 گھوڑوں کا ذکر ملتا ہے۔ مواہب اللدنیہ جبکہ مدارج النبوت جلد دوم میں آنحضرت ﷺ کے گھوڑوں کی تعداد 10 بتائی گئی ہے۔ صاحب مواہب اللدنیہ نے گھوڑوں کے نام یہ دیے ہیں۔

سکب، مرتجز، ظرب تمما، لحیف، الزاز، درد، مسجد، بحر، سج، ذواللمہ، ذوالعقال، سرحان، طرف، مرتجل، مرواح، ملاح، مندوب، نجیب، یعبوب، یعسوب ان میں چند کا ذکر تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔

سکب:۔ آنحضرت ﷺ کے ایک پالتو گھوڑے کا نام سکب تھا۔ سکب عربی زبان میں پانی کے بہنے کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ گھوڑا جب چلتا تھا تو پانی کی سی تیزی سے چلتا تھا۔ سکب وہ اولین گھوڑا تھا جو آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں آیا۔ آپ ﷺ نے اسے دس اوقیہ میں خریدا تھا۔

مرتجز:

آنحضرت ﷺ کے ایک گھوڑے کا نام مرتجز تھا۔ اس کا یہ نام اس لیے تھا کہ اس کی آواز اچھی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے رجز پڑھ رہا ہو۔ رجز جنگی اشعار کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام مرتجز پڑ گیا تھا۔ مرتجز کو حضور ﷺ نے سواء بن الحارث سے خریدا تھا۔ مگر بعد ازاں اس بدبخت نے انکار کر دیا کہ میں نے فروخت نہیں کیا۔ اس کی شہادت حضرت خزیمہ بن ثابتؓ نے دی۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کس نے آمادہ شہادت کیا جبکہ تم اس کے ساتھ حاضر نہیں تھے؟ حضرت خزیمہؓ نے کہا جو شے آپ ﷺ لائے ہیں میں نے اس کی تصدیق کی ہے.... اور مجھے علم ہے کہ آپ ﷺ حق سچ کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔"۱؎

ظرب تمما:

اس گھوڑے کا نام ظرب اس لیے تھا کہ یہ بہت بڑا اور فربہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق ظرب نام اس کی قوت کی وجہ سے تھا۔ یہ گھوڑا آپ ﷺ کو فروہ بن عمرو انجذامی نے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ عمرو الجذامی روم کا باجگزار تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی کی پاداش میں اسے اہل روم نے قتل کر دیا تھا۔

۱؎ مدارج نبوت جلد دوم

لحیف:

لحیف نامی گھوڑا ربیعہ بن ابی لبراء نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا۔ اس کا نام لحیف اس لیے تھا کہ یہ بہت فربہ تھا' ہروی نے لکھا ہے کہ اس کی دم کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کا نام لحیف تھا۔ گویا وہ اپنی دم سے زمین کو لحاف اوڑھاتا تھا۔

الزاز:

اس کا نام الزاز اس لیے تھا کہ یہ بہت گٹھیلا تھا۔ اس کے کل اعضاء خلقت میں مجتمع تھے۔ یہ گھوڑا مقوقس شاہ مصر نے آپ ﷺ کو بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

ورد:

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ تمیم الداری نے یہ گھوڑا آپ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا آپؐ نے اسے حضرت عمرؓ کو عطا فرما دیا تھا۔ حضرت عمرؓ اس پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سوار ہوئے۔

مسیحد:

یہ آپ ﷺ کا ساتواں گھوڑا تھا۔ یہ گھوڑا آنحضرت ﷺ نے ایک اعرابی سے مول لیا تھا۔ ابن سیرین نے لکھا ہے کہ یہ گھوڑا اشقر تھا۔ ان سات گھوڑوں پر تمام علمائے سیرت متفق ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے خچر

آپ ﷺ کے چھ خچر تھے۔ جن کے نام مواہب اللدنیہ میں یہ دیے گئے ہیں۔ دلدل' فضہ' عطاء کے بیٹے کا ہدیہ اکیدر نصرانی کا ہدیہ' نجاشی کا ہدیہ' کسریٰ کا ہدیہ۔

دلدل:

آپ ﷺ کے خچروں میں سے ایک دلدل تھا۔ اس کے رنگ کو شہبا کہتے ہیں۔ شہبا وہ ہے جس کے بالوں میں سپیدی سیاہی پر غالب ہو۔ یہ خچر مقوقس' شاہ مصر نے آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس پر سفر میں سواری فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ جانور زندہ رہا بعد میں اس کے دانت گر گئے اور مقام ینبع میں یہ مر گیا تھا۔

ایک خچر نجاشی نے بطور ہدیہ بھیجا تھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اس پر سواری فرماتے تھے۔ اکیدر نصرانی نے دومۃ الجندل سے آپ کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ البتہ کسریٰ کی طرف سے بھیجا گیا تحفہ محل نظر نظر آتا ہے۔ شاید یہ کسریٰ پرویز کی بجائے کسی دوسرے نے بھیجا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں

صاحب مواہب اللدنیہ نے آپ ﷺ کی اونٹنیوں کے 25 نام دیے ہیں جبکہ مدارج النبوت جلد دوم میں حضرت شیخ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پندرہ سے زائد اونٹنیاں تھے۔ جن میں سے چند یہ تھیں۔

قصواء:

آپ ﷺ کی دودھ دینے والی اونٹنیوں میں سے ایک قصواء تھی۔ یہ اونٹنی آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدی تھی اور اسی اونٹنی پہ آپؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ قصواء ہی کے بارے میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ یہ مامور من اللہ ہے جہاں یہ بیٹھے گی اس کے ہاں آپؐ مدینہ میں مہمان ہوں گے۔ اسی اونٹنی پر سواری کے دوران وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ یہ اونٹنی اونٹوں کی دوڑ میں بھی حصہ لیتی تھی۔

عضبا اور جدعا:

ایک اونٹنی کا نام عضبا تھا جبکہ ایک اور کا نام جدعا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی عضبا اس اونٹنی سے تیز رفتاری میں کوئی اونٹ آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی کا اونٹ اس سے آگے نکل گیا۔ صحابہؓ پہ یہ امر شاق گذرا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ دنیا کی چیزوں سے کسی چیز کو رفعت نہیں دیتا ہے مگر پست کر دیتا ہے۔''

مکتسب:

آنحضرت ﷺ کو بدر کے دن ابوجہل کا اونٹ مال غنیمت میں ملا تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا حلقہ تھا۔ اس اونٹ کا نام مکتسب تھا۔ یوم حدیبیہ کو آپ ﷺ نے اس اونٹ کو قربانی کے اونٹوں کے ساتھ بھیج دیا تھا تاکہ مشرکین اس سے غیظ میں آئیں۔

[1] مدارج نبوت جلد دوم

مہرہ:

یہ اونٹنی آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجی تھی۔

اطلال اور اطراف:

ان دونوں اونٹنیوں کا عراقی نے بکریوں کے باب میں ذکر کیا ہے۔

جردہ:

یہ اونٹنی ضحاک بن سفیان نے آپ ﷺ کو ہدیہ میں بھیجی تھی۔ یہ دو اونٹنیوں کے برابر دودھ دیتی تھی۔

نبی کریم ﷺ کے 20 اونٹ دودھ دینے والے تھے۔ وہ مدینہ کے نواح میں غابہ کے مقام پر چرتے تھے۔

وہاں سے ہر شب ان کا دودھ مدینہ منورہ لایا جاتا تھا اور آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال کے استعمال میں آتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی بکریاں

حضرت شیخ محدث دہلویؒ اپنی مدارج النبوت میں رقمطراز ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں سات دودھ دینے والی بکریاں تھیں۔ ان بکریوں کو حضرت ام ایمنؓ چرایا کرتی تھی، وہ بکریوں کا دودھ کو دوھ بھی لایا کرتی تھی۔ ان بکریوں کے نام بھی کتب سیر میں دیے گئے ہیں۔ ابن سعد نے آنحضور ﷺ کی ایک بکری کا نام قمر دیا ہے جبکہ صاحب مواھب اللدنیہ آنحضرت ﷺ کی بکریوں کی تعداد 100 کے قریب بتاتے ہیں اور چھ بھیڑیں بھی آپ کی ملک قرار دیتے ہیں۔ یہاں ایک ابہام یہ بھی ارباب سیر نے جن میں عراقی شامل ہے بتایا ہے کہ بعض اونٹنیوں کے نام بکریوں کو دے دیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تمت

کتابیات

ENCYCLOPEDIA OF SEERAH.	AFZALURRAHMAN
MUHAMMAD AT MECCA	MONTGUMERY WATT
MUHAMMAD AT MADINA	MONTGUMRY WATT
LIFE OF MAHOMET	WASHINTON IRVING
LIFE OF MAHOMET	SIR WILLIAM MUIR
ISLAM AND INTEGRATIN OF SOCIETY.	W MONTGOMERY WATT
HISTORY OF THE ARABS.	P.K HITT
CAMBRIDGE HISTORY OF ISLAM	
THE SPIRIT OF ISLAM,	SEYED AMEER ALI
THE LEGACY OF ISLAM,	ARNOLD.T.W
MUHAMMAD AND LEARNING,	STEPHEN.N
MUHAMMAD THE BENEFACTOR OF HUMANITY,	NAEEM SADDIQI
THE LIFE OF MUHAMMAD	ABDUL HAMEED SIDDIQI
ISLAM UNDER THE ARABS	OSBORNEI

محسن انسانیت	نعیم صدیقی
مدارج النبوت، جلد اول دوم	شیخ محدث دہلوی
پیغمبر اعظم وآخر	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
مواہب اللدنیہ	امام احمد بن محمد قسطلانی
نقوش رسول نمبر جلد 4.3.2.1	
خصائص الکبری	مولانا جلال الدین سیوطی
فرہنگ سیرت	سید فضل الرحمٰن،
دلائل نبوۃ	حافظ ابونعیم اصفہانی
تاریخ عالم کے اہم سنگ میل	اخلاق احمد قادری،
نبی رحمت	سید ابوالحسن ندوی
سیرت انسائیکلوپیڈیا،	دارالسلام،

سیرت ابن ہشام	اردو ترجمہ
انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی	سید قاسم محمود
اسوہ رسول کریم ﷺ	ڈاکٹر محمد عبدالحئی صدیقی
شواہد نبوت'	مولانا عبدالرحمٰن جامی'
تجلیات سیرت	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
عہد نبوت کے ماہ وسال'	مولانا ہاشم ٹھٹھوی'
الکامل فی التاریخ	ابن اثیر
تاریخ طبری جلد اول	علامہ طبری'
الطبقات الکبریٰ	ابن سعد
محمد' مقالہ	اردو دائرہ المعارف پنجاب یونیورسٹی'
فیض الباری	محمد انور شاہ کشمیری
عہد نبویؐ کے میدان جنگ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ'
الوثائق السیاسیہ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
سیرۃ المصطفیٰ ﷺ	مولانا ادریس کاندھلوی
رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
رحمۃ للعالمین ﷺ	قاضی سلیمان منصور پوری
معین الدین ندوی	تاریخ اسلام
تاجدار دو عالم ﷺ	عزائم عبدالرحمٰن
تذکار محمد ﷺ	ہمدرد اکیڈمی کراچی
سیرۃ النبی ﷺ	شبلی نعمانی
رسول عربی ﷺ	ابوالکلام آزاد
اسلامی طریق جنگ	میجر جنرل اکبر خاں
الجامع الصحیح	امام بخاریؒ
الجامع الصحیح	امام مسلم
اسد الغابہ	ابن (الاثیر) الجزری